فقہ الزواج

ازدواجی زندگی کے شرعی مسائل اور انکا حل

میاں بیوی کے باہمی تعلقات، آداب، مباشرت، جنسی بے راہ روی کے نتائج
طلاق، جبری خلع، کورٹ میرج، اور نکاح کے جدید و قدیم مسائل

مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب مدظلہم
استاذ و معین مفتی جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

دارالاشاعت
اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

فقہ الزواج

ازدواجی زندگی کے شرعی مسائل اور انکا حل

میاں بیوی کے باہمی تعلقات، آداب، مباشرت، جنسی بے راہ روی کے نتائج
طلاق، جبری خلع، کورٹ میرج، اور نکاح کے جدید و قدیم مسائل

تالیف
مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب
استاذ و معین مفتی جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 32213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : نومبر ۲۰۱۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 480 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿......ملنے کے پتے......﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عرض مؤلف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

نکاح نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ یہ وہ عمل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور جنت میں بھی جاری رہے گا، گویا کہ انسان کے وجود کے ساتھ لازمی عمل ہے، اسی سے انسانی مزاج میں اعتدال پیدا ہوتا ہے یہ نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباۃ فلیتزوج فانہ أغض للبصر وأحصن للفرج. فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء. (مشکوۃ)

اسی سے صالح انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے، میاں بیوی، بیٹا بیٹی، بہن، بھائی، بہن چچا ماموں، خالہ پھوپھی وغیرہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اس سے ایک دوسرے کے حقوق پہچانے جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا، غمخواری کرنا، صلح رحمی کرنا آسان ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر حقوق ادا کرنا ممکن اور آسان ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ارشاد: ''النکاح من سنتی''. کے ذریعہ اس کو سنت قرار دیا، اور علماءِ امت نے انسانوں کے شخصی حالات کو سامنے رکھ کر اس کے درجات فرض، سنت، مباح وغیرہ قائم فرمائے۔

نیز شریعت مطہرہ نے نکاح کی ترغیب دی، اور جنسی بے راہ روی کو حرام قرار دیا، نسل انسانی کو بڑھانے کے جائز طریقہ نکاح اور شرعی باندی کے علاوہ شہوت رانی کے ہر طریقہ کی حوصلہ شکنی کی، اس کے اختیار کرنے کو حرام قرار دیا اور اس پر وعید بیان فرمائی۔

نیز یہ تعلیم دی کہ نکاح صرف وقتی لذت حاصل کرنے کے یا شہوت پوری کرنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ تاحیات قائم رہنا چاہیے۔ اسی طرح یہ بھی بتایا کہ اولاد کی تربیت، ان میں خدا ترسی اور فکر آخرت پیدا کرنے کی کوشش کرنا، احکام شریعت سے واقف قرآن وحدیث کی تعلیم

سے روشناس کرانا بھی ماں باپ کی ذمہ داری میں داخل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے نکاح کے یہ مقاصد امت کے پیش نظر تھے ،اور اسی سے انسانی معاشرہ قائم رہا اور امن وخوشی کی زندگی بسر ہوتی رہی، لیکن دوسری طرف جب سے یورپ میں صنعتی انقلاب اور مال ودولت کی ریل پیل شروع ہوئی تو لوگ دنیا جمع کرنے کی ہوس میں خواتین کو بھی گھروں کی چار دیواری سے گھسیٹ کر بازاروں میں لے آئے کہ یہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کریں اور دنیا کی دولت جمع کریں۔

اپنی دنیا کمانے کے ہنر سیکھنے سکھانے کے لیے اسکول وکالج وجود میں آئے، یہاں پڑھ کر دفاتر، بینکوں اور دیگر اداروں میں ایک ساتھ کام کرنے میں مردوں اور عورتوں کا بے محابا اختلاط ہونے لگا جس سے عورتوں کی فطری حیا ختم ہوگئی۔ معاشرہ جنسی بے راہ روی کا شکار ہوگیا اور خاندانی نظم ونسق میں خلل پیدا ہوگیا جس سے معاشرہ بگڑ گیا اور امن وسکون تباہ ہوگیا۔ یہی بات آہستہ آہستہ مسلم دنیا کی طرف منتقل ہوگئی۔

اب مسلم نوجوان اسکول وکالج کے آزاد ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے آزاد خیال، مذہب بیزار اور ذہنی آوارگی کا شکار ہوگئے اور خواتین میں بھی یہ باتیں پیدا ہوگئیں۔ نکاح وطلاق کے مقاصد میں خلل پیدا ہوگیا، شادی کروانا، لڑکیوں کا انتخاب جو ماں باپ اور سرپرستوں کی ذمہ داری تھی اس کی جگہ من پسند شادیوں نے لے لی اور مسجد میں نکاح کا انعقاد جو مسنون ہے، اس کی جگہ کورٹ میرج نے لے لی۔

اسی طرح میاں بیوی کی آپس میں ناچاقی کی صورت میں صلح صفائی کے لیے جو نظام ہے اس کو چھوڑ کر عدالتی خلع کا نظام وقانون وجود میں آ گیا، جس سے طلاق کا معاملہ جو سو فیصد مردوں کے ہاتھ میں تھا وہ عورتوں کے ہاتھ لگ گیا۔ اب میاں بیوی میں جدائی کے واقعات جو کبھی پورے سال میں اکا دکا پیش آتے تھے، اب روزمرہ پیش آنے لگے۔ جس سے بچوں کی تربیت کا نظام بہت متاثر ہوا اور بچوں کے اخلاق بگڑ گئے۔ شریعت نے نکاح کو سادگی کے ساتھ معمولی خرچہ پر انجام دینے کی جو تعلیم دی اور اس کو بہت ہی آسانی قرار دیا اب اس میں طرح طرح کی رسم ورواج شامل ہونے کی وجہ سے ایک انتہائی مشکل کام بن گیا۔

آج لوگ ایک ایک شادی کے لیے سالوں پریشان رہتے ہیں، طرح طرح پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔

ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر خیال پیدا ہوا کہ نکاح وطلاق کے شرعی نظام پر مشتمل ایک ایسی کتاب لکھی جائے جو معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے رہنمائی کا کام دے اور عوام وخواص سب کی ضرورت اس سے پوری ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کام مکمل ہوگیا ہے۔

اس میں نکاح نہ کرنے کے نقصانات، نفقہ، سکنیٰ، میاں بیوی کے حقوق طلاق، خلع، کورٹ میرج غرضیکہ اس موضوع سے متعلق ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ اب یہ اس موضوع پر جامع اور مکمل کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔

العبد احسان اللہ شائق عفا اللہ عنہ

خادم افتاء وتدریس جامعۃ الرشید کراچی

رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

کتاب النکاح

نکاح کا لغوی معنی:

لغت میں نکاح دو معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے:

۱- عقدِ نکاح

۲- وطی (ہمبستری)

نکاح کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاحِ شریعت میں نکاح کا معنی یہ ہے کہ کسی ایسی عورت کو عقد نکاح میں لانا، جس سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہوتا کہ اس کے ساتھ حلال طریقہ سے جنسی تسکین حاصل کی جاسکے۔

نکاح ایک ایسی عبادت ہے جو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک جاری ہے، جنت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا، نیز انبیاء علیہم السلام کی بھی سنت مستمرہ ہے۔

"هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي."

(ردالمحتار: ۳/۳ کتاب النکاح)

نکاح کی اقسام

(۱) فرض:

کسی شخص پر شہوت کا اس قدر غلبہ ہو کہ اگر نکاح نہ کرے تو ضرور زنا کاری میں مبتلا ہو جائے گا، اور اس کو بقدر ضرورت نفقہ اور مہر پر حقیقۃً یا حکماً قدرت بھی حاصل ہے تو شرعاً اس پر فرض ہے کہ شادی کرکے اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔

(۲) واجب:

اگر کسی پر شہوت کا غلبہ ہے، کہ شادی نہ کرے تو زنا میں مبتلا ہونے کا خوف ہے لیکن یقین

نہیں، اور اس کو بیوی کے نان ونفقہ پر قدرت بھی حاصل ہے، ایسے شخص پر شادی کرکے اپنی عصمت کی حفاظت واجب ہے۔

ويكون واجبا عند التوقان، فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهايه وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه.

بدائع (ردالمحتار: ۳/٦)

(۳) سنت:

اگر کوئی شخص نکاح کے قابل ہوگیا، نان نفقہ پر قدرت حاصل ہے، اور ہمبستری پر بھی قدرت ہے، نکاح سے کوئی حسی یا شرعی مانع موجود نہیں، ایسے شخص کے لیے نکاح کرکے باعزت زندگی گزارنا شرعاً مستحب ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل ہے، اور شادی سے اعراض کرنے والوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا۔ لہٰذا ایسا شخص اتباع سنت کی نیت سے اپنی عصمت کی حفاظت اور صالح اولاد کے حصول کی نیت سے شادی کرے تو اجر وثواب کا حق دار ہوگا۔

ودليل السنية في حالة الاعتدال، الاقتداء بحاله صلى الله عليه وسلم في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة، كما في الصحيحين، ردا بليغا، بقوله: "فمن رغب عن سنتي فليس مني" كما أوضحه في الفتح ١هـ. وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار، وقدمناه أنه أفضل من التخلي للنوافل. (ردالمحتار: ۳/۷)

(۴) حرام:

اگر کسی شخص میں بیوی کے حقوق ادا کرنے کی طاقت نہ ہو، مثلاً نامرد ہے، یا نان نفقہ پر حقیقۃً یا حکماً قادر نہیں، نیز مزاج کی سختی وغیرہ کی وجہ سے اس کو یقین ہے کہ بیوی کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے، تو ایسے شخص کے لیے شادی کرنا حرام ہے۔

(۵) مکروہ تحریمی:

جس شخص کو بیوی پر ظلم کا یقین تو نہ ہو لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ظلم ہوجائے گا تو ایسے شخص کے لیے جب تک اداءِ حقوق پر قدرت نہ ہو نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قوله: فإن تيقنه أي تيقن الجور حرام لأن النكاح إنما شرع لمصلحة تحصين النفس، وتحصيل الثواب وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات، فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد بحر.

(ردالمحتار:۳/۷)

(۶) مباح:

اگر کسی شخص کو حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قاصر ہونے کا اندیشہ ہو، اس کا یقین یا ظنِ غالب نہ ہو تو اس کے لیے شادی کرنا مباح ہے۔

وقسما سادسا ذكره في البحر عن المجتبىٰ وهو الإباحة إن خاف العجز عن الإيفاء بموجبه اهـ ،أي خوفا غير راجح.

(شامية: ۳/۷)

نکاح کی اہمیت

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم: "يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء." متفق عليه.

(مشکوٰۃ ۲/۲۶۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے جوانوں کی جماعت، تم میں سے جو شخص مجامعت اور اس کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نان نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی قدرت استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہیے وہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح سے نظر کی حفاظت ہوتی ہے اور شرمگاہ محفوظ ہوجاتی ہے اور جو شخص جماع کی لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزے رکھے، کیونکہ روزے رکھنا اس کے لیے خصی کرنے کا فائدہ دے گا۔" (بخاری ومسلم)

یعنی جس طرح خصی کرنے سے جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان کم ہوجاتا ہے۔

(تشریح:) اس حدیث میں نکاح کے دو بڑے فائدے بیان ہوئے:

۱- حرام جگہ نظر ڈالنے سے آنکھوں کی حفاظت۔

۲- حرام کاری کے ذریعہ شہوت رانی سے حفاظت۔

پاکدامنی کے لیے نکاح کی برکت

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة حق على الله عونهم المكاتب الذي يريد الأداء، والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله. رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه (مشكوٰة: ۲/۲۶۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے:

۱- ایک تو وہ مکاتب جو اپنے بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

۲- وہ نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو۔

۳- اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

(فائدہ): جو شخص محض پاکدامنی کی خاطر نکاح کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے پاس بہت زیادہ مال ودولت نہ ہو تب بھی اس کو پریشان نہ ہونا چاہیے اور اس کی وجہ سے شادی میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے بلکہ مناسب رشتہ تلاش کر کے فوراً رشتہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی مدد سے تمام ضروریات کو پورا فرمائیں گے اور ان شاء اللہ غناء عطا فرمائیں، اس سلسلے میں دو واقعات مختصراً پیشِ خدمت ہیں جو عمل کرنے والوں کے لیے بہت کافی ہیں۔

ایک مولوی صاحب کا واقعہ

ہمارے ایک دوست جو ایک بڑے دینی ادارہ سے فارغ التحصیل ہیں، کراچی میں ان کے والدین اور عزیز واقارب میں سے کوئی نہیں تھا، نہ کوئی جائیداد، نہ مکان نہ دکان، نہ کوئی قابل ذکر ملازمت۔ ظاہری طور پر نکاح کے لیے کسی قسم کے کوئی اسباب مہیا نہ تھے۔ ان کے لیے ایک مناسب رشتہ آیا، لیکن جب معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کے پاس کچھ نہیں تو لڑکی والوں نے کم سے کم مہر شرعی کے عوض نکاح کروادیا، اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں اتنی برکت نازل فرمائی کہ دنیوی لحاظ سے آج وہ ذاتی مکان کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ حج وعمرہ کی سعادتوں

سے بھی مالا مال ہو چکے ہیں، دینی اعتبار سے ایک بڑے دینی ادارہ میں افتاء کے منصب پر فائز ہیں نیز ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں، ذاتی سواری کے بھی مالک ہیں۔

ایک مجاہد کا واقعہ

میں ایک دفعہ دارالافتاء میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب مسئلہ معلوم کرنے آئے کہ (میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، میرے والد صاحب نے دوسری شادی کرلی، میری سوتیلی والدہ جہیز میں دوسرے سامان کے ساتھ ٹی وی بھی لائی۔ اب گھر میں ٹی وی چلتا ہے۔ میرا اور میری ہمشیرہ کا اصلاحی تعلق حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے، ہم ٹی وی سے سخت متنفر ہیں اور شرعی پردہ کے سخت پابند ہیں، والد صاحب کے ساتھ گھر میں رہنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے، میرا کہیں رشتہ ہو جائے تو الگ مکان لیکر بہن کو بھی اس گھر میں رکھوں تو ہمارے لیے دین پر چلنا آسان ہوگا لیکن مشکل یہ ہے کہ اس وقت معمولی تنخواہ پر نوکری کرتا ہوں، میرے پاس مہر ادا کرنے یا ولیمہ کے لیے کچھ بھی نہیں، اگر آپ کے علم میں کوئی نیک رشتہ ہو تو بتائیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے شادی کرلوں گا تاکہ دین کا پابند رہنا آسان ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ہمارے لیے کوئی سہارا بنادیں گے۔ اسی وقت میں نے ایک صاحب کو فون کیا جو لڑکی کے رشتہ کے متلاشی تھے اور دونوں کی ملاقات کروادی، بس تین دن کے اندر رشتہ طے پا کر شادی بھی ہوگئی، کرایہ کے مکان میں رخصتی ہوگئی، دو سال کے بعد وہ مجاہد ساتھی ایک بچہ کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر میرے پاس آیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے خوشی کی زندگی اور بیٹا عطا فرمایا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد آیا کہ میں حج کے لیے جارہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے آمدنی میں بہت برکت عطا فرمائی۔

یہ تو دو واقعات تھے، اس کے علاوہ بھی ایسے دسیوں واقعات میرے ذہن کے دریچوں میں محفوظ ہیں۔ بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ ہر جوان کو اپنی پاکدامنی بچانے کے لیے شادی میں جلدی کرنی چاہیے، اس کے لیے بہت زیادہ منصوبے بنانا اور پریشان ہونا یہ مزاج شریعت کے خلاف ہے، جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

رشتہ ملنے کے بعد انکار نہ کریں

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض. رواه الترمذي. (مشكوٰۃ ۲/۲۶۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن وخوش ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کرو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔"

شارح مشکوٰۃ علامہ قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی میں عورت کے سرپرستوں کو خطاب ہے اور ان کے لیے ایک ضروری ہدایت ہے کہ اگر کوئی دیندار اور اچھے اخلاق واطوار کا حامل شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام بھیجے تو منظور کر لو اور اس سے نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے بلکہ ایسے شخص کے پیغام کو نظر انداز کر کے کسی مالدار یا ثروت دار شخص کے پیغام کی انتظار میں رہو گے جیسا کہ اکثر دینداروں کی عادت ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی عورتیں بغیر خاوند کے بیٹھی رہ جائیں گی، اور بہت سے مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے مال کی وجہ سے نہ صرف بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا، بلکہ ان عورتوں کے سرپرست اور ولی بڑی بڑی قسم کی عار وغیرہ میں مبتلا ہوں گے، پھر جو لوگ ان کو عار اور غیرت دلائیں گے وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے، آخر کار اس برائی وفحاشی اور لڑائی جھگڑے سے ایک ہمہ گیر فساد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

(مظاہر حق جدید: ۳/۲۴۸)

نکاح میں تاخیر کے مفاسد اور خرابیاں

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بالغ ہونے کے بعد کنواری لڑکیوں کی جلدی شادی نہ کرنے کے بہت سے مفاسد اور خرابیاں سامنے آئی ہیں، کہیں لڑکیاں کسی کے ساتھ بھاگ گئیں، اگر کسی شریف خاندان میں ایسا نہ بھی ہو تب بھی وہ لڑکیاں ان سرپرستوں کو دل ہی دل میں کوستی ہیں، اور چونکہ وہ مظلوم ہیں لہٰذا ان کا کوسنا خالی نہیں جاتا۔ (کیونکہ حدیث میں آتا ہے: "**إتقوا دعوة المظلوم فإنه ليس بينه وبين الله حجاب**" یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور حق تعالیٰ شانہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ از مرتب)

جہیز کے انتظار میں نکاح میں تاخیر

نکاح میں تاخیر کا ایک اہم سبب جہیز کا بندوبست نہ ہونا بتایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس انتظار میں یہ ٹال مٹول کرتے ہیں وہ بھی نصیب نہیں ہوتا، یعنی سامان، زیور اور فخر کے لیے سرمایا بھی میسر نہیں ہوتا، بالآخر مجبور ہو کر خشک نکاح کرنا پڑتا ہے۔ اس میں تو لوگوں کے سامنے اور بھی بدنامی ہوتی ہے کہ اتنی تاخیر کرکے گھر میں بٹھار کھنے کا کیا فائدہ ہوا؟

موقع کا رشتہ نہ ملنے کا عذر

اور فرمایا کہ بعض لوگ شادی میں تاخیر کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ کہیں سے موقع کا رشتہ ہی نہیں آتا تو کیا کسی کے ہاتھ.... پڑا اب یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا کہ سچ مچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا، لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب ہی بے موقع ہیں بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انہوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے، جس کے تین اجزا ہیں۔

لائق داماد کی ذہنی تراشیدہ صفات

۱) حسب و نسب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جیسا ہو۔

۲) اخلاق میں جنید بغدادی ہو۔

۳) اور علم میں اگر دینی ہے امام ابوحنیفہ کے برابر ہو اور اگر دنیوی ہے تو بوعلی سینا کا مثل ہو۔

۴) حسن و جمال میں یوسف علیہ السلام کا ثانی ہو۔

۵) ثروت و ریاست میں قارون و فرعون کا ہم پلہ ہو۔

ان اوصاف کا حامل ہو تو بس اس کا لقب لائق داماد ہوگا۔

اچھے اوصاف کے حامل داماد تلاش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان میں اس قدر غلو کرنا کہ اس کے بغیر شادی ہی نہ کریں یہ مذموم ہے۔

داماد میں تین اوصاف قابلِ لحاظ

۱) قوت اکتساب (کمانے کی قوت موجود ہو)۔
۲) کفأت (برابری) میں زیادہ تفاوت اور فرق نہ ہو۔
۳) دینداری۔

(ماخوذ بتغییر یسیر از اصلاح انقلاب امت: ۲۹۔۳۰)

ایک عالمِ دین کی نصیحت

ہمارے ایک ماموں بڑے اچھے عالم دین ہیں، ان کی پانچ لڑکیاں تھیں، پانچوں میں ہر ایک کی شادی بلوغ کے بعد فوراً ہوگئی، کسی لڑکی کی شادی میں تاخیر نہیں ہوئی۔ میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا ماموں جان! فلاں کے ہاں تو لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں وہ بار بار کہتا ہے کہ دعا کردیں کوئی مناسب رشتہ مل جائے مگر اس کے برخلاف آپ کے ہاں بہت جلد ہی سب کی شادیاں ہوگئیں تو فرمانے لگے کہ بیٹے! بات یہ ہے کہ جب لڑکی جوان ہوجائے تو سرپرستوں پر ان کا حق ہے کہ مناسب جگہ ان کی شادی کردیں، گھر میں بٹھا کر رکھنا بہت خطرناک گناہ ہے، میرے نزدیک داماد تلاش کرنے کا معیار صرف تین باتیں ہیں:

۱) صحیح العقیدہ مسلمان ہو۔ ۲) نماز پڑھتا ہو۔
۳) حلال کماتا ہو۔

بس اس معیار کا جو بھی رشتہ آیا میں نے رشتہ قبول کرکے شادی کردی، مالداری کو میں نے کبھی ملحوظ نہیں رکھا۔ اس لیے لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں زندگی میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رشتہ کے معاملہ میں سادگی سے کام لینے کی توفیق دے۔ آمین۔

بلا خاوند کے عورت مسکین ہے

عن أبي نجيح رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مسكينة مسكينة ليس لها زوج." قالوا: "وإن كان كثيرة المال؟" ،قال: "وإن كان كثيرة المال."

یعنی محتاج ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ بہت مالدار ہو (تب

بھی محتاج ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگرچہ بہت مالدار ہی کیوں نہ ہو۔
(جمع الفوائد بحوالہ رزین)

اولاد کی شادی میں تاخیر کا گناہ

عن أبي سعيد وابن عباس رضي الله عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه، وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه. (رواه البيهقي في شعب الايمان.
(مشكوة ۲/۲۷۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے (یعنی شریعت کے احکام اور آداب زندگی کے اسلامی طریقے سکھائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب اور سربلند ہو) پھر وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کرا دے، اگر لڑکا بالغ ہوا (اور شادی کے خرچہ پر قدرت نہ رکھتا ہو) اور اس کا باپ (اس کے نکاح کا خرچہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہو جائے (یعنی جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جائے) تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔"

(فائدہ:) اولاد کی پوری تربیت یہ ہے کہ ان کو پہلے دین کے احکام اور اسلامی آدابِ زندگی سکھائے جائیں، تاکہ وہ عبادات، معاملات، حلال وحرام کی تمیز اور اعلیٰ اخلاق سیکھ لیں، اور جب تعلیم وتربیت کا یہ مرحلہ گزر جائے تو اس کے بعد والدین کا بڑا فریضہ یہ ہے کہ ان کی شادی کی طرف متوجہ ہوں، تاکہ وہ جنسی جذبات کی مغلوبیت کا شکار ہو کر برائیوں کے راستے پر نہ لگ جائیں چنانچہ اس فریضہ کی اہمیت کو بتانے اور اس بات کی تاکید کے لیے بطور زجر وتہدید فرمایا گیا کہ اگر کسی شخص نے اپنے بالغ لڑکے کی شادی نہیں کی اور وہ لڑکا جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اور وبال باپ پر ہوگا اور اس بارے میں غلام اور باندی کا بھی وہی حکم ہے جو لڑکے کا ہے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی نکاح کردو

وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: "في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فأصابت إثما فإثم ذلك عليه." رواه البيهقي. (مشكوٰة ٢/٢٧٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال ہوجائے اور وہ (جوڑ کا رشتہ ملنے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے، پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہوجائے، تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔"

نکاح کے لیے دیندار شخص کا انتخاب

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تنكح المرأة لأربع لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك. متفق عليه. (مشكوٰة ٢/٢٦٧)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے:

١- شرافت کی وجہ سے۔

٢- مال کی وجہ سے۔

٣- خوبصورتی کی وجہ سے۔

٤- دینداری کی وجہ سے۔

اے مخاطب! تجھ کو دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہیے۔

(فائدہ:) دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نکاح میں زیادہ تر مال کو دیکھتے ہیں اور سب سے کم دین کو حالانکہ مال اور حسن و جمال کی طرف توجہ کم ہونی چاہیے اور اس کے مقابلہ میں دینداری کی طرف زیادہ التفات ہونا چاہیے، کیونکہ دین کی وجہ سے آپس کا تعلق اچھا رہتا ہے، اس سے زوجین کو سکون ملتا ہے، ایک دوسرے کے حقوق پہچانتے ہیں اور ادا کرتے ہیں۔ جس سے دونوں کی زندگی راحت و سکون کی گذرتی ہے۔

صوفی سیٹ

میرے پیر و مرشد حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لب سڑک جب کہیں سائن بورڈ پر نظر پڑتی ہے اور لکھا ہوتا ہے "صوفے سیٹ" تو فوراً میں سوچتا ہوں

کہ دیکھو! اہل دنیا یہ سمجھتے ہیں کہ گھر میں صوفے ہوں، فرنیچر ہو قالین اور دیگر عیش وعشرت کا سامان ہو تو زندگی سیٹ ہوگی، اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے پریشان رہتے ہیں۔ اور پھر اگر کسی کو یہ سامان میسر آ بھی جائے تب مشاہدہ یہی ہے کہ ان کی زندگی میں سکون نہیں، کیونکہ سکون تو اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت میں ہے، شریعت کی مکمل پابندی میں ہے۔ گناہگار کو کبھی دلی سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ لفظ صوفی سیٹ ہونا چاہیے، جب میاں بیوی دونوں صوفی ہوں گے (یعنی دونوں مکمل شریعت کے پابند ہوں گے) تب زندگی پر سکون اور مزے کی ہوگی۔

نیک صالح عورت کی صفات

عن أبي أمامة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه يقول ما استفاد المومن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن اقسم عليها أبرته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله." رواه ابن ماجة. (مشكوة ۲/۲۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت وخوبصورت بیوی ہے کہ ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر (شوہر) اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب شوہر اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن وپاکیزہ سیرت سے) اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو اس قسم کو پورا کرتی ہے (یعنی اپنی خواہش پر شوہر کی خواہش کو مقدم رکھتی ہے) اور شوہر کے عدم موجودگی کی صورت میں اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔"

(فائدہ:) اس حدیث میں نیک صالح عورت کی صفات کا بیان ہوا:

۱۔ شوہر کی اطاعت کرنے والی (جائز امور میں)۔

۲۔ خدمت کر کے شوہر کا دل خوش کرنے والی۔

۳۔ اپنی خواہش پر شوہر کی خواہش کو مقدم رکھنے والی۔

۴۔ اپنی عصمت وپاکدامنی کی حفاظت اور اس کا خیال رکھنے والی۔

۵۔ شوہر کے مال کی حفاظت کرنے والی۔

نکاح صحیح ہونے کی شرط

مجلسِ عقد میں لڑکا اور لڑکی سے، دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں با قاعدہ ایجاب وقبول کروایا جائے، لڑکی سے کہا جائے کہ آپ کا نکاح فلاں بن فلاں سے کردیا ہے، کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ وہ اجازت دیدے تو اس کے بعد لڑکے سے کہا جائے کہ فلانہ بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دے دیا، کیا آپ نے قبول کیا، وہ جواب میں کہے کہ "ہاں میں نے قبول کیا۔" ان شرائط کی مزید تفصیل الگ الگ عنوانات کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

ایجاب وقبول اور اس کے صحیح ہونے کی شرائط

نکاح ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے، یہ ایجاب وقبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونا چاہیے، (یعنی ایسا لفظ جس سے یہ سمجھا جائے کہ نکاح ہو چکا ہے)، جیسے کسی نے گواہوں کی موجودگی میں کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تمہارے ساتھ کردیا اور اس نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا۔

یا دونوں میں سے ایک لفظ ماضی کا ہو، جیسے کسی نے کہا کہ اپنی فلانی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کردو تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ میں نے کردیا تو تب بھی نکاح ہو گیا۔

وینعقد بالإیجاب والقبول بلفظین یعبر بهما عن الماضي لأن الصیغة وإن كانت للإخبار وضعا فقد جعلت للإنشاء شرعا دفعا للحاجة وینعقد بلفظین یعبر بإحدهما عن الماضي وبالآخر للمستقبل مثل أن یقول: زوجني فیقول زوجت. (الهداية مع الدراية: ٣٢٥/٢)

گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہونا

نکاح منعقد ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کم سے کم دو مردوں کے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے نکاح کیا جائے، وہ تمام گواہ ایک ہی مجلس میں دونوں کے ایجاب وقبول کو اپنے کانوں سے سنیں، نکاح کے معاملہ کو دیکھیں اور ان کو معلوم ہو کہ یہ ایجاب وقبول کرنے والے آپس میں نکاح کر رہے ہیں۔ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہو رہا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وشرط حضور شاهدين حرين أو حرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الأصح، فاهمين أنه نكاح على

المذهب. بحر. (ردالمحتار ۳/۲۱)

نکاح کی اجازت کے وقت گواہ بنانا

لڑکی اگر مجلس عقد میں موجود نہ ہو بلکہ گھر میں ہو، تو ایسی صورت میں عموماً لڑکی سے اس کے والد، چچا یا ماموں وغیرہ کوئی محرم رشتہ دار اجازت لیتے ہیں، پھر مجلس عقد میں نکاح پڑھانے والے کو وہ اجازت (توکیل) منتقل کی جاتی ہے، لڑکی سے اجازت طلب کرتے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا مستحب ہے، ضروری نہیں۔ البتہ نکاح پڑھاتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، جو ایجاب وقبول کے الفاظ کو سنیں اور سمجھیں:

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله تعالى: "ولا يشترط الإشهاد على التوكيل." (البحر الرائق:۳/۸۹، كتاب النكاح)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: "واعلم أنه لاتشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها.

(ردالمحتار باب الاكفاء مطلب في الوكيل)

ادلے بدلے کی شادی

ادلے بدلے کی شادی جس کو حدیث میں نکاح شغار سے تعبیر کیا گیا ہے اور ممنوع قرار دیا گیا، اسکی اصلی شکل تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح دوسرے کے ساتھ اس شرط سے کردے کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی اس پہلے شخص کے نکاح میں دے، الگ سے کوئی مہر وغیرہ مقرر نہ کیا جائے بلکہ محض ایک لڑکی کو دوسری لڑکی کا عوض اور مہر قرار دے دیا جائے، ایسا کرنا شرعاً مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو ہر ایک کے ذمہ اپنی بیوی کا مہر مثل لازم ہوگا۔

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن الشغار والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه الآخر بنته وليس بينهما صداق. متفق عليه. وفي رواية لمسلم: قال: لاشغار في الإسلام. (مشكوة ۲/۲۷۱)

وقال ابن عابدين رحمه الله: وحاصله أنه مع إيجاب مهر المثل لم يبق

شغارا حقيقة، وإن سلم فالنهي على معنى الكراهة فيكون الشرع أوجب فيه أمرين الكراهة ومهر المثل إلخ... (ردالمحتار ۳/۱۰۶ مطلب نكاح الشغار)

ادلے بدلے کی شادی کی قباحت

ادلے بدلے کی شادی میں اگر دونوں طرف کی لڑکیوں کے لیے مہر مقرر بھی ہو تو اگر چہ یہ نکاح حقیقت کے لحاظ سے شغار کے حکم میں داخل نہیں ہے تاہم، ایسی شادیوں میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ دونوں کے خاندانوں کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک طرف کی لڑکی کی اپنے شوہر سے کچھ ناچاقی ہو جائے تو فوراً اس کا اثر دوسری طرف کی لڑکی پر پڑتا ہے، چاہے ان کی زندگی صحیح گزر رہی ہو۔

ایک واقعہ جس کا میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ ایک مرتبہ ادلے بدلے کی شادی ہوئی اور دونوں کی رخصتی ہوگئی اس کے بعد ایک طرف کی زندگی تو بالکل صحیح اور خوشی سے گذرنے لگی، میاں بیوی دونوں خوش ہیں کوئی ناچاقی نہیں، لیکن دوسری طرف آپس میں ناچاقی ہوگئی کہ وہ ظالم نہ طلاق دیتا ہے، نہ گھر بساتا ہے اور نہ ہی خرچہ۔ اب اس لڑکی کی ماں بھائی وغیرہ سب اس پر مصر ہیں کہ تم بھی اپنی بیوی کے ساتھ یہی برتاؤ کرو، اس پر ظلم کرو اس کو ستاؤ تا کہ اس کا بھائی ہمارے لڑکی کے ساتھ اچھا برتاؤ شروع کرے، اب اس لڑکے کے لیے دوہری مصیبت ہے ایک طرف بہن پر ظلم دوسری طرف ماں بھائی بہنوں کا بیوی کو طلاق دینے پر اصرار، پھر بیوی کا کوئی قصور بھی نہیں اب وہ ماں بہن بھائی کو دیکھے یا بیوی کو یہ تو ظلم کی انتہا ہے اس بے چاری کا کیا قصور ہے، ظلم تو اس کا بھائی کر رہا ہے بدلہ اس بے چاری سے لیا جا رہا ہے، حتی کہ شوہر کے تمام گھر والوں نے اس لڑکی سے بائیکاٹ کیا ہوا ہے اور سب کا مطالبہ ہے کہ تم اس کو طلاق دیدو، یہ بے چارہ کہتا ہے کہ کس جرم میں طلاق دیدوں؟ وہ سب کہتے ہیں یہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے کہ ہماری بیٹی کا گھر اجڑا ہوا ہے اور ان کی بیٹی ہمارے گھر میں خوشی کی زندگی بسر کرے۔ یہ ایک محض ایک واقعہ نہیں بلکہ ایسے دسیوں واقعات ہیں جن کا مشاہدہ ہوا، اس لیے میرا مسلمانوں کو یہی مشورہ ہے کہ ادلے بدلے کی شادی کا معاملہ نہ کریں۔ اگر چہ وہ مہر ادا کریں تب بھی کوشش کریں کہ ادلے بدلے کی نہ ہو۔ فقط۔

❀❀❀❀❀

باب الکفاءۃ

شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نکاح کا مقصد تا حیات میاں بیوی کی حیثیت سے ایک ساتھ زندگی گزارنا اور نسل انسانی کو بڑھانا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ زوجین میں محبت ومودت ہو اور دونوں کے مزاج میں موافقت ہو، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے کہ نکاح میں کفوٴ کا لحاظ رکھا جائے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتنكحوا النساء إلا من الأكفاء، ولا يزوجهن إلا الأولياء ولا مهر أقل من عشرة دراهم.

(دار قطني وبيهقي)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کا نکاح ان کے کفوٴ میں ہی کرو۔ ان کی شادی ان کے ولی کی موجودگی میں ہی کرو، اور ان کا مہر دس درہم سے کم مقرر نہ کرو۔

کفوٴ پانچ باتوں میں

برابری پانچ باتوں میں دیکھی جاتی ہے:

۱- نسب ۲- اسلام ۳- دینداری

۴- مالداری ۵- پیشہ

الكفاءة تعتبر في أشياء منها النسب ومنها إسلام الآباء، ومنها الحرية ومنها الكفاءة في المال ومنها الديانة ومنها الحرفة.

(الفتاوى الهندية: ۱/۳۰۹، ۳۱۰ مصري)

دینداری میں برابری کا بیان

دینداری میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو دین کا پابند نہیں، لچا، شرابی اور بدکار ہو۔ نیک بخت پارسا دیندار عورت کے برابر کا نہ سمجھا جائے گا۔

تعتبر الكفاءة في الديانة فلا يكون الفاسق كفواً للصالحة كان معلن الفسق أو لم يكن. (عالمگيرية: ۱/۳۱۰)

نسب میں برابری

نسب میں برابری یہ ہے کہ شیخ، سید، انصاری اور علوی سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ یعنی اگر چہ سیدوں کا مرتبہ اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن اگر سید کی لڑکی کی شیخ کے ہاں شادی ہوئی تو یہ نہ کہیں گے کہ برابری نہ ہوئی۔

ثم الكفأة تعتبر في النسب فقريش بعضهم أكفاء لبعض والعرب بعضهم أكفاء بعض. (شرح البداية: ٢/٣٠٠)

مسلمان ہونے میں برابری کا بیان:

مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار فقط مغل پٹھان وغیرہ اور قوموں میں شیخوں، سیدوں، علویوں اور انصاریوں میں اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ جو شخص خود مسلمان ہو گیا اور اس کا باپ کافر تھا اس عورت کے برابر نہیں جو خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان تھا۔ اور جو شخص خود مسلمان ہے اس کا باپ بھی مسلمان ہے لیکن اس کا دادا مسلمان نہیں وہ اس عورت کے برابر کا نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہے۔

وأما في العجم فتعتبر حرية وإسلاما أفاد أن الإسلام لا يكون معتبرا في حق العرب من أسلم بنفسه وليس له أب في الإسلام لايكون كفوا لمن له واحد في الإسلام ومن له أب واحد في الإسلام لايكون كفأ لمن له أبوان فصاعدا في الإسلام. (فتاوى عالمگيريه مصرى ١/٣٠٩)
وشامي ٢/٥٣٣ مصري)

جس کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں لیکن پردادا مسلمان نہ ہو۔ تو وہ شخص اس عورت کے برابر سمجھا جاوے گا جس کی کئی پشتیں مسلمان ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دادا تک مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار ہے، اس کے بعد پردادا اور لکڑ دادا میں برابری ضروری نہیں ہے۔

ومن له أبوان في الإسلام كان كفأ لامرأة لها ثلاثة اباء في الإسلام أو أكثر. (عالمگيری مصري: ١/٣١٠)

دینداری میں برابری کا بیان:

دینداری میں برابری کا یہ مطلب ہے کہ ایسا شخص جو دین کا پابند نہ ہو، لچا، لاپرواہ، آزاد

خیال، شرابی، بدکار آدمی ہو، نیک بخت پارسا دیندار عورت کے برابر کا نہ سمجھا جاوے گا۔

تعتبر الكفاءة في الديانة فلا يكون الفاسق كفأ للصالحة كان معلن الفسق أو لم يكن. (عالمگيري: ۱/۳۱۰)

مال میں برابری کا بیان:

مال میں برابری کے معنی یہ ہیں کہ بالکل مفلس محتاج مالدار عورت کے برابر کا نہیں ہے۔ اور اگر وہ بالکل مفلس نہیں بلکہ جتنا مہر پہلی رات کو دینے کا دستور ہے اتنا مہر دے سکتا ہے اور نفقہ بھی، تو اسکے میل اور برابر کا ہے اگر چہ سارا مہر نہ دے سکے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جتنے مالدار لڑکی والے ہیں وہ بھی اتنا ہی مالدار ہو یا اس کے قریب قریب مالدار ہو۔

الكفاءة تعتبر في المال وهو أن يكون مالكا للمهر والنفقة .

(عالمگیریه ۲/۲۹۹)

ومالا بأن يقدر على المعجل ونفقة شهر

(الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲/۵۲۶)

پیشہ میں برابری کا بیان:

پیشہ میں برابری یہ ہے کہ جولاہے درزیوں کے میل اور جوڑ کے ہیں۔ اسی طرح دھوبی وغیرہ بھی درزی کے برابر کے نہیں۔

فمثل حائك كفو لمثل خياط ولا خياط للبزاز وتاجر.

(شرح التنوير: ۱/۱۹۵)

دیوانہ پاگل آدمی ہوشیار سمجھدار عورت کے میل کا نہیں۔

المجنون ليس بكفو للعاقلة.

(الدرالمختار على هامش ردالمحتار ۲/۵۳۱ مصري)

باب المحرمات

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا بیان

چونکہ نکاح کا اہم مقصد نسلِ انسانی کی بقا ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے اس کا خاص خیال رکھا ہے کہ نسل مخلوط نہ ہو، بلکہ خالص نسل ہو اسی وجہ سے زنا کاری کو حرام قرار دیا۔ خواتین میں سے بعض کو بعض مردوں کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ حرمت میں بنیادی طور پر دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا:

(۱) ایک دوسرے کا جزء نہ ہو بلا واسطہ یا بالواسطہ۔

(۲) ایک کا پانی (منی) دوسرے کے پانی کے ساتھ مخلوط ہو کر نسل مخلوط نہ ہو جائے۔

حرمت کے لیے چھ (۶) بنیادی اصول

کونسی عورت کس کے لیے حرام ہے، اس کے تفصیلی قوانین کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے:

(۱) نسبی قرابت (اصول وفروع یعنی ابوت وبنوت کا تعلق)

(۲) رضاعت (دودھ کا رشتہ)

(۳) حرمتِ مصاہرت (سسرالی رشتہ)

(۴) منکوحۃ الغیر (یعنی کسی عورت کا دوسرے مرد کے نکاح یا عدت میں ہونا۔

(۵) جمع بین الاختین (یعنی کسی مرد کے نکاح میں پہلے کسی ایسی عورت کا ہونا جس کے ہوتے دوسری عورت کا نکاح میں لانا شرعاً ممنوع ہو)

(۶) شریعت کی طرف سے ہر مرد کے لیے جو تعداد مقرر ہے اس سے زیادہ نکاح کرنا۔ مثلاً آزاد مرد کے نکاح میں چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح کرنا۔

حرمت پر آیاتِ قرآنیہ

قولہ تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِسَائِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ

بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء: ۲۳،۲۴)

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور بھتیجیاں، اور بھانجیاں۔ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا، اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہوئی ہیں، تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ (عادۃً) تمہاری پرورش میں رہتی ہیں، ان بیبیوں سے (ہوں) کہ جن سے تم نے صحبت کی ہو، اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہیں کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) رکھو، لیکن جو پہلے ہو چکا اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑے رحمت والے ہیں اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والی ہیں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے ان تمام احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ (ترجمہ: بیان القرآن)

باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَائُكُمْ﴾ الخ: اس آیت میں باپ کے منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ چاہے باپ نے اس سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو یعنی جس سے باپ کا نکاح ہوا وہ بیٹے پر مطلقاً حرام ہے۔

ماں سے نکاح حرام ہے

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾ الخ: یعنی اپنی والدہ سے نکاح کرنا حرام ہے، اس لفظِ "امہات" کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں، یعنی دادی، پردادی، نانی، پرنانی سب سے نکاح حرام ہے۔

بیٹیوں سے نکاح حرام ہے

قولہ تعالیٰ: ﴿وَبَنَاتُكُمْ﴾ الخ اپنی صلبی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے، اور لڑکی کی لڑکی سے بھی اور بیٹے کی لڑکی سے بھی، خلاصہ یہ ہے کہ بیٹی، پوتی، پڑپوتی، نواسی، پڑنواسی ان

سب سے نکاح کرنا حرام ہے۔اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو بیوی اپنے ساتھ لائی ہو اگر اس کی ماں سے ہمبستری ہوئی تو حرام ہوگئی ورنہ نہیں مزنیہ کی بیٹی سے بھی نکاح حرام ہے۔

حقیقی بہن سے نکاح حرام ہے

قولہ تعالی: ﴿وَاَخَوَاتُکُمْ﴾ الخ اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔باپ شریک اور ماں شریک بہن سے نکاح کرنا بھی حرام ہے۔

پھوپھی سے نکاح کرنا حرام ہے

قولہ تعالی: ﴿وعمتکم﴾ الخ اپنے باپ کی بہن، یعنی باپ کی حقیقی بہن باپ شریک اور ماں شریک بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔غرضیکہ تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

خالہ سے نکاح کرنا حرام ہے

قولہ تعالی: ﴿وَخَالَاتُکُمْ﴾ الخ خالہ یعنی اپنی والدہ کی حقیقی، علاتی، اخیافی تینوں طرح کی بہنوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔

بھتیجیوں سے نکاح حرام ہے

قولہ تعالی: ﴿وَبَنَاتُکُمْ﴾ الخ بھائیوں کی لڑکیوں (بھتیجیوں) سے نکاح کرنا حرام ہے، حقیقی، باپ شریک ماں شریک تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حرام ہے۔

بھانجیوں سے نکاح حرام ہے

قولہ تعالی: ﴿وَبَنَاتُ الْاُخْتِ﴾ الخ: بہن لڑکیوں (بھانجیوں) سے نکاح حرام ہے اس میں بھی تینوں قسم کی بہنیں داخل ہیں، کہ حقیقی، علاتی، اخیافی بہنوں میں سے کسی بھی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

أحكام الرضاعة

رضاعت کی وجہ سے حرمت

﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ جن عورتوں کا دودھ پیا ہے اگر چہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں، اور ان سے بھی نکاح حرام ہے، تھوڑا سا دودھ پیا ہو یا زیادہ، ایک مرتبہ پیا ہو یا متعدد دفعہ پیا ہو، ہر صورت میں یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمت رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

البتہ اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمتِ رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "إنما الرضاعة من المجاعة" یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں دودھ پینے ہی سے بچے کا نشوونما ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور یہ مدت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لے کر ڈھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں، صرف دو سال کی مدت تک رضاعت ثابت ہو سکتی ہے اور اسی پر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی بھی ہے اگر کسی لڑکے لڑکی نے اس عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

﴿وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہیں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، تفصیل اس کی یوں ہے کہ جب کسی لڑکی یا لڑکے نے ایامِ رضاع میں کسی عورت کا دودھ پی لیا، وہ عورت ان کی رضاعی والدہ بن گئی، اور اس عورت کا شوہر اس کا باپ بن گیا، اور اس عورت کی نسبی اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے، اور اس عورت کی بہنیں اس کی خالائیں بن گئیں، اور اس عورت کا جیٹھ دیور ان بچوں کے رضاعی چچا بن گئے، اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں، اور باہم ان سب میں حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے رضاع کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**یحرم من الرضاعة مایحرم من الولادة**".

(بخاری)

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے: "**إن الله حرم من الرضاعة ماحرم من النسب.**" (مشکوٰة: ۲۷۳)

1 اگر ایک لڑکے اور ایک لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، اسی طرح رضاعی بھائی اور رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

2 رضاعی بھائی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے، اور نسبی بہن کی رضاعی ماں سے بھی حلال ہے، اور رضاعی بہن کی نسبی بہن سے بھی اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

انجکشن سے حرمت رضاعت ثابت نہیں

منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاعت میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اگر اور کسی راستے سے دودھ پہنچا دیا جائے، یا دودھ کا انجکشن دے دیا جائے تو حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

قال العلامة مرغيناني رحمه الله تعالىٰ: وإذا احتقن الصبي باللبن لم يتعلق به التحريم. وعن محمد أنه يثبت به الحرمة كما يفسد به الصوم. ووجه الفرق على الظاهر أن المفسد في الصوم إصلاح البدن ويوجد ذلك في الدواء فأما المحرم في الرضاء معنى النشؤ ولا يوجد ذلك في الاحتقان لأن المغذي وصوله من الأعلىٰ.

(شرح البداية: ۲/۳۷۲)

جانوروں کے دودھ سے حرمت ثابت نہ ہوگی

1 عورت کے دودھ کے علاوہ کسی اور دودھ (مثلاً چوپائے کا دودھ یا کسی مرد کا) سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

2 دودھ اگر دواء میں، یا بکری، گائے، بھینس کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اس سے حرمتِ رضاعت اس وقت ثابت ہوگی، جب کہ عورت کا دودھ غالب ہو، اور اگر دونوں برابر ہوں تب بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے لیکن اگر عورت کا دودھ کم ہے تو یہ حرمت ثابت نہ ہوگی۔

وإذا اختلط اللبن بلبن الشاة، وهو الغالب، تعلق به التحريم، وإن غلب لبن الشاة لم يتعلق به التحريم، اعتبارا للغالب كما في الماء.

3 اگر مرد کے دودھ نکل آئے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

4 اگر دودھ پینے کا شک ہو تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کسی عورت نے کسی بچے کے منہ میں پستان دیا، لیکن دودھ جانے کا یقین نہ ہو تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی اور نکاح کی حلت پر اس کا اثر نہ پڑے گا۔

حرمتِ رضاعت کے لیے نصابِ شہادت ضروری ہے

1 حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے، ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، لیکن چونکہ معاملہ حرام وحلال سے متعلق ہے، اس لیے احتیاط کرنا افضل ہے، حتی کہ بعض فقہاء نے یہ تفصیل لکھی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کرنا ہو اور ایک دیندار مرد گواہی دے کہ یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں تو نکاح کرنا جائز نہیں، اور اگر نکاح کے بعد ہو تو احتیاط جدا ہونے میں ہے، بلکہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے تب بھی احتیاط اسی میں ہے کہ مفارقت اختیار کرلیں۔

2 جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، اسی طرح ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتوں کی گواہی سے بھی اس کا ثبوت ہوجاتا ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر نصابِ شہادت پورا نہ ہو تو شک سے بچنے کے لیے حرمت کو ترجیح دی جائے۔

ولا يقبل في الرضاعة شهادة النساء منفردات، وإنما يثبت بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين. (هداية: ۲/۳۷۳)

رضاعت میں ایک عورت کی شہادت

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کرلیا، کسی اور عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں اس کی تصدیق کریں تو نکاح کے فاسد ہونے کا فیصلہ کرلیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں اس کی تکذیب کریں اور عورت دیندار خداترس ہو تو فسادِ نکاح کا فیصلہ نہ ہوگا، لیکن طلاق دے کر مفارقت پھر بھی افضل ہے۔

عن عقبة بن الحارث أنه تزوج ابنة لأبي اهاب بن عزيز فاتت امرأة

فقالت: قد ارضعت عقبة والتي تزوج بها، فقال لها عقبة: ما أعلم إنك قد اوضعتني، ولا أخبرتني، فأرسل إلى ال أبي اهاب فسالهم فقالوا: ما علمنا أرضعت صاحبتنا فركب إلى النبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة فسأله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كيف وقد قيل ففارقها عقبة ونكحت زوجا غيره. رواه البخاري. (مشكوٰة ۲/۲۷٤)

ساس سے نکاح حرام ہے

﴿وَأُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ﴾ بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں، یہاں بھی "امہات" میں تفصیل ہے۔

اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مسئلہ: جس طرح منکوحہ بیوی کی ماں حرام ہے، اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو، یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو، یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے۔

مسئلہ: نفسِ نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے، حرمت کے لیے دخول وغیرہ ضروری نہیں۔

ربیبہ سے نکاح حرام ہونے کی تفصیل

﴿وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہمبستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے اسی طرح اس کی پوتی، نواسی حرام ہو گئیں، ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر ہمبستری نہیں کی، صرف نکاح ہوا تو صرف نکاح سے مذکورہ قسمیں حرام نہیں ہو جاتیں، لیکن نکاح کے بعد اگر اسکو شہوت کے ساتھ چھوا، یا اس کے اندامِ نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے، اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: یہاں بھی "نساءکم" میں تعمیم ہے، لہٰذا اس عورت کی لڑکی پوتی اور نواسی بھی حرام ہو گئیں، جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو یا اس کے ساتھ زنا کیا ہو۔

بیٹے کی بیوی (بہو) سے نکاح حرام ہے

بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے، لقولہ تعالیٰ ﴿وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم﴾ اس آیت میں بیٹے کے عموم میں پوتا اور نواسا بھی داخل ہیں، لہٰذا ان کی بیویوں سے بھی نکاح جائز نہ ہوگا، نیز رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، البتہ لے پالک کی بیوی سے نکاح حرام نہیں۔

دو بہنوں سے ایک وقت میں نکاح حرام ہے

قولہ تعالیٰ ﴿وان تجمعوا بين الاختين﴾ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، حقیقی بہنیں ہو یا علاتی ہوں یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں، یہ حکم سب کو شامل ہے، البتہ طلاق ہو جانے کے بعد دوسری سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت گزرنے کے بعد ہے عدت کے دوران نکاح جائز نہیں ہے۔

1 جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: لايجمع بين المرء وعمتها ولا بين المرأة وخالتها. (بخاري ومسلم)

مسئلہ: فقہاء کرام نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو شرعاً ان دونوں کا آپس میں نکاح درست نہ ہو، اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ: یعنی جاہلیت میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا مواخذہ نہیں ہوگا، یہ الفاظ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَائُكُمْ﴾ کی آیت میں بھی ذکر ہوئے ہیں اور وہاں پر بھی یہی معنی ہیں کہ جاہلیت میں جو کچھ تم سے صادر ہوا، اب اسلام لانے کے بعد اس کا مواخذہ نہیں ہوگا، اور آئندہ کے لیے احتساب لازم ہے۔

اسی طرح اگر نزول تحریم کے اس وقت میں باپ کی منکوحہ یا دو بہنیں نکاح میں ہوں تو تفریق ضروری ہے، اور دو بہنوں کی صورت میں ایک بہن کو الگ کر دینا لازم ہے۔

عن البراء بن عازب قال: مر بي خالي أبو بردة بن يسار ومعه لواء

فقلت :أين تذهب؟ قال: بعثني النبي صلى الله عليه وسلم إلى رجل تزوج امرأة أبيه اتيه برأسه. رواه الترمذي.

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک آدمی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس لیے کہ اس شخص نے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا۔ (مشکوٰۃ:۲۷۴)

ابن فیروز دیلمی کی روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب اسلام لے آیا تو دو بہنیں میرے نکاح میں تھیں، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک کو طلاق دے کر جدا کردو، اور ایک کو باقی رکھ لو۔ (حوالہ بالا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح حالتِ اسلام میں ابتداءِ منکوحۃ الاب اور جمع بین الاختین جائز نہیں، اسی طرح اگر حالت کفر میں نکاح کی یہ صورت واقع ہوئی تو اسلام لانے کے بعد اس کو باقی رکھنا جائز نہ ہوگا۔

قال في الهندية: لايجمع بين اختين بنكاح ولا بوطأ، بملك يمين سواء كانتا اختين من النسب او من الرضاع هكذا في السراج الوهاج، والاصل ان كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب، لم يجز الجمع بينهما . كذا في المحيط. (عالمگيريه: ۲۷۷/۱)

منکوحۃ الغیر سے نکاح حرام ہے

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یعنی شوہر والی عورتیں بھی حرام کی گئی ہیں جب تک کوئی عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو، دوسرا شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہوسکتی ہے، اس دور کے بعض جاہل ملحد کہنے لگے ہیں کہ مردوں کو جب ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ہے تو عورتوں کو بھی ایک سے زائد شوہروں سے متمتع ہونے کی اجازت ملنی چاہیے، یہ مطالبہ اس آیت شریفہ کے بالکل خلاف ہے، ایسی جاہلانہ باتیں کرنے والے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مرد کے لیے کثرت ازواج ایک نعمت ہے، جسے ہر مذہب وملت میں جائز قرار دیا گیا ہے، جس پر انسان کی تاریخ شاہد ہے، لیکن عورت کے لیے ایک وقت میں ایک سے زائد شوہر بن جائیں، ان کے لیے بھی

باعث مصیبت ہے اور جو دو مرد ایک عورت کے شوہر بن جائیں، ان کے لیے باعث ننگ و عار ہے اور سراسر بے شرمی ہے، نیز اس میں کسی بچہ کے ثابت النسب ہونے کا بھی کوئی راستہ باقی نہیں رہتا، جب کئی مرد کسی عورت سے استمتاع کریں گے تو پیدا ہونے والی اولاد کو ان میں کسی ایک کا بیٹا تجویز کرنے کا کوئی طریق باقی نہیں رہے گا، اس طرح کا بدترین مطالبہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو انسانیت کے سراپا دشمن ہوں، اور جن کی غیرت و حیا کا جنازہ نکل چکا ہو، ایسے لوگ اولاد اور والدین کے حقوق کی لائن سے وجود میں آنے والی رحمتوں سے پوری انسانیت کو محروم کرنے کی حمایت میں لگے ہوئے ہیں، جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو باہمی حقوق و فرائض کی ذمہ داری کس پر عائد کی جائے گی؟

خالص طبعی اور عقلی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو ایک عورت کے لیے متعدد شوہر ہونے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

تعدد ازواج کی حکمتیں

۱- ازواج کا بنیادی مقصد تناسل ہے، اس اعتبار سے متعدد عورتیں تو ایک مرد سے حاملہ ہو سکتی ہیں، لیکن ایک عورت متعدد مردوں سے حاملہ نہیں ہو سکتی، وہ ایک ہی سے حاملہ ہوگی، اس لیے متعدد شوہروں میں ایک کے علاوہ باقی شوہروں کی قوت ضائع ہوگی، جو شہوت رانی کے سوا ان کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔

۲- تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں ضعف نازک ہے وہ سال کے اکثر حصہ میں استمتاع کے بھی قابل نہیں رہتی، بعض حالات میں اس کے لیے ایک ہی شوہر کے حقوق پورے کرنا ممکن نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ایک سے زیادہ شوہر ہوں۔

۳- چونکہ مرد جسمانی قوت کے اعتبار سے عورت کے مقابلہ میں زیادہ صحت مند ہے، اس لیے اگر کسی مرد کی جنسی قوت معمول سے زیادہ ہو، اور ایک عورت سے اس کی تشفی نہ ہو سکتی ہو تو اسے جائز طریقہ سے دوسرے اور تیسرے نکاح کا موقع ملنا چاہیے ورنہ وہ دوسرے ناجائز طریقے اختیار کرے گا، اور پورے معاشرے کو بگاڑ دے گا، لیکن عورت سے ایسے بگاڑ کا اندیشہ نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس مسئلہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ نہ صرف کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کے دوسرے نکاح کو حرام قرار دیا ہے بلکہ کسی عورت کا کوئی شوہر طلاق دیدے یا مر جائے تو اس کی عدت گزرنے تک بھی کسی دوسرے شخص سے اس عورت کا

نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال في الهندية: لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة. كذا في السراج والوهاج.

(عالمگیریہ: ۱/۲۸۰)

باندی سے نکاح کا حکم

اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یہ جملہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ سے استثنا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر والی بیوی سے کسی دوسرے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی عورت مملوکہ باندی بن کر آجائے، جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دارالحرب کے کافروں سے جہاد کیا، اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کرکے لے آئے، ان عورتوں میں جو عورت دارالاسلام میں لائی گئی اور اس کا شوہر دارالحرب ہی میں رہ گیا، تو اس عورت کا نکاح دارالاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہر سے ختم ہوگیا، اب یہ عورت اگر کتابیہ یا مسلمہ ہو تو اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کرسکتا ہے اور اگر امیر المومنین اس کو باندی بنا کر کسی فوج سپاہی کو مالِ غنیمت کی تقسیم میں دیدے تب بھی اس سے استمتاع جائز ہے۔ لیکن یہ نکاح واستمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے، اور اگر حمل ہے تو وضع حمل ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کافر عورت دارالحرب میں مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر کافر ہے تو تین حیض گزرنے کے بعد وہ اس کے نکاح سے جدا ہوجائے گی۔

مسئلہ: اور اگر دارالاسلام میں کوئی کافر عورت مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر کافر ہو، تو حاکمِ شرع اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے، اور یہ تفریق طلاق شمار ہوگی، اس کے بعد عدت گزار کر وہ عورت کسی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے۔

قال في الهندية: ويجوز نكاح المسبية لغير السابي إذا سبيت وحدها دون زوجها واخرجت إلى دار الإسلام بالإجماع، ولا عدة عليها كذا المهاجرة يجوز نكاحها ولا عدة عليها في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. إلخ

(عالمگیریہ: ۱/۲۸۱)

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ : یعنی جو محرمات اب تک مذکور ہوئیں، ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، مثلاً چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں زاد بہن، ماموں، چچا کی بیوی ان کی وفات یا طلاق دینے کے بعد، بشرطیکہ یہ مذکورہ اقسام اور کسی رشتہ سے محرم نہ ہوں، اور اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی، جب وہ طلاق دیدے یا وفات پا جائے، بیوی مرجائے تو اس کی بہن کے ساتھ وغیرہ بے شمار صورتیں بنتی ہیں ان سب کو "ماوراء ذلک" کے عموم میں داخل فرمادیا۔

چچی ممانی سے نکاح

چچی اور ممانی جب تک چچا اور ماموں کے نکاح میں ہے منکوحۃ الغیر ہونے کی بناء پر ان سے نکاح حرام ہے، لیکن اگر طلاق یا وفات کی وجہ سے نکاح ختم ہو جائے تو شوہر کے بھتیجا اور بھانجہ کے لیے ان سے نکاح حلال ہے یہ "احل لکم ماوراء ذلکم" کے عموم میں داخل ہے۔

چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح حرام

مرد میں قوت وصحت موجود ہو اور خرچہ برداشت کرنے کی بھی طاقت ہو، نیز ان کے حقوق کی ادائیگی اور عدل وانصاف کے قائم رکھنے کی بھی صلاحیت موجود ہو تو ایک آزاد مرد کے لیے چار تک شادی کی اجازت ہے:

قولہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع.

(نساء: ۳)

یعنی جو حلال عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرسکتے ہو، دو، دو تین تین چار چار البتہ بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم وله عشرة نسوة في الجاهلية فأسلمن معه فقال النبي صلى الله عليه وسلم : أمسك أربعا وفارق سائرهن. رواه احمد وابن ماجة

(مشکوٰۃ: ۲/ ۲۷۴ باب المحرمات)

ایک شخص غیلان ثقفی مسلمان ہوئے، اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، اور وہ بھی

مسلمان ہوگئیں تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم قرآنی کے مطابق ان کو حکم دیا کہ ان دس میں سے چار کو منتخب کرلیں، باقی کو طلاق دے کر آزاد کردیں، غیلان بن سلمہ ثقفی نے حکم کے مطابق چار عورتیں رکھ کر باقی سے علیحدگی اختیار کرلی۔ (مشکوۃ شریف)

وفي الهندية: لايحل للرجل أن يجمع بين أكثر من أربع نسوة كذا في المحيط السرخسي ولا يجوز للعبد أن يتزوج أكثر من ثنتين كذا في البدائع. (عالمگيريه: ۱/۲۷۷)

وفيه أيضا قال: وللحر أن يتزوج أربعا من الحرائر والأماء كذا في الهداية. (عالمگيريه: ۱/۲۷۶)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج کی حکمت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سراپا رحمت وبرکت ہے، تبلیغ احکام اور تزکیہ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقصدِ بعثت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً وعملاً دنیا میں پھیلا دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے بتاتے بھی تھے اور عمل بھی کرتے تھے، پھر چونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات، آل واولاد کی پرورش اور پاخانہ پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتبِ حدیث بھرپور ہیں، اندرونِ خانہ کیا کیا کام کیا، بیویوں سے کیسے میل جول رکھا، اور گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا کیا جواب دیا، اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعے امت کو رہنمائی ملی ہے، تعلیم وتبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کثرت ازواج ایک ضروری امر تھا، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احکام ومسائل، اخلاق وآداب اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں، جو کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہوئی ہے، حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین (۹/۱) میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فتاوی جمع کیے جائیں جو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے

بعد دیے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ وہ محتاج بیان نہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس سال تک علمِ دین پھیلایا۔

بطورِ مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے، دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں، ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے پہنچا۔

انبیاءِ اسلام کے مقاصد عالیہ اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں، وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

ایک سن رسیدہ خاتون سے نکاح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زندگی قریشِ مکہ کے سامنے اس طرح گزری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحبِ اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک انہی کے ساتھ گزارہ کیا، وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غارِ حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے، دوسرے نکاح جتنے ہوئے پچاس سالہ عمر شریف کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوانِ شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا، کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

جوانی کے پچاس سال

ان حالات میں کیا یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد وتقویٰ اور لذائذ دنیا سے یک سوئی میں گزارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جاسکتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اور اس کثرتِ ازواج کی حقیقت کو بھی سن لیجئے کس طرح وجود میں آئی۔

پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ رہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، مگر حضرت سودہ رضی اللہ عالیٰ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صغرِ سنی کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی میں رہیں، پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چون (۵۴) سال ہوچکی ہے، اور دو بیویاں اس عمر میں آکر جمع ہوئی ہیں، یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا اور صرف اٹھارہ ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہ کر وفات پائی، ایک قول کے مطابق تین ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں زندہ رہیں، پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اٹھاون سال ہوچکی تھی، اور اتنی بڑی عمر میں آکر چار بیویاں جمع ہوئیں، حالانکہ امت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور پھر ۷ھ میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پھر اسی سال حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ:

یہ کہ چون سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گزارا کیا، یعنی پچیس سال حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ گزارے، پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن دو تین سال کے اندر حرمِ نبوت میں آئیں۔

اور یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہرات بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو دو شوہر پہلے گزر چکے تھے، اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آکر جمع ہوئی ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مرد اور عورت سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثار تھے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو سب بیویاں کنواریاں جمع کر لیتے، بلکہ ہر ایک ایک دو دو مہینہ کے بعد بدلنے کا بھی موقع تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

نبی برحق تسلیم کریں

نیز یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے، نبی صاحبِ ہوا نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے اذنِ الٰہی سے کرتا ہے، نبی ماننے کے بعد ہر اعتراض ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ہی نہ مانے اور یہ الزام لگائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض شہوت پرستی کی وجہ سے اپنے لیے کثرتِ ازواج کو جائز رکھا تھا تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حق میں کثرتِ ازدواج کے معاملہ میں اس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت **لا یحل لک النساء من بعد** میں موجود ہے، اپنے حق میں اس پابندی کا اعلان اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اپنے رب کے اذن سے کیا۔

تعدد ازدواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو امت کو حاصل ہوئے، اور جو احکام امت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کا احصاء دشوار ہے، کتب احادیث اس پر شاہد ہیں، البتہ بعض دیگر فوائد کی طرف یہاں ہم اشارہ کرتے ہیں۔

سوتیلی اولاد کی پرورش

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا تھا، وہ اپنے سابق شوہر کے بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لائیں، ان کے بچوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش کی، اور اپنے عمل سے بتادیا کہ کس پیار ومحبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوں کے ساتھ آئیں، اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا اور امت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی، ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالے میں ہر جگہ ہاتھ ڈالتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ "

"اللہ کا نام لے کر کھا، داہنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا۔"

(بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: ۳۶۳)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک جہاد میں قید ہوکر آئیں، دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آگئیں، اور ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں ان کو لگادیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کرلیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دیدوں گی مجھے آزاد کردو، یہ معاملہ کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور مالی امداد چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے بہتر بات نہ بتادوں؟ وہ یہ کہ تمہاری طرف سے مال ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں، انہوں نے بخوشی منظور کرلیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے مال ادا کرکے نکاح فرمالیا، ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ملکیت میں آچکے تھے، کیونکہ سب لوگ قید ہوکر آئے تھے، جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پتہ چلا کہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کردیئے، سبحان اللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ادب کی کیا شان تھی، اس جذبے کے پیش نظر کہ یہ لوگ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہوگئے، ان کو غلام بنا کر

کیسے رکھیں، سب کو آزاد کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں:

"فلقد اعتق بتزویجه إیاها مائة أهل بیت من بني المصطلق فما أعلم امرأة اعظم برکة علی قومها منها."

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔"

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا سیاسی فائدہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداءِ اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا، اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلہ کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے تھے، وہاں ان کا شوہر نصرانی ہوگیا اور چند دن کے بعد مر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے واسطے سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جسے انہوں نے قبول کر لیا، اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں، اور حضرت ابوسفیان اس وقت اس گروہ کے سرخیل تھے، جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا، اور وہ مسلمانوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جب ان کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

"هو الفحل لا یجدع انفه"

"یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جوانمرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔"

مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں ادھر تو ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

غرض اس نکاح نے ایک نفسیاتی جنگ کا اثر کیا، اور اسلام کے مقابلہ میں کفر کے قائد کے حوصلے پست ہوگئے، اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے مدبر اور حکیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا۔

یہ چند باتیں لکھی گئی ہیں، ان کے علاوہ سیرت پر عبور رکھنے والے حضرات کو بہت کچھ حکمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازدواج میں مل سکتی ہیں، اس سلسلے میں سیدی حکیم الامت قدس سرہ کے رسالے ''کثرتِ ازدواج لصاحب المعراج'' کا دیکھنا بھی مفید ہوگا۔

یہ تفصیل ہم نے ملحدین و مستشرقین کے پھیلائے ہوئے پرفریب جال کو کاٹنے کے لیے لکھی ہے، کیونکہ ان کے اس دامِ تزویر میں بہت سے وہ تعلیم یافتہ اور ناواقف مسلمان بھی پھنس جاتے ہیں جو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تاریخ اسلام سے بے خبر ہیں۔ اور اسلامیات کا علم مستشرقین ہی کی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں۔

اگر متعدد بیویوں میں مساوات اور عدل پر قدرت نہ ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کیا جائے

چار بیویوں تک کی اجازت دے کر فرمایا:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو، یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک ہو اس سے گزارہ کرلو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز اور مناسب ہے جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے، زمانۂ جاہلیت میں یہ ظلم عام تھا کہ ایک ایک شخص کئی کئی بیویاں رکھ لیتا تھا جس کا ذکر چند احادیث کے حوالہ سے اس آیت کے ضمن میں پہلے گزرا ہے۔ اور بیویوں کے حقوق میں مساوات اور عدل کا مطلق خیال نہ تھا، جن کی طرف زیادہ میلان ہو گیا اس کو ہر حیثیت سے نوازنے اور خوش رکھنے کی فکر میں لگ گئے، اور دوسری بیویوں کے حقوق نظر انداز کر ڈالتے، قرآن کریم نے صاف صاف فرما دیا کہ اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو، یا کنیز سے گزارہ کرلو، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مملوک کنیز جس کا ذکر آیت میں ہے اس کی خاص شرائط ہیں، جو عموماً آج کل مفقود ہیں، اس لیے اس زمانے میں کسی کو مملوک شرعی کنیز کہہ کر بے نکاح رکھ لینا حرام ہے اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

بیویوں میں مساوات نہ کرنا بڑا گناہ ہے

حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم نے چار عورتیں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت دیدی اوراس حد کے اندر جو نکاح کیے جائیں گے، وہ صحیح اور جائز ہوں گے، لیکن متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں ان میں عدل اور مساوات قائم رکھنا واجب ہے، اوراسکے خلاف کرنا گناہ عظیم ہے، اس لیے جب ایک سے زائد نکاح کا ارادہ کرو تو پہلے اپنے حالات کا جائزہ لو، کہ سب کے حقوق عدل ومساوات کے ساتھ پورا کرنے کی قدرت بھی ہے یا نہیں، اگر یہ احتمال غالب ہو کہ عدل ومساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک سے زائد نکاح پر اقدام کرنا اپنے آپ کو عظیم گناہ میں مبتلا کرنے پر اقدام ہے اس سے باز رہنا چاہیے اوراس حالت میں صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چار سے زائد عورتوں سے کسی نے بیک وقت ایک ہی ایجاب وقبول میں نکاح کرلیا تو وہ نکاح سرے سے باطل ہے، کیونکہ چار سے زائد نکاح کا کسی کو حق نہیں، اور چار کے اندر جو نکاح کیے جائیں وہ نکاح تو بہر حال ہو جائیں گے، لیکن بیویوں میں عدل ومساوات قائم نہ رکھی تو سخت گناہ ہوگا، اور جس کی حق تلفی ہو رہی ہو تو قاضی کی عدالت میں دعویٰ کرکے اپنا حق وصول کرسکے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب بیویوں کے درمیان پوری مساوات وعدل کی سخت تاکید فرمائی ہے، اوراس کے خلاف کرنے پر سخت وعیدیں سنائی ہیں اور خود اپنے عمل کے ذریعے بھی اس کو واضح فرمایا ہے، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان معاملات میں بھی مساوات فرماتے تھے جن میں مساوات لازم نہیں۔

مساوات قائم نہ کرنے پر وعید

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری اور انصاف نہ کرسکے تو وہ قیامت میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ (مشکوٰۃ ۲۷۸)

البتہ یہ مساوات ان امور میں ضروری ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں، مثلاً نفقہ میں برابری، شب باشی میں برابری، رہا وہ امر جو انسان کے اختیار میں نہیں، مثلاً قلب کا میلان کسی کی

طرف زیادہ ہو جائے، تو اس غیر اختیاری معاملہ میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بشرطیکہ اس کا میلان کا اثر اختیاری معاملات پر نہ پڑے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اختیاری معاملات میں پوری مساوات قائم فرمانے کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"اللّٰهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك و لا أملك."

"یا اللہ! یہ میری برابر والی تقسیم ہے، ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، اب وہ چیز جو آپ کے قبضہ میں ہے، میرے اختیار میں نہیں ہے اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کرنا۔"

ظاہر ہے کہ جس کام پر ایک رسول معصوم بھی قادر نہیں اس پر کوئی دوسرا کیسے قادر ہوسکتا ہے، اس لیے قرآن کریم کی دوسری آیت میں اس غیر اختیاری معاملہ کا ذکر اس طرح فرمایا:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء:۱۲۹)

"عورتوں کے درمیان تم پوری برابری ہرگز نہ کرسکو گے۔"

جس میں بتلا دیا کہ میلانِ قلب اور محبت ایک غیر اختیاری معاملہ ہے، اس میں برابری کرنا انسان کے بس میں نہیں، لیکن آگے اس غیر اختیاری معاملہ کی اصلاح کے لیے بھی ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ یعنی اگر کسی ایک بیوی سے زیادہ محبت ہو تو اس میں تو تم معذور ہو، لیکن دوسری بیوی سے کلی بے اعتنائی اور بے توجہی اس حالت میں بھی جائز نہیں۔" اس آیت کے جملے ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ میں جس عدل و مساوات کا بیان ہے، یہ وہی امور اختیاریہ کا عدل ہے کہ اس میں بے اعتدالی گناہ عظیم ہے، اور جس شخص کو اس گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اس کو یہ ہدایت دی گئی کہ ایک سے زائد نکاح نہ کرے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

مذکورہ بالا تفصیل و تشریح کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے بعض لوگ سورۂ نسا کی آیت مذکورہ اور اس آیت (۴:۱۲۹) کو ملانے سے ایک عجیب مغالطہ میں مبتلا ہو گئے، وہ یہ کہ آیت نساء میں تو یہ حکم دیا گیا کہ اگر عدل و مساوات قائم نہ رکھنے کا خطرہ ہو تو پھر ایک ہی نکاح پر بس کرو، اور اس دوسری آیت میں قطعی طور پر یہ واضح کر دیا کہ عدل و مساوات ہو ہی نہیں سکتا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سے زائد نکاح مطلقاً جائز نہ رہے، لیکن ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا

مقصود ان تمام آیات میں ایک سے زاید نکاح کو روکنا ہوتا تو بھی اس تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی، کہ ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (یعنی نکاح کرو جو پسند آئیں تم کو عورتیں دو دو، تین تین، چار چار) اور پھر اس ارشاد کے کیا معنی کہ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (یعنی اگر تمہیں بے انصافی کا خطرہ ہو) کیونکہ اس صورت میں تو بے انصافی یقینی ہے، پھر خطرہ ہونے کے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہتے۔

اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عملی اور قولی بیان اور مسلسل تامل بھی اس پر شاہد ہے کہ ایک سے زائد نکاح کو کسی وقت اسلام میں نہیں روکا گیا، بات وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ سورۂ نساء کی پہلی آیت میں امورِ اختیاریہ کے عدل و مساوات کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں محبت اور قلبی میلان میں عدم مساوات پر قدرت نہ ہونے کا بیان ہے اس لیے دونوں آیتوں میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ ان آیات میں مطلقاً تعددِ ازدواج کی ممانعت کی کوئی دلیل ہے۔

آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ اس آیت میں دو کلمے ہیں ایک کلمہ ﴿اَدْنٰى﴾ یہ لفظ دنو سے مشتق ہے، جو قرب کے معنی میں ہے اور دوسرا لفظ ﴿لَا تَعُوْلُوْا﴾ ہے، عال یعول، مال یمیل کے معنی میں ہے، جس کے معنی میلان کے ہیں اور یہاں ناجائز میلان اور ظلم و جور کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں جو کچھ تم کو بتلایا گیا ہے (یعنی عدل نہ کر سکنے کی صورت میں ایک بیوی پر اکتفا کرنا یا باندی کے ساتھ گزارہ کر لینا) یہ ایسی چیز ہے کہ اس کو اختیار کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں تم ظلم کرنے سے بچ سکو گے اور زیادتی و تعدی کے مواقع ختم ہو سکیں گے۔

یہاں ایک شبہ یہ ہے کہ جب ایک بیوی ہوگی تو ظلم کا بالکل کوئی موقع نہ ہوگا، پھر لفظ ادنیٰ بڑھا کر یہ کیوں فرمایا کہ اس پر عمل پیرا ہونا اس بات کے قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو، بلکہ یہ فرمانا چاہیے کہ تم بالکل اس ظلم سے بچ جاؤ گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ ادنیٰ بڑھا کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ بہت سے لوگ ایک بیوی کو بھی ظلم و ستم کا تختہ بنائے رکھتے ہیں، اس لیے ظلم کا راستہ بند کرنے کے لیے یہ کافی نہیں کہ ایک سے زائد نکاح نہ کرو، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں ظلم کا خطرہ کم ہو جائے گا اور تم عدل کے قریب پہنچ جاؤ گے، اور ظلم و جور سے مکمل رہائی اس وقت ہوگی جبکہ ایک بیوی

کے حقوق پورے کیے جاویں اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ رہے، اس کی خامیوں سے درگزر اور اس کی کجی پر صبر کیا جائے۔ (معارف القرآن لمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

حرمتِ متعہ

لفظِ ''استمتاع'' کا مادہ م، ت، ع ہے، جس کے معنی کسی فائدہ کے حاصل ہونے کے ہیں، کسی شخص یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کو استمتاع کہتے ہیں، عربی قواعد کی رو سے کسی کلمہ کے مادہ میں ''س'' اور ''ت'' کا اضافہ کر دینے سے طلب وحصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں، اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا سیدھا مطلب پوری امت کے نزدیک خلفا عن سلف وہی ہے، جو ہم نے ابھی اوپر بیان کیا ہے، لیکن ایک فرقہ کا کہنا ہے کہ اس سے اصطلاحی متعہ مراد ہے، اور ان لوگوں کے نزدیک یہ آیت متعہ حلال ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ متعہ جس کو کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ ''محصنین غیر مسافحین'' سے ہو رہی ہے، جس کی تشریح آگے آ رہی ہے۔

متعہ اصطلاحی کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، محض مادہ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدعی ہے کہ آیت سے حلتِ متعہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جب دوسرے معنی بھی کم از کم محتمل ہے (گو ہمارے نزدیک متعین ہے) تو ثبوت کا کیا راستہ ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے محرمات کا ذکر فرما کر یوں فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ اپنے اصول کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو، اس حال میں کہ پانی بہانے والے نہ ہوں، یعنی محض شہوت رانی مقصود نہ ہو، اور ساتھ ہی ساتھ ''محصنین'' کی بھی قید لگائی ہے، یعنی یہ کہ عفت کا دھیان رکھنے والے ہوں۔ متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لیے کیا جاتا ہے اس لیے اس میں نہ حصولِ اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا، اور نہ عفت وعصمت اور اسی لیے جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو فریقِ مخالف زوجۂ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا، اور نہ اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا۔ اور چونکہ مقصد محض قضاء شہوت ہے، اس لیے مرد وعورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں، جب یہ صورت ہے تو متعہ عفت وعصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

صاحب ہدایہ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے لیکن یہ نسبت بالکل غلط ہے، جیسا کہ شراح ہدایہ اور دیگر اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب ہدایہ سے تسامح ہوا ہے۔

البتہ بعض لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخیر عمر تک حلت متعہ کے قائل تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے **باب ماجاء في نكاح المتعة** کا باب قائم کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں، پہلی حدیث یہ ہے:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء وعن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر."

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

دوسری حدیث جو امام ترمذی نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

"عن ابن عباس قال: إنما كانت المتعة في أول الإسلام حتى إذا نزلت الآية﴿ إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ قال ابن عباس فكل فرج سواهما فهو حرام."

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ متعہ اسلام کے عہد اول میں مشروع تھا، یہاں تک کہ آیت کریمہ ﴿إلا على ازواجهم أو ما ملكت أيمانهم ﴾ نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہوگیا، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زوجہ شرعیہ اور مملوکہ شرعیہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرمت متعہ کے قائل تھے

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ عرصہ تک متعہ کو جائز سمجھتے تھے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سمجھانے سے (جیسا کہ صحیح مسلم: ۱/۴۵۲ پر ہے۔)

اورآیت شریفہ ﴿إلا علی أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ سے متنبہ ہوکر رجوع فرمالیا، جیسا کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جوفرقہ حلت متعہ کا قائل ہے باوجودیکہ اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبت اور فرمانبردار ہونے کا دعوی ہے لیکن اس مسئلہ میں وہ ان کا بھی مخالف ہے۔﴿وسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون﴾

(۲۲۷:۲۶)

صاحب روح المعانی، قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا، پھر غزوۂ خیبر میں حرام کردیا گیا، اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کردیا گیا، لیکن پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا۔

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ﴿والذين هم لفروجهم حافظون إلا على ازواجهم او ماملك ايمانهم فإنهم غير ملومين﴾ یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اس سے حرمتِ متعہ صاف ظاہر ہے، اس کے مقابلہ میں بعض شاذ قراءتوں کا سہارا لینا قطعاً غلط ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ﴿ استمتعتم ﴾ سے متعہ اصطلاحی مراد ہونے کی کوئی قطعی دلیل نہیں، محض ایک احتمال ہے، یہ احتمال ﴿إلا على ازواجهم أو ماملكت أيمانهم ﴾ کے قطعی الدلالۃ مضمون کے ہرگز معارض نہیں ہوسکتا اور بالفرض اگر دونوں دلیلیں قوت میں برابر ہوں تو کہا جائے گا کہ دونوں دلیلیں حلت وحرمت میں متعارض ہیں، بالفرض اگر تعارض مان لیا جائے تب بھی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہونی چاہیے۔

(معارف القرآن لمفتی محمد شفیع رحمه الله :۲/۳۶۸)

وفي الهندية قال: نكاح المتعة باطل لا يفيد الحل ولا يقع عليها طلاق ولا إيلاء ولا ظهار ولا يرث أحدهما من صاحبه هكذا في فتاوى قاضيخان في ألفاظ النكاح، وهو أن يقول لامرأة خالية من الموانع اتمتع بك مدة عشرة أيام مثلا أو تقوا أياما اومتعني نفسك أياما أو عشرة أيام أو لم يذكر أيام هكذا من المال كذا في فتح القدير. (عالمگيريه: ۱/۲۸۳)

نکاح مؤقت کا حرام ہونا

مسئلہ: نکاح متعہ کی طرح نکاح مؤقت بھی حرام اور باطل ہے، نکاح موقت یہ ہے کہ ایک مقررہ مدت کے لیے نکاح کیا جائے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ متعہ میں لفظ متعہ بولا جاتا ہے اور نکاح موقت لفظ نکاح سے ہوتا ہے۔

وفی الهندية قال:

والنكاح المؤقت باطل كذا في الهداية. (عالمگيريه: ۱/۲۸۲)

حرمتِ متعہ کی مزید تفصیل

متعہ اصطلاحی، یعنی روافض جس متعہ کے جواز کے قائل ہیں یہ اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں رہا ابتداء اسلام میں جس متعہ کا جواز ثابت ہے وہ نکاح موقت ہے جو بعد میں حرام ہوگیا۔ اس سلسلہ میں فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ اباحتِ متعہ فی ابتداء الاسلام کا انکار حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے بھی فرمایا ہے، مگر اس پر زیادہ زور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، آپ کی تحقیق فیض الباری شرح بخاری میں بایں الفاظ منقول ہے:

قلت: وما ظهر لي في هذا الباب وإن لم يقله أحد قبلي، أن المتعة بالمعنى المعروف لم تكن في الإسلام قط ولكنها كانت نكاحا بمهر قليل لا بنية الاستدامة بل بإضمار الفرقة في النفس بعد حين والظاهر أن تحديد المهر بعشرة دراهم كان بعده وهذا النوع من النكاح يجوز اليوم أيضا إلا أنه يحضر عنه ديانة لإضمار نية الفرقة ويؤيده ما عندالترمذي ۱/۱۳۳ عن ابن عباس رضي الله عنهما بإسناد فيه كلام كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المرأة بقدر مايرى أنه يقيم فتحفظ له متاعه وتصلح له شيئه فهذا صريح في أنه كان نكاحا مع إضمار الفرقة وأما التخصيص بثلاثة أيام كما في بعض الروايات كما فهموه بل الوجه فيه أن المهاجرين لم يكونوا رخصوا في إقامتهم بمكة بعد الحج فوق ذلك. فجاء إجازة المتعة

لثلاثة أيام لهذا لا لأن المتعة أحلت لثلاثة أيام فليس الفرق إلا أن النكاح مع نية عدم الاستدامة كان مرخصا في أول الأمر ثم عاد الأمر إلى أصله كما كان ولم يرخص فيه أيضا فهذا هو المتعة بالمعنى الذي زعموه فهما لا أراه أن يكون أبيح في الإسلام قط وقال بعضهم في فسخ الحج إلى العمرة أيضا نحوه فانكروه راسا كما أنكرت المتعة في الإسلام غير إني تفردت بإنكار المتعة أما في فسخ الحج إلى العمرة فقد سبق فيه ناس قبلي واختار الجمهور أنه كان ثم نسخ.

(فيض الباري: ٤/١٣٨)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ کا نزول دو دفعہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا، جس سے تحریم متعہ ظاہر ہے مگر اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اس تحریم کی اشاعت اور تاکید فرمائی، یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصوص قرآنیہ محرمہ متعہ کے بعد متعہ کی اجازت دی ہو، فتح مکہ کے موقع پر جو اجازت مروی ہے وہ نکاح موقت کی تھی نہ کہ متعہ کی، نکاح موقت صورۃ نکاح ہے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاداً اس کی اجازت دی تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے متنبہ کر دیا گیا کہ معنی یہ بھی متعہ ہی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحریم کا بھی اعلان فرمایا۔

حاصل یہ ہے کہ متعۂ شیعہ جیسی بے حیائی کی اسلام میں کبھی بھی اجازت نہیں دی گئی، یہ جاہلیت میں مروج تھا، اسلام نے شروع ہی سے اس کو حرام قرار دیا، البتہ متعہ محرمہ میں نکاح باضمار نیت فرقت، و نکاح موقت کا دخول منصوص نہ ہونے کی وجہ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی بعد میں بذریعہ وحی غیر متلو آیت محرمہ میں اس کا دخول بیان فرما کر اس کی حرمت بھی واضح کر دی گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(احسن الفتاویٰ: ۵/۵۳)

بیوی کا دودھ پینا حرام ہے

بیوی کا دودھ پینا شوہر کے لیے حرام ہے، لیکن اگر کسی نے پی لیا چاہے قصداً پیے یا بلا قصد کے، تو اس پر لازم ہے کہ اس سے توبہ کرے، تاہم اس سے نکاح پر اثر نہیں پڑے گا نکاح بدستور قائم رہے گا۔

ولم يبح الارضاع بعد مدته لأنه جزء والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح. (ردالمحتار:باب الرضاع: ۲۱۱/۳ طبع سعيد)

وفي الهندية: إذا مص الرجل ثدي إمرأته وشرب لبهنا لم تحرم عليه إمرأته لما قلنا انه لا رضاع بعد الفصال. (خانية على هامش الهنديه ۴۱۷/۱: مكتبه ماجديه)

اگر بیوی کے پستان میں دودھ نہ ہو تو پستان منہ میں لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، تاہم دودھ منہ میں آنے کا اندیشہ بھی ہو تو اس سے بچنا چاہیے۔

مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. (ردالمحتار: ۲۲۵/۳ باب الرضاع)

مزنیہ سے نکاح کا حکم

زنا کاری شرعاً عقلاً بڑا قبیح فعل ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے اس کو سخت حرام قرار دیا بلکہ بوس و کنار بدنظری، بے پردگی وغیرہ جو زنا کے اسباب ہیں ان کو بھی حرام قرار دیا۔

قوله تعالىٰ ﴿ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشة وساء سبيلا﴾

(بني إسرائيل: ۳۲)

ترجمہ: زنا کاری کے قریب بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی (کی بات) ہے اور بری راہ ہے۔

اگر کسی لڑکا لڑکی سے یہ حرام فعل سرزد ہوا تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو حاکم وقت کوڑے کی سزا دے اور وہ دونوں توبہ بھی کریں، اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے یا ملک میں یہ قانون نافذ نہ ہو، یا قانون نافذ ہے، اور کوڑے کی سزا دیدی بعد میں وہ دونوں آپس میں شادی کرنا چاہیں تو شرعاً اس کی اجازت ہے، بلکہ اگر زنا کی وجہ سے حمل بھی ٹھہر گیا ہو تب بھی زانی کے لیے حالت حمل میں بھی اپنی مزنیہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔

وقال ابن عابدين رحمه الله: (قوله وصح نكاح حبلي من زنى) أي عندهما وقال أبو يوسف لايصح والفتوى على قولهما كما في القهستاني على المحيط.

(ردالمحتار ۴۸/۳، فصل في المحرمات طبع سعيد)

دوسرے کی مزنیہ سے بھی حالت حمل میں نکاح جائز ہے لیکن وضع حمل تک ہمبستری جائز

نہیں جبکہ اپنی مزنیہ سے نکاح کی صورت میں وضع حمل سے پہلے بھی ہمبستری جائز ہے۔

وفي الدر المختار قال: وصح نكاح حبلى من زنى لا حبلى من غيره أي الزنى لثبوت نسبه ولو من حربي أو سيدها المقربه وإن حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع متصل بالمسئلة الأولى لئلايسقي ماؤه زرع غيره إذا الشعر ينبت منه. (ردالمحتار: ۴۸/۳، ایم سعید)

سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سالی (یعنی بیوی کی بہن) سے زنا کرنا بھی بڑا سخت گناہ ہے، اگر کسی سے ایسا گناہ سرزد ہوگیا تو فوراً توبہ واستغفار کرنا لازم ہے، اور آیندہ اس سالی سے پردہ کا اہتمام کرنا چاہیے، لیکن اس عمل سے اس کی بیوی کے ساتھ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا وہ بدستور اس کی منکوحہ ہے، تاہم سالی کے استبراء یعنی اس کے ایک حیض گزرنے تک یا اس کے حاملہ ہونے کی صورت میں اس کے وضع حمل تک اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز نہیں۔ بلکہ علیحدہ رہنا واجب ہے:

الموانع في النكاح: الخامس: إذا وطا ذات محرم من امرأته ممن لا يحرم عليه بزنا فإنه لا يطأامرأته حتى يستبري الموطؤة بحيضة لأنه لايحل له رحمان محرمان فيهما ماؤه.

(النتف في الفتاوى كتاب النكاح ۱۸۹، مطبوعه دارالكتب العلمية)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ کم از کم ایک حیض گزرنے تک بیوی سے علیحدہ رہنے کو واجب قرار دیا جائے، خاص طور پر جبکہ معاملہ فروج سے متعلق ہے جس میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ويعمل بالاحتياط خصوصا في باب الفروج.

(شامیہ: ۲۸۳/۳، امداد المفتين ۵۵۳)

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

جس عورت سے زنا کیا ہو یا ناجائز طور پر بوس وکنار کیا ہو۔ اس کی لڑکی سے نکاح حرام اور باطل ہے۔ خواہ لڑکی زانی کے نطفہ سے ہو یا نہ ہو۔ اب اگر زانی شخص اپنی مزنیہ کی لڑکی بیوی کے طور پر رکھتا ہے، تو زانی ہی کہلائے گا، اولاد اگر پیدا ہوں وہ بھی حرامی النسل ہوگی، عزیز واقارب اور دیگر بااثر افراد پر لازم ہوگا کہ ایسا بدکار شخص سے معاشرتی بائیکاٹ کرے۔

وفي الدر المختار قال: وحرم أيضا بالصهرية أصل مزينته. وقال ابن عابدين رحمه الله: قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا. وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا في الوطي الحلال الخ...

(ردالمحتار ۳۲/۳، فصل في المحرمات مطبوعه سعيد)

مزینہ کی ماں سے نکاح حرام ہے

جس عورت سے زنا کیا ہو یا ناجائز طور پر بوس وکنار ہوا ہو اس کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، کیونکہ زناکاری سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے، یعنی زانی کے لیے مزینہ کی بیٹی نواسی وغیرہ اور مزینہ کی ماں اور نانی وغیرہ نیز مزینہ کے لیے زانی کا بیٹا یا باپ سب سے نکاح حرام ہوجاتا ہے۔(کذا في البحر الرائق: ۱۰۱/۳، الهنديه الباب الثالث في المحرمات: ۲۷۵/۱)

باقی زانیہ اور مزینہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اصول وفروع میں داخل نہیں۔

کفار، اہل کتاب اور گمراہ فرقوں سے نکاح کا حکم

عیسائی عورت سے نکاح کا حکم

جو عیسائی یا یہودی، اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہو، اور آسمانی کتابوں میں کسی ایک کتاب توراۃ، انجیل زبور وغیرہ کو مانتا ہو، کسی پیغمبر پر ایمان کا دعویدار ہو ایسی عورت سے فی نفسہ نکاح جائز ہے بشرطیکہ نکاح شرعی طریقے پر دو گواہوں کے سامنے ہو اور وہ عورت پاکدامن ہو۔

قوله تعالى: ﴿والمحصنت من المؤمنات والمحصنت من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا اتيتموهن أجورهن محصنين، غير مسافحين ولا متخذى أخذان.﴾ (مائدة: ۵)

یعنی تمہارے لیے مسلمان پاکدامن عورت سے نکاح حلال ہے اسی طرح اہل کتاب کی عفیف اور پاکدامن عورتوں سے بھی نکاح حلال ہے۔

(احکام القرآن للجصاص)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کے ضمن میں معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک اگر چہ از روئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح فی نفسہ حلال ہے لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لیے از روئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گی، ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے، تو پھر امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں نے حرام نہیں کہا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے۔ اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانہ میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے۔ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابوحنیفہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم نے جب حضرت حذیفہ کو خط لکھا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

اعزم عليك أن لا تضع كتابي حتى تخلي سبيلها أخاف أن يقتديك المسلمون فيختاروا النساء أهل الذمة لجمالهن و كفى بذلك فتنة لنساء المسلمين. (كتاب الآثار: ١٥٦)

''یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دیکر آزاد کردو۔ کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟''

اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ طلحہ اور کعب بن مالک کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے آیت مائدہ کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرلیا تو جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو

سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں۔ (مظہری)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے، اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہو جائیں۔ یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروقی نظر دور بیں اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا؟ اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ ان کا توراۃ انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریئے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمانوں کے لیے کسی طرح حلال نہیں۔ اور بالفرض اگر وہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانہ میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لیے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، جن کے عبرتنامے روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور مسلم سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال وحرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔

الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔ آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں۔ انکو داشتہ کے طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں۔

وصح نكاح كتابية وإن كره تنزيها مؤمنة بنبي مرسل مقرة بكتاب منزل وإن اعتقدوا المسيح الها، وفي الشامية قوله مقرة بكتاب في النهر عن الزيلعي واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل

كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد، فهو من أهل الكتاب تجوز مناكحتهم. (ردالمحتار ٣/٤٥، فصل في المحرمات)

ہندوعورت سے نکاح جائز نہیں

کوئی بھی مشرک بت پرست، ہندو آریا سکھ بدھ مت کے ماننے والی وغیرہ سے مسلمان مرد کا نکاح حرام ہے، جب تک وہ باقاعدہ طور پر دین اسلام کو قبول کر کے مسلمان نہ ہو جائے ایک مسلمان کے لیے ان سے نکاح ہرگز جائز نہیں۔

ولا يصح نكاح عابدة كوكب لا كتاب لها، ولا وطؤها بملك يمين والمجوسية والوثنية إلخ

(الدر على هامش ردالمحتار ٣/٤٦، فصل في المحرمات)

قوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (بقرة: ٢٢١)

اور مشرک عورت سے نکاح مت کرو جب تک ایمان نہ لے آئیں۔

غیر مسلم مرد سے نکاح حرام ہے

کتابیہ عورت سے نکاح کا جواز تو بعض شرائط سے ثابت ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، لیکن کسی مسلمان خاتون کا نکاح غیر مسلم مرد سے چاہے کتابی ہو یا غیر کتابی کسی حال میں حلال نہیں، اس لیے اس کا خوب خیال رکھنا لازم ہے۔

ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي.

(الهنديه كتاب النكاح الباب الثالث ١/٢٨٢)

ومنها الإسلام في نكاح المسلم والمسلمة.

(بدائع الصنائع ٢/٢٥٣، مطبوعه سعيد)

عیسائی عورتوں سے نکاح پر اشکال وجواب

عیسائی عورتوں سے نکاح کے جواز پر اشکال اور اس کا جواب امداد الفتاویٰ سے نقل کیا جاتا ہے:

سوال: قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**والمحصنت من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم**﴾ یعنی اس آیت مبارکہ کی رو سے اہل کتاب کی ''محصنہ'' عورتوں سے

نکاح کا جائز ہونا معلوم ہوا۔ حالانکہ اہل کتاب کا شرک (عیسیٰ علیہ السلام کو) ''ابن اللہ'' کہنا وغیرہ اسی طرح بدعات شرکیہ میں غلو ثابت ہو چکا تھا، اہل کتاب میں ان خرابیوں کے موجود ہونے کے باوجود ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز رکھا گیا، تو اب بھی ان کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ اس وقت وہ لوگ اور بھی خراب ہو گئے ہیں جب ان کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہوا، تو مرزائی عورتوں شیعہ رافضی اور بدعتی جو شرک کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں ان کی عورتوں سے بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے، حالانکہ ان کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی وجہ سے فقہاءؒ ان کے ساتھ نکاح کرنے کو منع فرماتے ہیں، امید ہے کہ جناب والا لوجہ اللہ شافی جواب عنایت فرمائیں گے، میں کئی روز سے اس شبہ میں مبتلا ہوں۔ شفاء العی السوال فقط۔

الجواب: شریعت مطہرہ میں کافر اصلی (آبائی کفار) اور کافر مرتد کے احکام جداگانہ ہیں، پھر کافر اصلی میں اہل کتاب یعنی کسی آسمانی کتاب کا معتقد (آسمانی کتاب پر عامل ہونا ضروری نہیں) اور غیر اہل کتاب کے احکام مختلف ہیں۔ اس مقدمہ سے سب شبہات رفع ہو گئے۔ یعنی اہل کتاب کا جو شرک منقول ہے وہ نکاح کتابیہ سے مانع نہیں، اور مرزائی وغیرہم جن پر بھی کفر کا فتویٰ ہوگا وہ شرعاً مرتد قرار پائیں گے، فحصل الفرق بینھما۔ اس شرک کی وجہ سے اہل کتاب اگرچہ آسمانی کتابوں پر عمل کرنے والے نہ رہیں گے مگر پھر بھی آسمانی کتاب پر اعتقاد اور ایمان رکھنے والے تو ہیں۔

البتہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے جو لوگ کسی آسمانی کتاب پر ایمان و اعتقاد کا التزام نہ رکھیں جیسے اس زمانہ میں اکثریت کی حالت ہو گئی، تو ان کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ (امدادالفتاویٰ بتغییر یسیر: ۲/۲۴۱)

قادیانی عورت سے نکاح کا حکم

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ آپ علیہ السلام کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا، یہ عقیدہ رکھنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

قوله تعالى: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي...

میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہوگا، ان کے علاوہ بھی بکثرتِ نصوص ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا ثابت ہے، لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوی نبوت جھوٹا ہے۔ اس دعوی میں اس نے قرآن وحدیث کے ان تمام صریح نصوص کا انکار کیا جن سے ختم نبوت کے عقیدہ ثابت ہے لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی مرتد، کافر، دائرہ اسلام سے خارج ہے اب جو شخص بھی مرزا غلام کو نبی تسلیم کرتا ہے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس سے نکاح کا رشتہ قائم کرنا جائز نہیں، اس کو لڑکی دینا یا ایسی کسی لڑکی کو اپنے نکاح میں لانا دونوں ہی حرام ہیں۔

شیعہ عورت سے نکاح

جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدائی کا قائل ہو، (یعنی حلول کا عقیدہ رکھتا ہو) یا قرآن کریم کو تحریف شدہ مانتا ہو، یا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت رکھتا ہو، یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو، یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی لانے میں غلطی کا عقیدہ رکھتا ہو، یا کوئی اور کافرانہ عقیدہ رکھتا ہو، وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے، لہٰذا اگر کوئی شیعہ لڑکی ان عقائد کا حامل ہو تو اس سے سنی مسلمان کا نکاح حلال نہیں۔ اگر کفریہ عقائد نہ رکھتی ہو تو فی نفسہ نکاح منعقد ہو جائے گا تاہم اس نکاح سے مرد کے عقیدہ خراب ہونے کا قوی امکان ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي أو أن جبرائيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة.

(ردالمحتار: ٤٦/٣ فصل في المحرمات كتاب النكاح)

قال ابن نجم في البحر ويكفر من أراد بغض النبي صلى الله عليه وسلم: وبعد اسطر ويقذفه عائشة رضي الله عنها من نسائه صلى الله عليه وسلم فقط وبإنكاره صحبة أبي بكر رضي الله عنه.

(البحر الرائق: ١٢١/٣، باب أحكام المرتدين)

قال المفتي الاعظم رشيد احمد لدهيانوی رحمه الله تعالىٰ:

شیعہ عورت مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں۔ اس لیے کہ شیعہ کافر ہیں دلائل کی تفصیل حقیقت شیعہ مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں ہے بعض کے خیال میں شیعہ اہل کتاب ہیں، معہذا او بوجوہ ذیل شیعہ عورت سے نکاح جائز نہیں:

(۱) اکثر علماءِ شیعہ کو اہل کتاب شمار نہیں کرتے، لہٰذا احتیاط واجب ہے۔

(۲) ان کے نزدیک صرف وہ شیعہ اہل کتاب میں سے ہے، جس کا باپ دادا بھی شیعہ ہو، اگر کوئی مسلمان شیعہ ہو گیا تو وہ اور اس کی صلبی اولاد بحکم اہل کتاب نہیں، بلکہ مرتد اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح حرام ہے، اگر شیعہ عورت سے نکاح کی اجازت ہوگئی تو بدون اس تحقیق کے کہ یہ شیعہ عورت اہل کتاب سے ہے، یا مرتد سے نکاح ہونے لگیں گے، اس طرح حرام کاری کا دروازہ کھل جائے گا۔

(۳) شیعہ عورت سے نکاح کے بعد اولاد تو اولاد خود شوہر کا دین خطرہ پڑ جاتا ہے، عموماً شوہر مرتد ہو جاتا ہے، اولاد تو یقیناً مرتد ہو جاتی ہے ان وجوہ سے شیعہ عورت سے نکاح کا ہرگز جواز نہیں۔

(مزید تفصیل کے لیے احسن الفتاویٰ ۵/۹۰ ملاحظہ فرمائیں)

شیعہ مرد سے سنی لڑکی کا نکاح

اگر کوئی شیعہ کفریہ عقائد رکھتا ہے، جن کی تفصیل سابقہ فتویٰ میں مذکور ہے تو اس کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح کافر ہونے کی وجہ سے منعقد نہ ہوگا۔ اور اگر کفریہ عقائد نہ رکھتا ہو تب بھی وہ مبتدع اور فاسق ہے، اس سنی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ فاسق ہونے کی وجہ سے سنی لڑکی کا کفو نہیں۔

وفي البدائع الصنائع ۲/۲۷۱ قال: ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة فلا يجوز نكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ ولأن في النكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر إلخ.

قال في الهندية: فلا يكون الفاسق كفو للصالحة سواء كان ملعن الفسق أو لم يكن. (عالمگیریه: ۱/کتاب النکاح)

غیر مقلد سے نکاح

جو لڑکی عقیدۂ اہل سنت والجماعت کا حامل اور فقہ کو ماننے والی خصوصاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ماننے والی ہو اس کا نکاح غیر مقلد (بقول خود اہل حدیث) لڑکے سے فی نفسہ منعقد ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی مسلمان ہیں، تاہم ایسی جگہ رشتہ کرنے میں عموماً خاندانوں کے آپس میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ احادیث کی روشنی میں مرد و عورت کی نماز میں ۱۴ مقامات میں فرق ہیں۔ مثلاً

۱- تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کے لیے مسنون ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جبکہ عورت کے لیے کندھے تک ہے۔

۲- رکوع میں مرد کمر اور سر کو برابر رکھ کر پیٹھ سیدھی کر کے رکوع کرے۔ اور عورت صرف اتنا جھکے کہ گھٹنے تک ہاتھ پہنچ جائے۔

۳- اسی طرح مرد اس طرح سجدہ کرے کہ ران پیٹ سے بازو پسلیوں سے کلائی زمین سے الگ رہے، جبکہ عورت کے لیے حکم ہے کہ خوب سمٹ کر سجدہ کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ ستر کا اہتمام ہو۔

عن يزيد بن أبي حبيب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض قال المرأة ليست في ذلك كالرجل.

(السنن للبيهقي: ۲۲۳/۲، اعلاء السنن بحواله مراسيل أبي داؤد: ۱۹/۳)

عن وائل بن حجر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا وائل بن حجر! إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها. (مجمع الزوائد: ۱۰۳/۲)

اور بھی کئی بنیادی مسائل ہیں جن میں جمہور اہل سنت اور غیر مقلدین کا اختلاف ہے، تو ان کے ہاں شادی کی صورت میں مرد اور اس کے خاندان والے لڑکی کو ان مسائل میں غیر مقلدین کی پیروی کرنے پر مجبور کرتے ہیں، جس سے آپس میں ناچاقی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح بعض دیگر مسائل میں بھی تشدد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو لڑکی دینے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے۔

مرتد سے نکاح حرام ہے

جو شخص پہلے مسلمان تھا پھر عیسائی، ہندو مذہب اختیار کرے یا اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین یا مذہب کو قبول کرے (العیاذ باللہ) تو یہ شخص مرتد ہے، تو ایسے شخص کا نکاح کسی مسلم کافرہ یا مرتدہ سے جائز نہیں، اور جو عورت ارتداد اختیار کرے، اس کا بھی نکاح کسی سے درست نہیں۔ مرتد عیسائی، ہندو کی لڑکی بھی اگر مرتدہ ہو تو اس سے بھی نکاح جائز نہیں۔

ولا يجوز للمرتد أن يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة أصلية وكذلك لا يجوز نكاح المرتدة مع أحد كذا في المبسوط ١هـ.

(عالمگیریه: ١/٢٨٢)

غیر مسلم کا قبول اسلام اور اس کا نکاح

اگر کوئی کافرہ عورت اسلام قبول کرے، تو اگر وہ عورت ایسی ہو کہ اس کا کوئی شوہر نہیں، تو اس سے فورا نکاح درست ہے۔ اگر اس کا شوہر موجود ہے تو پھر اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ بھی مسلمان ہو جائے تب تو بدستور یہ عورت اس کی بیوی رہے گی، دونوں کا نکاح برقرار ہے، اگر وہ شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے تو ان میں تفریق کر دی جائے یہ تفریق بحکم طلاق ہوگی۔

اگر یہ عورت دارالحرب میں ہو تو اسلام قبول کرنے کے وقت سے تین حیض گزار کر اس کا نکاح ختم ہوگا، اگر حاملہ ہو تو وضع حمل پر اس کا نکاح ختم ہوگا، اس کے بعد عدت گزار کر نکاح کرنا چاہیے۔ یہی احوط ہے۔

وإذا أسلم أحد الزوجين المجوسيين أو امرأة الكتابي عرض الإسلام على الآخر فإن أسلم فبها وإلا بان أبي أو سكت فرق بينهما إلى قوله ولو أسلم أحدهما ثمه لم تبن حتى تحيض ثلاثا أو تمضي ثلاثة أشهر.

(ردالمحتار :٣/١٨٨ باب نكاح الكافر)

اگر عورت اسلام قبول کرکے دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کرکے آجائے تو دارالاسلام میں داخل ہوتے ہی اس کا نکاح ختم ہو جائے گا، اس پر وجوب عدت میں اختلاف ہے قول وجوب ارجح اور احوط ہے۔

ومن هاجرت إلينا مسلمة أو ذمية حائلا بانت بلاعدة فيحل تزوجها وأما الحامل فحتى تضع على الأظهر لا للعدة بل لشغل الرحم بحق الغير.

(ردالمحتار :٣/١٩٣، باب نكاح الكافر)

قال ابن نجيم في البحر: أن المرأة إن كانت حربية فلا عدة عليها.
(البحر الرائق:۳/۲۱۳)

نومسلمہ کے لیے کافر شوہر کے نکاح سے نکلنے کا طریقہ

اگر کوئی کافر عورت اسلام قبول کرے، تو اصل حکم تو یہی ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر قبول کرے تو دونوں کا نکاح برقرار رہے گا اگر انکار کرے یا خاموشی اختیار کرے تو قاضی ان میں تفریق کردے تو یہ تفریق بحکمِ طلاق ہوگی اور اس کے بعد عدت واجب ہوگی، لیکن اگر شوہر پر اسلام پیش کرنے میں مشکلات ہوں، کہ حکومت اس میں تعاون نہیں کرتی کہ شوہر کو بلا کر اسلام پیش کرے یا حاکم یا مجلس علماء شوہر کو بلا کر اسلام پیش کر بھی دے تو اس میں شدید خطرہ ہے کہ شوہر ان کے سامنے اسلام قبول کر کے بیوی حاصل کرلے بعد میں پھر بیوی کو سخت اذیت پہنچائے، بلکہ انجکشن وغیرہ کے ذریعہ ہلاک ہی کردے، ایسی مجبوری کی صورت میں کافر شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے مذہب شافعی پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، ان کے یہاں عورت کے قبولِ اسلام کے بعد شوہر کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر عورت کی عدت گزر جائے تو نکاح فسخ ہوجاتا ہے اور اس کے بعد فوراً دوسرا نکاح ہوسکتا ہے شوہر کے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسری عدت کی ضرورت نہیں۔

قال في الأم ولم أعلم مخالفا في أن المتخلف عن الإسلام منهما إذا انقضت عدة المرأة قبل أن يسلم انقطعت العصمة بينهما إلى قوله لا تصنع الدار في التحريم والتحليل شيئا إنما يصنعه اختلاف الدينين (وبعد أسطر) وإن لم يسلم حتى تنقضي العدة فالعصمة منقطعة بينهما وانقطاعها فسخ بلا طلاق وتنكح المرأة من ساعتها من شأن.

(الأم: ۵/٤۵، (احسن الفتاویٰ ۵/۲۸ کتاب النکاح)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں اگر ملکی قوانین کی رو سے کوئی ایسا طریق کار موجود نہ ہو جس کے ذریعہ شوہر کو عدالت میں بلا کر اس پر اسلام پیش کرے تو اس صورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کی گنجائش ہوگی۔

أما لأنه في حكم الكفر في هذه الجزئية بخصوصها إما عملا بمذهب الأئمة الأخرى عند الضرورة. (فتاوی عثمانی: ۲/۲٦٦)

غیر مسلم شوہر کے انتقال کے بعد نومسلمہ کا نکاح

اگر کوئی غیر مسلم لڑکی اپنے کافر شوہر کے انتقال کے بعد اسلام قبول کرے، تو اس سے اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہے تو طریقہ یہ ہے کہ وہ عورت حاملہ ہے تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے اس کے بعد نکاح ہوسکتا ہے، اور اگر حاملہ نہیں ہے تو اس عورت پر کافر شوہر کی عدت وفات لازم نہیں، بلکہ فوراً دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

وكذا لا تعتد مسبية افترقت بتباين الدارين لأن العدة حيث وجبت إنما وجبت حقا للعباد والحربي ملحق بالجماد. إلا الحامل فلا يصح تزوجها لا لأنه معتدة بل لأن في بطنها ولدا ثابت النسب كحربية خرجت أيضا مسلمة أو ذمية أو مستامنة ثم أسلمت وصارت ذمية لما مر أنه ملحق بالجماد إلا الحامل لما مر. (ردالمحتار:۳/ باب العدة مطلب الدخول في النكاح الأول)

نومسلمہ سے نکاح سے پہلے جانچنا چاہیے

اگر کوئی کافر عورت اپنی رضا و رغبت سے اسلام قبول کرے، اور مسلمانوں کے پاس آجائے، اب کوئی مسلمان اس کو سہارا دینے کی نیت سے شادی کرے تو ایسا نکاح اجر وثواب کا کام ہے، انشاء اللہ اس میں برکت ہوگی۔ لیکن بعض دفعہ اسلام قبول کرنے میں مخلص نہیں ہوتی بلکہ کسی دنیوی لالچ میں آکر اسلام کا اظہار کرتی ہے، بعض دفعہ تو محض دوستی نبھانے کے لیے یا دنیا والوں کو دکھانے کے لیے صرف اسلام کا اقرار کرتی ہے، تو اگر کافرہ عورت حقیقۃً مسلمان نہ ہو تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا، اس لیے نومسلمہ سے شادی میں جلد بازی کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ بلکہ اس کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے، اور امتحان لیا جائے جب اچھی طرح اطمینان ہو جائے کہ اسلام میں پختہ ہے، تو اس کے بعد اپنی زندگی کے لیے مناسب سمجھے تو شادی کرے، ورنہ عموماً ایسی شادی پائیدار نہیں ہوتی کبھی مال لے کر بھاگ جاتی ہے تو کبھی جان کے لیے خطرہ ثابت ہوتی ہے، کچھ نہ ہو تو پھر شوہر کو بے دینی پر ابھارتی ہے، اگر یہ بھی نہ ہو تو اولاد کو تو خراب کر ہی دیتی ہے۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر ہی قدم اٹھانا چاہیے۔ واللہ الموفق الی سبیل الرشاد۔

نکاح فاسد و باطل میں فرق کی تحقیق

فقہاء کرام بعض نکاح کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نکاح فاسد ہے اور بعض کے متعلق فرماتے ہیں باطل ہے، ایک ہی نکاح کے متعلق بعض فاسد اور بعض باطل فرماتے ہیں، نتیجہ کے اعتبار سے اس میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہاں نقل کی جارہی ہے:

سوال: نکاح فاسد و باطل کے احکام میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اوان کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بیانا شافیا تو جروا أجرا وافیا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب: قال في شرح التنوير وعدة المنكوحة نكاحا فاسدا، فلا عدة في باطل وفي الشامية (قوله نكاحا فاسدا) هي المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الغير بلا علم بانها متزوجة ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح (قوله فلا عدة في باطل) فيه أنه لا فرق بين الفاسد والباطل في النكاح بخلاف البيع كما في نكاح الفتح والمنظومة المحبية لكن في البحر عن المجتبى كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونه زنا كما في القنية وغيرها. هـ. قلت ويشكل عليه أن نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد كما علمت مع أنه لم يقل أحد من المسلمين بجوازه وتقدم في باب المهر أن الدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب ومثل له في البحر هناك بالتزوج بلاشهود وتزوج الاختين معا أو الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة

والأمة على الحرة.اھ. (ردالمحتار: ۲/۸۳۵)

وفي باب المهر من شرح التنوير ويجب مهر المثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود بالوطئ في القبل لا بغيره، وفي الشامية عن المحيط تزوج ذمي مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسدا ۱ھ فظاهره أنهما لا يحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل بحر. قلت: لكن سيذكر الشارح في اخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوىٰ: نكح كافر مسلمة فولدت منه لايثبت النسب منه ولا تجب العد ة لأنه نكاح باطل إلخ. وهذا صريح فيقدم على المفهوم فافهم ومقتضاه الفرق بين الفاسد والباطل في النكاح لكن في الفتح قبيل التكلم على نكاح المتعة أنه لا فرق بينهما في النكاح بخلاف البيع نعم في البزازية حكاية قولين في أن النكاح المحارم باطل أو فاسد والظاهر أن المراد بالباطل ماوجوده كعدمه ولذالا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضا كما يعلم مما سيأتي في الحدود وفسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم إلخ (وبعد أسطر) والحاصل أنه لا فرق بينهما في غير العدة أما فيها فالفرق ثابت وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما إذا لم يعلم بأنها معتدة لكن يرد على مافي المجتبىٰ مثل نكاح الاختين معا فإن الظاهر أنه لم يقل أحد بجوازه ولكن لينظر وجه التقييد بالمعية والظاهر أن المعية في العقد لا في ملك المتعة إذ لو تأخر أحدهما عن الآخر فالمتأخر باطل قطعا.(ردالمحتار: ۲/۴۸۲)

تحقیق بالا سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے:

1 نکاح فاسد و باطل کے درمیان صرف وجوب عدت میں فرق ہے، باقی احکام وجوب مہر و سقوط حد وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔

2 نکاح فاسد کی تعریف "کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ۔" اور نکاح باطل کی تعریف "مالم یقل أحد بجوازہ۔"

3 اس تعریف کا نکاح المحارم و متعدۃ الغیر و نکاح الاختین معا سے منقوض ہونا۔

4 ہر سہ نقوض کا جواب۔

بندہ کے خیال میں نقضِ اول وثالث کے جواب میں اشکال ہے، نقضِ اول کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نکاح محارم باطل ہے، موجبِ عدت نہیں، چنانچہ شامیہ کتاب الحدود میں ہے:

وحاصله أن عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد ولا يخفى أن في هذا ترجيحا لقول الإمام. (ردالمحتار: ۲۱۳/۳)

غرض یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نکاح دارءِ حد ہونے میں نکاحِ فاسد کی طرح ہے، کیونکہ سقوطِ حد میں نکاحِ فاسد و باطل برابر ہیں، کوئی فرق نہیں، حقیقت میں یہ نکاح باطل ہے، اسی لیے موجب عدت نہیں۔

اس جواب پر شامیہ کے اس جزئیہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے:

من المشايخ من التزم وجوبهما وأيضا روي عن محمد رحمه الله تعالىٰ أنه قال: سقط الحد عنه لشبهة حكمية فيثبت وهكذا ذكر في المنية وهذا صريح بأن الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب على ما مر ١هـ. قلت: وفي هذا زيادة تحقيق لقول الإمام لما فيه من تحقيق الشبهة حتى ثبت النسب ويؤيده ما ذكره الخير الرملي في باب المهر عن العيني ومجمع الفتاوىٰ أنه يثبت عنده خلافا لهما.

(ردالمحتار: ۲۱۳/۲)

اور نقضِ ثالث کے جواب پر یہ اشکال ہے کہ نکاح الاختین متعاقباً میں بھی نکاح ثانی بعد الوطی موجبِ عدت ہے۔

كما في الهندية وإن تزوجهما في عقدتين فنكاح الأخيرة فاسدة (إلىٰ قوله) وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمىٰ ومن مهر المثل عليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها كذا في محيط السرخسي. (عالمگیریہ: ۲)

حاصل یہ ہے کہ نکاح باطل وفاسد کی مذکور تعریف غیر سالم ہے، بندہ جہاں تک عبارات میں غور کرنے سے سمجھا وہ یہ ہے کہ اگر بلالحاظ خصوصیتِ عاقد فی نفسہ محلِ عقد ہی موجود نہ ہو تو نکاح

باطل ہے، کنکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بأنہا متزوجۃ کیونکہ آنِ واحد میں اجتماع الملکین ناممکن ہے، اور اگر محل عقد تو موجود ہے مگر خصوصیت عاقد یا فقدانِ شرط کی وجہ سے ممنوع ہے تو نکاح فاسد ہوگا، کنکاح المحارم، اس میں منع خصوصیت عاقد کی وجہ سے ہے، فی نفسہ محل عقد موجود ہے، یہ تعریف بیع باطل وفاسد سے قریب تر ہونے کے علاوہ عبارات فقہاء رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی مؤید ہے:

قال في الشامية في باب العدة ويمكن الجواب عن السمرقندي أنه حمل المنكوحة نكاحا فاسدا على ما سقط منه شرط الصحة بعد وجود المحلية كالنكاح الموقت أو بغير شهود أما منكوحة الغير فهي غير محل إذ لا يمكن اجتماع ملكين في ان واحد، على شيئ واحد إلخ. (ردالمحتار ۸۳۷/۲)وأيضا في حدود الشامية مدارالخلاف على ثبوت محلية النكاح للمحارم وعدمه فعنده هي ثابتة على معنى أنها محل لنفس العقد لا بالنظر إلى خصوص عاقد لقبولهامقاصدة من التوالد فأورث شبهة ونفياه على معنى أنها ليست محلا لعقد هذا العاقد فلم يورث شبهة.

(ردالمحتار ۲۱۲/۲)

اس تعریف کی بناپر نکاح المحارم ونکاح الاختین فاسد ہوگا، لہٰذا موجبِ عدت ہے اور نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بأنہا متزوجۃ باطل ہے، اس لیے موجب عدت نہیں، اور نکاح المعتدۃ مع العلم بأنہا معتدۃ حقیقت میں تو باطل ہونا چاہیے، مگر بعض دفعہ قرب شی پر وجود شی کا حکم لگ جاتا ہے، جیسا کہ مرض الموت میں ورثہ کا حق ترکہ سے متعلق ہوجاتا ہے، اس لحاظ سے معتدہ کے نکاح کو فاسد بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ معتدہ عنقریب ہی محلِ عقد بننے والی ہے، اس لیے اس میں ایجابِ عدت میں احتیاط ہے۔

نکاح المسلمۃ بالکافر تعریف مذکور کی بناء پر فاسد ہونا چاہیے، مگر اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

محیط میں اس کو فاسد قرار دیا گیا ہے، اس کے مطابق علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح مثبتِ نسب وموجب عدت ہے۔

كما نقل العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في باب المهر عن المحيط تزوج ذمي مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسدا ۱ هـ فظاهره

أنهمـا لايـحـدان وأن الـنـسـب يثبـت فيـه والـعدة إن دخل بحر.

(ردالمحتار ۲/۴۸۲)

اورمجمع الفتاویٰ میں اس نکاح کا بطلان تحریر ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ في اخر فصل في ثبوت النسب قلت وفي مجمع الفتاوىٰ نكح كافر مسلمة فولدت لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ (قوله لأنه نكاح باطل) أي فالوطئ فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فإنه وطئ بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشا لا بالباطل رحتمي والله سبحانه أعلم. (ردالمحتار ۲)

وجوہ التوفیق:

1 محیط میں فاسد سے باطل مراد ہے۔ **وهذا الاطلاق شائع في البيوع.**

2 محیط میں کافر ذمی کا ذکر ہے اور مجمع الفتاویٰ میں کافر سے غیر ذمی مراد ہے۔

3 مجمع الفتاویٰ کا جزئیہ قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

وجہ الترجیح:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في باب المهر بعد نقل الفساد عن المحيط والبطلان عن مجمع الفتاوىٰ وهذا رأي ما في المجمع من حكم البطلان) صريح فيقدم على المفهوم فافهم.

(ردالمحتار: ۲/۴۸۲)

کلامِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قول بطلان ہی راجح ہے اس کے مطابق نکاح باطل کی تعریف مذکور پر وارد ہونے والے نقض کا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ مسلمہ بالنسبۃ الی جنس الکافر محل عقد نہیں، جیسا کہ خمر وخنزیر کی بیع اس لیے باطل ہے کہ بالنسبۃ الی جنس المسلم مال نہ ہونے کی وجہ سے محل عقد نہیں۔

کافر کے لیے مسلمہ کے محل عقد نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں:

1 یہ منصوص ہے: **قال الله تعالىٰ ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا﴾**

2 کافر ملحق بالمیت ہے۔ كما صرحوا به في مواضع كثيرة.

ایک امر کی تنقیح تا حال باقی ہے وہ یہ کہ نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہ متزوجۃ مسقط حد ہے یا نہیں؟

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر عن المجتبیٰ عن القنیۃ وغیرہا سے نقل فرمایا ہے کہ اس صورت میں حد لگائی جائے گی۔ وقد منا نصه في اول البحث.

مگر دوسری تصریحات کے پیشِ نظر سقوطِ حد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے چنانچہ اوپر اس امر کی تصحیح گزر چکی ہے کہ نکاح باطل وفاسد میں صرف حقِ عدت میں فرق ہے، بقیہ احکام میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا مسقط حد ہونے میں بھی فرق نہ ہوگا، چنانچہ شامیہ کتاب الحدود میں سقوطِ حد کی تصریح موجود ہے:

لو عقد على منكوحة الغير أو معتد ته أو مطلقة الثلاث أو أمة على حرة أو تزوج مجوسية أو أمة بلا إذن سيدها أو تزوج خمسا في عقده فوطئهن أو جمع بين الأختين في عقدة فوطئهما أو الأخيرة لو كان متعاقبا بعد التزوج فإنه لاحد وهو بالاتفاق على الأظهر (وبعد سطرين) إنما يحد عندهما في ذات المحارم لافي غيره ذلك كمجوسية وخامسة ومتعدة، وكذا عبارة الكافي للحاكم تفيده حيث قال تزوج امرأة ممن لا يحل له نكاحها فدخل بها لأحد عليه وإن فعله على علم لم يحد أيضا ويوجع عقوبة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وقالا إن علم بذلك فعليه الحد في ذوات المحارم ١هـ فعمم في المرأة على قوله ثم خص على قولهما بذوات المحارم.
(ردالمحتار: ٢١٢/٣) فقط والله أعلم.

(ماخوذ احسن الفتاویٰ: ٥/ ٦٠)

❁❁❁❁❁

حکمۃ تعدد الازدواج والحصر فی الاربع

عقلاً ونقلاً وتجربۃً وقیاساً ہر لحاظ سے یہ امر مسلّم ہے کہ مرد عورت کی بنسبت شہوت کئی گنا زیادہ ہے۔
شرعاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کا اختیار دیا، اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو اس کا برعکس ہونا چاہئے تھا۔ حضور ﷺ نے عورتوں کے لئے بہت سی وعیدیں بیان فرمائی ہیں جبکہ وہ مرد کے بُلانے پر ہمبستری کے لئے راضی نہ ہوں اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی تو مردوں کے لئے ایسی وعیدیں آنی چاہئے تھیں۔

عقلاً:

اس لئے کہ مرد کا مزاج گرم ہے جو سبب شہوت ہے اور عورت کا مزاج سرد ہے۔

تجربۃ:

اس لئے کہ کوئی شخص اس کا قائل نہیں اور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا کہ عورت ہمبستری کی دعوت دے اور مرد انکار کرے۔ اس کے برعکس اسکی مثالیں روزانہ پیش آتی رہتی ہیں کہ مرد بُلاتا ہے عورت راضی نہیں ہوتی۔

قیاساً:

اس طریقہ سے کہ دوسرے حیوانات میں یہ امر مشاہدے ہے کہ ایک مذکر سیکڑوں مؤنث کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔
اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی یا برابر ہی ہوتی تو شہر کا ہر گلی کوچہ شب وروز زناکاری کا بازار ہوتا۔ بازار میں ہر مرد کا عورتوں کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے الا المتقین اگر عورت کی جانب سے بھی ایسا ہی میلان پایا جائے تو بدفعلی سے مانع کیا چیز ہوگی؟ خصوصاً جس حکومت میں بدفعلی جرم نہ ہو اور لڑکیوں کے والدین اور اقربین اسے نفرت کی نگاہوں سے نہ دیکھتے ہوں۔
قرآن کریم میں الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مأۃ جلدۃٍ۔ پر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زانیہ کی تقدیم اس کی دلیل ہے کہ اس میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔
مگر ان مفسرین کا یہ خیال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ خیال عقل ونقل اور تجربہ وقیاس سب

کے خلاف ہے۔

مزید براں مرد میں کثرت احتلام اور عورتوں میں اسکا وجود کالعدم ہونا بھی بین دلیل ہے کہ عورت میں شہوت کالعدم ہے، ان امور سے ثابت ہوا کہ مرد میں شہوت زیادہ ہے۔

بعض علماء کو ایک مسئلہ سے بھی مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ نظر الرجل الی المرأۃ کی بنسبت نظر المرأۃ الی الرجل، اخف ہے۔ جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت میں شہوت زیادہ ہے لہٰذا مرد کے دیکھنے سے اگر مرد میں بھی شہوت پیدا ہوگئی تو فتنہ زیادہ ہے۔ اسکے برعکس اگر عورت نے دیکھا تو چونکہ مرد میں شہوت کم ہے لہذا فتنہ کا کوئی احتمال نہیں۔

اس مسئلہ کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد کے مفتون ہونے کی صورت میں چونکہ اس کی کامیابی سہل ہے اس لئے کہ مرد کے پاس تحصیل مقصد کے ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ قلتِ حیاء، کثرتِ شہوت، قوتِ قلب اور مال وزر، قوتِ جسم اور آزادی سے آنا جانا یہ امور اس کے مقصد کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس عورت کی نظر مرد کی طرف اسقدر خطرناک نہیں، اس لئے کہ اولاً تو ان میں قلت شہوت کی بناء پر فتنہ کا احتمال نہیں اور ثانیاً شاذ و نادر یہ نظر موجب شہو ہو بھی جائے تو کثرت حیاء، قلب و جسم کا ضعف اور قالت مال، آمد و رفت کا تعسر، یہ ایسے امور ہیں کہ انکی...الخ۔ کی بناپر عورت اپنی بری خواہش کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچاسکتی۔

آیۂ کریمہ میں زانیہ تقدیم کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلتِ شہوت، کثرتِ حیاء، کثرتِ موانع اور قلتِ ذرائع کے ہوتے ہوئے عورت کا زنا میں مبتلا ہونا نہایت ہی قبیح ہے لہٰذا اس کی تقبیح اور تشنیع شان کی غرض سے اسے مقدم ذکر کیا۔

پس ثابت ہوا کہ مرد کی کثرت خواہش کا تقاضا یہ ہے کہ اس لئے متعدد بیویاں ہوں۔

نیز کثرتِ نساء و قلت رجال منقول ہونے کے ساتھ مشاہد بھی ہے اوّلاً تو عورت کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم، ثانیاً عالم گیر جنگوں میں مرد ہی تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر تعدد ازواج کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے تو عورتوں کی مکافات کے لئے اتنے مرد کہاں سے آئیں گے؟

اب رہا حصر فی الاربع کا مسئلہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ عورت چار مہینے تک نفسانی خواہش کو ضبط کر سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں مسئلہ ایلاء اور عدت متوفی عنہا زوجہا اس پر بین دلیل ہے۔ ایلاء میں چار ماہ سے زیادہ مدت تک مرد کا بیوی کے پاس نہ جانا چونکہ ظلم تھا اس لئے شریعت نے چار ماہ کے بعد عورت کو خیار دیدیا۔ اسی طرح

جاہلیت میں عدت وفات ایک سال تھی۔ شریعت نے اسے ظلم قرار دیتے ہوئے چار مہینے دس دن سے زائد مدت کو ساقط کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت کسی گلی میں سے گزر رہے تھے کان میں کسی عورت کی آواز پڑی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

فواللّٰہ لولا اللّٰہ تخشی عواقبہ
لزحزح من ھذا السریر جوانبہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس کا شوہر مدت طویلہ سے جہاد میں گیا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ سمجھدار عورتوں کی شوریٰ بلا کر یہ طے کرو کہ عورت کتنی مدت تک ضبط کر سکتی ہے چنانچہ متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ چار ماہ کی مدت تک عورت صبر کر سکتی ہے۔ بناء علیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قانون بنا دیا کہ اس مدت سے زیادہ کوئی شادی شدہ سپاہی جہاد میں نہ رہے۔

اسی کے پیش نظر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ چار مہینہ میں ایک دفعہ ہمبستری کرنا دیانۃً فرض ہے۔

اور مرد کے لئے مدت ضبط شرعاً منقول نہیں مگر کئی ایک معاملات میں مدت شہر کو کثیر شمار کیا جاتا ہے، جیسے کہ بیع سلم اور عند البعض اختلاف مطالع میں مدت شہر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ نیز ایک ماہ میں قمر اپنا دور کامل کر لیتا ہے جس کا انسانی خون پر اثر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی قوتِ برداشت کی انتہاء ایک مہینہ ہے اور عورت کی چار ماہ دونوں کے تناسب سے معلوم ہوا کہ ایک مرد کے لئے چار بیویاں کافی ہو سکتی ہیں۔

نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وطی سے مقصد توالد ہے اور موجب توالد وہ وطی ہوتی ہے جو حیض کے بعد ہو اور انقطاع حیض کے بعد مرد کے لئے شہوت صادق بھی ہوتی ہے، حیض عام طور پر تندرست عورت کو مہینے میں ایک دفعہ آتا ہے، اس بناء پر مرد ہر مہینے میں ایک وطی کا محتاج ہے، اور عورت ہر چار مہینے میں۔ تو ثابت ہوا کہ ایک زوج کے لئے چار بیویوں کی ضرورت ہے۔

❁❁❁❁❁

مسائل الجدیدۃ بمتعلق نکاح

ٹیلیفون پر نکاح کا حکم

نکاح میں چونکہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ دو گواہ مجلس نکاح میں حاضر ہوں اور ایجاب وقبول دونوں سنیں، اس لیے ٹیلیفون پر نکاح درست نہیں ہوتا، اگر دوسرے شہر یا ملک میں نکاح کرنا ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس شہر میں (یعنی جس میں لڑکی ہے) کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کردیں، وکیل اس کی طرف سے دوسرے فریق کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے، اسی طرح نکاح صحیح ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/ ۳۰٤)

وينعقد بإيجاب أحدهما وقبول من الآخر.

(الدر على هامش ردالمحتار :۳/۹)

وفيه أيضا قال: وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا. (ردالمحتار ۳/ ۲۱)

وقال العلامة المرغيناني رحمه الله: ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين. (شرح البدايه :۱/ ۳۰٦ مكتبه شركة علميه)

وامرأة وكلت رجلا بأن يزوجها من نفسه فقال الوكيل : اشهدوا أني قد تزوجت فلانة من نفسي إن لم يعرف الشهود فلأنه لايجوز النكاح مالم يذكر اسمها واسم أبيها وجدها وإن عرف الشهود فلأنه وعرفوا أنه أراد به تلك المرأة يجوز. (خلاصة الفتاوىٰ: ۲/ ۱٥ الفصل السادس في الشهود)

تحریری نکاح کا حکم

تحریر کے ذریعہ بھی نکاح ہوسکتا ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ طرفین میں سے ایک کی جانب سے نکاح کی قبولیت کا زبانی اظہار ہو اور صرف ایک ہی طرف سے تحریر ہو۔ نیز قبولیت کا اظہار دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، اور وہ تحریر بھی ان گواہوں کو سنادی جائے، مثلاً زید ہندہ کو لکھے،

کہ میں نے تم سے ایک تولہ سونا مہر پر نکاح کیا، ہندہ کے پاس جب یہ تحریر پہنچے تو وہ اول دو گواہوں کو طلب کر کے ان کو یہ تحریر سنادے اور پھران کے سامنے کہے کہ میں اسے قبول کرتی ہوں اب نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اگر ہندہ وہ تحریر پڑھ کر گواہوں کو نہ سنائے بلکہ صرف اپنی قبولیت کا اظہار ان کے سامنے کرے یا زبانی اظہار کے بجائے صرف تحریر لکھ دے، اور اسی پر گواہوں کے دستخط کرائے، یا گواہوں کے دستخط بھی نہ کرائے ان تمام صورتوں میں نکاح نہ ہو سکے گا۔

قال محمد رحمه الله: إذا كتب إليها ليخطبها فوصل الكتاب بعد ذلك فزوجت نفسها منه كان صحيحا، إلى قوله وإنما زوجت نفسها منه في مجلس بين يدي الشهود وقد سمع الشهود كلامها يجوز النكاح إلخ...

(خلاصة الفتاوى:الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب)

نکاح کے وقت ولدیت غلط بتانا

بعض لوگ دوسرے کی اولاد لڑکا یا لڑکی لیکر پرورش کرتے ہیں، اب کسی جگہ اپنے بچوں کی ولدیت بتانی پڑے تو اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں، نکاح کے وقت بھی یہ معاملہ پیش آتا ہے تو حکم یہ ہے کہ اپنی ولدیت ہمیشہ اپنے اصل والد کی بتانی چاہیے سوتیلے باپ کی طرف نسبت کرنا خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ لیکن نکاح کے وقت غلط ولدیت بتادی گئی مگر عورت یا اس کا وکیل جانتا تھا، کہ اس سے مراد کونسا مرد ہے، یا کونسی عورت ہے تو نکاح درست ہو جائے گا۔

قوله تعالى: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ﴾ (الأحزاب:٥)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم انه غير ابيه فالجنة عليه حرام.

(رواه البخاري ومسلم وأبوداؤد وابن ماجة، ترغيب وترهيب :٣/٧٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کی طرف نسبت کی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا باپ کوئی اور ہے اس پر جنت حرام ہے۔“

قال عبدالرشيد بخاري رحمه الله: لا يجوز النكاح مالم يذكر اسمها

واسم أبيها وجدها، وإن عرف الشهود فلانة وعرفوا أنه أراد به تلك المرأة يجوز.

(خلاصة الفتاویٰ الفصل السادس في الشهود: ۱۵/۲)

غلطی سے لڑکی کا نام بدل گیا

اگر نکاح کے وقت غلطی سے نام بدل گیا مثلاً زینب بنت بکر کا نام خالدہ بنت بکر کہہ دیا یا زینب بنت عمر کہا، یا زینب ابوبکر کہا وغیرہ اب اگر شادی کے گواہ لڑکی کو پہچانتے ہوں کہ فلانہ زینب بنت بکر ہی کا نکاح ہورہا ہے، یا وہ لڑکی مجلس نکاح میں خود موجود ہے اور اس کی طرف اشارہ کرکے نکاح پڑھایا اور گواہ بھی پہچان رہے ہیں کہ اسی لڑکی کا نکاح ہورہا ہے، تو نام غلط بتانے کے باوجود یہ نکاح منعقد ہوجائے گا، اور اگر لڑکی مجلس میں موجود نہ ہو اور نہ اس کی طرف اشارہ ہوا اور گواہوں کو متعین طور پر معلوم نہیں کہ فلانہ زینب بنت بکر ہی کا نکاح ہورہا ہے، ان سب صورتوں میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ دوبارہ ان شرائط کے ساتھ نکاح پڑھوانا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: غلط وكيل بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة، وأشار إليها فيصح (قوله إلا إذا كانت حاضرة إلخ) راجع إلى المسئلتين، أي فإنها لو كانت مشار إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها لايضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها، كما لو قال اقتديت بزيد هذا، فإذا هو عمرو فإنه يصح اهـ.

(ردالمحتار مطلب في عطف الخاص على العام: ۲٦/۳، مطبوعه سعيد)

گونگے کے نکاح کا طریقہ

گونگے کا نکاح اس طرح پڑھایا جائے گا کہ دو گواہوں کی موجودگی میں گونگے سے نکاح قبول کرنے کا ایسا اشارہ کروایا جائے گا جس سے ایجاب وقبول مفہوم ہو، اور سننے والوں کو اس کی مراد معلوم ہوجائے، یعنی اس سے تلفظ بھی کروایا جائے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: تحت (قوله وشرط سماع كل) وفي الفتح

ينعقد النكاح من الأخرس إذا كانت له إشارة معلومة.

(ردالمحتار ۲۱/۳، باب النكاح مطبوعه سعید)

جنیہ سے نکاح جائز نہیں

کسی انسان کے لیے جنیہ عورت سے نکاح کرنا شرعا جائز نہیں کیونکہ انسان کے لیے انسان خواتین سے ہی نکاح حلال ہے، کسی بھی غیر جنس چاہے جانور ہو یا جنات ہو یا خنثیٰ مشکل ہو یا کوئی پانی میں بسنے والے انسانوں میں سے ہوں ان سے نکاح حلال نہیں، لہٰذا بعض عملیات کے کام کرنے والے یا بعض آوارہ نوجوان یہ کہتے ہیں کہ فلاں جنیہ سے میری شادی ہوئی، اگر کسی جنیہ کو مسخر کر کے ایسا واقعہ کیا ہے تب بھی شرعا وہ نکاح معتبر نہیں، اس کو چھوڑ دینا لازم ہے نیز توبہ واستغفار بھی لازم ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: تنبه في الاشباه عن السراجية: لاتجوز المناكحة بين بني آدم والجن وإنسان الماء لاختلاف الجنس ا هـ. ومفاده المفاعلة أنه لايجوز للجنى أن يتزوج أنسية ايضا وهو مفاد التعليل أيضا.

(ردالمحتار وشرح البداية كتاب النكاح:۵/۳)

تجدید نکاح کب لازم ہے؟

بعض الفاظ کفریہ ہوتے ہیں کبھی قصدا اور کبھی لاعلمی میں، یا کبھی غصہ میں ایسے الفاظ منہ سے نکل جائیں، معنی ومطلب کے لحاظ سے علماء کے نزدیک اس کا قائل کافر ٹھہرے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کی قصدا توہین کی جس سے وہ شخص تحقیق حال کے بعد کافر ٹھہرا، یا کوئی اور ایسا مسئلہ پیش جس کی وجہ سے علماء محققین نے اس شخص کے کفر کا فتوی صادر فرمایا، ایسا شخص اگر اپنی نازیبا حرکت اور فعل سے توبہ کرے اور اسلام میں داخل ہو جائے تو اس پر لازم ہوگا کہ تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرے، اور جس مسئلہ میں اختلاف ہو کہ اس سے کفر صادر ہوا یا نہیں ہوا، وہاں احتیاطا تجدید ایمان وتجدید کا حکم کیا جاتا ہے۔

ماكان في كونه كفرا اختلاف، فإن قائله يؤمر عن ذلك بطريق الاحتياط، ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي ويومر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد

النکاح بینه وبین امرأته. (الفتاوی العالمگیریه: کتاب السیر الباب التاسع: ۲/۲۸۳)

تجدیدِ نکاح کا طریقہ

چونکہ شرعاً ہر نکاح میں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، اور مہر بھی لازم ہوتا ہے، اس لیے تجدید نکاح کے وقت یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ اگر شوہر کے پاس گنجائش ہے تو نئے مہر کے طور پر کچھ مقرر کرے یا گنجائش نہیں تو بیوی شوہر کو مہر کا کچھ حصہ ہدیہ کر دے، اور شوہر کو اس نیا نکاح کا وکیل بھی بنا دے، پھر شوہر دو گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ قبول کرے، الفاظ اس طرح استعمال کرے کہ فلانہ بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض میں اپنے نکاح میں لایا اور دونوں گواہ اس مجلس کو مجلس نکاح سمجھے اور نکاح کو حقیقت پر ہی محمول کرے۔ یعنی وہ دونوں گواہ یہ سمجھے کہ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان نیا نکاح ہو رہا ہے۔ صرف مذاق یا دل لگی نہ سمجھے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

غیر برادری میں نکاح

غیر برادری میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہے اس سلسلہ میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر پیش خدمت ہے جو احسن الفتاویٰ سے سوال وجواب دونوں نقل کیے جا رہے ہیں:

۱)...... ہماری برادری میں یہ قاعدہ ہے کہ شادی بیاہ اپنی ہی برادری میں کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری برادری علماء دیوبند کے عقائد رکھتی ہے، اور تمام رسوم مروجہ در شادی و غمی و بدعات سے مجتنب ہیں، شرعی صورت ولباس کو پسند کرتے ہیں دوسری جگہ شادی بیاہ کرنے میں خلط ملط ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، پھر شادی کرنے کے بعد پابندیاں گھر کے قواعد غیر ہوتے ہیں، اس لیے بڑی دشواری ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے؟ پھر اگر کوئی دوسری برادری میں شادی کر لیتا ہے تو اس کو ہم دوسری برادری ہی شمار کرتے ہیں، اپنی برادری سے خارج کر دیتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو جو چیز ہم قائم رکھنا چاہتے ہیں وہ باقی نہیں رہتی کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

۲)......اگر دوسری برادری میں شادی نہ کرنے کی وجوہ وہی ہوں جو سوال میں مذکور ہیں

تو ان کی بناء پر غیر برادری میں شادی نہ کرنے کی پابندی جائز بلکہ ضروری ہے، کیونکہ بدعات اور ناجائز رسوم کا پابند فاسق ہے، اور فاسق شخص نیک آدمی کا کفو نہیں، اور شریعت نے نکاح وشادی میں کفو کی پابندی کو مستحسن قرار دیا ہے، بدعات اور رسوم قبیحہ سے اجتناب فرض ہے اور مبتدعین وفساق سے تعلقات قائم کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر یہ گمان ہو کہ قومیت کے اختلاف کی وجہ سے امور خانہ داری کا اختلاف زوجین کی نااتفاقی اور آپس میں تنافر کا باعث ہوگا تو بھی قومیت کی پابندی جائز ہے، البتہ اگر غیر قوم میں شادی نہ کرنے کا باعث صرف فخر اور تکبر ہو تو یہ پابندی جائز نہ ہوگی، پس اس کا معیار یہ ہوگا کہ غیر قوم کا اگر کوئی مرد شریعت کا پورا پابند اور بدعات سے مجتنب ہو اور اس کے گھر کے قواعد وغیرہ بھی آپ کی قوم سے زیادہ مختلف نہ ہوں تو ان حالات میں ایسے شخص سے آپ رشتہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسے شخص سے بھی رشتہ کرنے کے لیے تیار نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد تدین نہیں بلکہ تکبر ونخوت اس کا باعث ہے، غرضیکہ ہر معاملہ میں شرعی حیثیت کو مدنظر رکھنا لازم ہے۔ فقط۔n

خطبۂ نکاح سننا واجب ہے

نکاح سے پہلے جو نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح تقریر سے پہلے جب خطبہ مسنونہ پڑھا جا رہا ہو اس دوران حاضرین کا آپس میں بات چیت کرنا جائز نہیں بلکہ خطبہ سننا واجب ہے، اس دوران بات چیت کرنے والے گناہگار ہوں گے توبہ لازم ہے:

قال في العلائية وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد، وفي الشامية (قوله ختم) أي ختم القرآن كقولهم الحمد لله رب العالمين حمد الصابرين إلخ ...

(ردالمحتار شروط وجوب الجمعة :۱۵۹/۲ سعید)

اس زمانہ میں لوگ اس میں بہت غفلت کرتے ہیں کوئی دولہا کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور کوئی تو شیرینی کی فکر میں ہے کوئی ملنے جلنے والوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مشغول ہے، اس لیے اس مسئلہ کی اشاعت کرنی چاہیے کہ نکاح کا خطبہ بھی غور سے سنے اس دوران خاموشی اختیار کرے۔

عورت اپنے والدین سے کتنے عرصہ بعد ملاقات کرے؟

بیوی کو اپنے والدین سے ہفتہ میں ایک بار اور دوسرے رشتہ داروں سے سال میں ایک

بار میں ملاقات کا حق ہے، دور اور نزدیک میں کوئی فرق نہیں، البتہ ملاقات کے لیے آمد ورفت کے مصاف شوہر کے ذمہ واجب نہیں، نیز بیوی کو صرف ملاقات کا حق ہے، باقی والدین کے گھر رہنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

اگر والدین خود ملاقات کرنے پر قادر ہوں تو بیوی کے جواز خروج میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے اس صورت میں شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں۔

(احسن الفتاویٰ : ۳۲/۵)

یہ تو ضابطہ کی بات ہے باقی میاں بیوی آپس کی رضامندی سے ایک دوسرے کی راحت وسہولت کو دیکھ کر عرف وعادت کے مطابق موقع محل کی مناسبت سے رشتہ داروں سے ملاقات کرلیا کریں، جیسے عیدین ہے، یا کوئی خوشی اور غمی کا موقع ہے، اس کو ایک قاعدہ اور ضابطہ میں بند کرنے میں دونوں کے لیے حرج ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

قال في العلائية: ولايمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدر على إتيانها على ما اختاره في الاختيار ولو أبوها زمنا مثلا فاحتاجها فعليها تعاهده، ولو كافرا وإن أبى الزوج فتح، ولا يمنعها من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم في كل سنة إلخ.

(ردالمحتار مطلب في الكلام على المؤنسة، باب النفقة: ۶۰۲/۳)

دو عیدوں کے درمیان نکاح بلاشبہ جائز ہے

بعض لوگوں میں یہ غلط بات چل پڑی ہے کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح جائز نہیں، یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ جمہور امت کے نزدیک دونوں عیدوں کے درمیان نکاح جائز ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شوال کے مہینے میں ہوا۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم في شوال، وبنىٰ بي في شوال، فأي نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أحظىٰ عنده مني، رواه مسلم.

(مشكوٰة باب اعلان النكاح والخطبة: ۲۷۱/۲)

بوقت ضرورت دوسری شادی واجب ہے

اگر پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا، یا طلاق ہوگئی اور نفس میں شادی کا تقاضہ موجود ہے، اور شادی پر قدرت حاصل ہے یعنی نان نفقہ برداشت کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں دوسرا نکاح کرنا واجب ہے، اور اس کے ترک سے گناہگار ہوگا۔

(ماخوذاز اصلاح انقلاب امت للتھانوی ۳۹/۲)

قال العلامة الحصكفي : ويكون أي النكاح واجب عندالتوقان فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهايه، وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه، بدائع ويكون سنة مؤكدة في الأصح.

(الدر على هامش ردالمحتار: ۶/۳)

نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے

جو شخص بیوی کے نان نفقہ کی طاقت رکھتا ہو، اور حالت اعتدال میں ہو، اس کے لیے نفلی عبادت میں مشغول رہنا شادی کو ترک کرنا افضل ہے؟ یا یہ کہ شادی کرنا افضل ہے؟ اس بارے میں فقہاء حنفیہ کی رائے یہی ہے کہ ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا نفلی عبادت میں مشغول رہنے سے افضل اور بہتر ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله : قالوا: إن الاشتغال به أي بالنكاح أفضل من التخلي لنوافل العبادات، أي الاشتغال به وما يشمل عليه من القيام بمصالحة ولعفاف النفس عن الحرام وتربية الولد ونحو ذلك.

(ردالمحتار : شرح بدايةالمبتدى كتاب النكاح ۳ سعيد)

کورٹ میرج (عدالتی نکاح)

اسلام میں شادی کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ والدین سرپرست حضرات رشتہ طے کریں، اور اعلانیہ طور پر شادی ہو والدین کی رضامندی سے ہو، اس کے برخلاف آج کے دور میں بہت سے لڑکے لڑکیاں، والدین کو بے خبر رکھ کر از خود نکاح کر لیتے ہیں، اس کے لیے عدالت کا سہارا لیتے ہیں کہ ہم نے کورٹ میرج (عدالتی نکاح) کیا، عدالتی نکاح کا حکم یہ ہے کہ اگر گواہوں کی

موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول کے الفاظ نہیں کہلوائے بلکہ صرف نکاح فارم پر کر کے دیدیا تب تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، صرف کاغذی کاروائی کے بعد اگر دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارے تو خالص زنا کے حکم میں ہوگا اور اولاد بھی حرام کی ہوگی۔ اور اگر باقاعدہ ایجاب وقبول ہوا تو اس میں تفصیل ہے اگر نکاح سے پہلے والدین، سرپرستوں کی رضا حاصل نہیں کی بلکہ اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا، شوافع حنابلہ وغیرہ کے ہاں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، ان کا مستدل یہ حدیث ہے:

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل. (مشكوة ٢/٢٧٠)

فقہاء احناف کے ہاں حکم یہ ہے کہ بالغہ لڑکی اگر والدین کی اجازت کے بغیر غیر کفؤ میں نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا، اور اگر کفؤ میں نکاح کرے، دیگر شرائط مکمل ہوں تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن شرعاً یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے اور عرف میں اس کو بے حیائی سمجھا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں کورٹ میرج عموماً غیر کفؤ میں شادی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، لہٰذا عام حکم احناف کے ہاں بھی یہی ہے کہ اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى: وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها. (هداية كتاب النكاح:٢/٣١٣)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان.

(الدرر المحتار على هامش ردالمحتار ٣/٥٦ سعيد)

بلاضرورت تعدد ازواج سے اجتناب

پہلے مسئلہ گزر چکا ہے کہ پہلی بیوی انتقال کر گئی یا طلاق ہوئی اب نفس میں تقاضہ موجود ہے شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں دوسری شادی کرنا واجب ہے، اگر پہلی بیوی موجود ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قوت ایسی عطا فرمائی کہ ایک بیوی سے گزارا نہیں ہو رہا ہے، اور دوسری شادی کی قوت موجود ہے نان ونفقہ رہائش ساری چیزوں کی قوت ہے، نیز دو بیوی میں عدل وانصاف قائم رکھنے کا بھی ظن غالب ہے، ایسی صورت میں دوسری بلکہ تیسری،

چوتھی شادی کرنا جائز ہے، اب دوسری شادی کے بعد عدل وانصاف قائم نہ رکھے تو گناہ ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس لیے اسلم یہی ہے کہ تعدد اختیار نہ کیا جائے، ایک ہی پر قناعت کی جائے اگر چہ ناپسند ہو۔

﴿فإن كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا﴾
(النساء: ۱۹)

اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک شی کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دی ہو۔

إلا اضطرارا استثنيته من قبل. (اصلاح انقلاب امت: ۲/۸۵)

یعنی عموماً دوسری شادی کے بعد دونوں برابری کرنا دشوار ہوتا ہے اور برابری نہ کرنا بڑا گناہ ہے اس لیے بلا ضرورت دوسری شادی سے اجتناب کرے۔

خنثیٰ کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں

انسان کی ایک خاص قسم اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہ ہونے کا بھی شبہ ہے، اور مردوں کے ساتھ مشابہ ہونے کا بھی شبہ ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو خنثیٰ کہتے ہیں، اس میں مرد ہونے کی علامتیں بھی پوری طرح موجود ہیں اور عورت ہونے کی علامتیں بھی، ایسی خنثیٰ کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں، مرد سے اس لیے نہیں ہوسکتا شاید وہ بھی مرد ہو اور شریعت میں ہم جنس سے نکاح حرام ہے، اور کسی عورت سے بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ بھی عورت ہو اسی طرح کسی اور خنثیٰ مشکل سے بھی نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے شاید دونوں مرد ہوں، یا دونوں عورت ہوں۔

(ماخوذ از اصلاح انقلاب امت: ۲/۷۵)

شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سنت ہے

نکاح کے موقع پر عموماً چھوہارے تقسیم کرتے ہیں اور فرداً فرداً ہاتھوں میں دیتے ہیں، اس بارے میں اصل سنت طریقہ یہ ہے کہ مجلس نکاح میں شرکاء میں چھوہارے تقسیم کرنے کی بجائے پھینک کر دیا جائے چھڑکا جائے۔

ذكر العلامة ظفر احمد عثماني رحمه الله: أن النبي صلى الله عليه

وسلم حضر في املاك (أي نكاح) فأتي بطباق عليها جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا أيدينا فقال: مالكم لا تأخذون فقالوا لأنك نهيت عن النهبى فقال مما نهيتكم عن نهبى العساكر خذوا على اسم الله فجازبنا وجاذيناه.

(أعلاء السنن ۱۲/۱۱ كتاب النكاح باب الوليمة)

وفي خير الفتاوىٰ: شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سنت ہے۔

(خير الفتاوىٰ ٤/٥٨٥، كتاب النكاح باب المتفرقات)

❀❀❀❀❀

منگنی کے متعلق مسائل

منگنی کی شرعی حیثیت

شرعاً منگنی کی حیثیت ایک وعدہ کی ہے، یعنی اگر منگنی کی مجلس میں باقاعدہ ایجاب وقبول نہ ہو بلکہ صرف رشتہ طے ہونے کے بعد آیندہ نکاح کا وعدہ ہو تو اس کی حیثیت وعدہ کی ہوئی، اب اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک کوئی معقول عذر پیش نہ آئے اس وعدے کو پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے، البتہ اگر کوئی معقول عذر پیش آئے تو منگنی توڑی بھی جاسکتی ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: تحت (قوله ان للوعد فوعد) لو قال :اعطيتنيها فقال: أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح.

(ردالمحتار :۱۱/۳، کتاب النکاح مطبوعه سعيد)

عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاثة إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف وإذا اوتمن خان.

(صحيح بخاري كتاب الإيمان باب علامة المنافق :/۱۰)

وقال في اللمعات شرح مشكاة من باب الوعد ، وقيل الخلف في الوعد بغير مانع حرام وهو المراد ههنا وكان الوفاء بالوعد مامورا به في الشرائع السابقة أيضا. (دیکھئے امداد المفتین ۵۸۲)

منگنی کی رسم اور دعوت

بعض علاقوں میں منگنی نے ایک مستقل رسم کی حیثیت اختیار کرلی اس میں دوطرف سے عزیز واقارب کے علاوہ ملنے جلنے والے اور اہل محلہ کی ایک بڑی تعداد کو بلائی جاتی ہے، اس موقع پر دعوت بھی ہونے لگی ہے بلکہ ولیمہ کی دعوت کی طرح دعوت ہوتی ہے پھر مزید یہ کہ بعض لوگ اس دعوت کو سنت بھی کہہ دیتے ہیں، تو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ منگنی کی حقیقت صرف اتنی ہے ، دونوں طرف کے چند ذمہ دار حضرات جمع ہوکر رشتہ طے کرلیں۔ مہر کا تعین نیز شادی اور رخصتی کا

وقت تاریخ وغیرہ متعین کرلیں۔اس موقع کی مناسبت سے ہلکی سی ضیافت ہو جائے، تو بھی کوئی حرج نہیں، اس کے لیے باقاعدہ دعوت کا اہتمام کرنا، اس کو سنت قرار دینا بالکل غلط ہے۔ بلکہ سنت سمجھ کر ایسا کرنا بدعت اور واجب الترک ہے۔ نیز جن علاقوں میں یہ رسم بن گئی ہے کہ لوگ اس میں شرکت کو لازمی قرار دیتے ہیں کسی کو دعوت نہ دیجائے تو وہ ناراض ہوتا ہے، ایسی صورت میں اس قبیح رسم کو ترک کرنا بھی لازم ہوگا۔ اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ایسے موقع پر سادگی سے کام لیا جائے تکلف سے اجتناب کیا جائے۔ تو دنیا و آخرت دونوں لحاظ سے خوشی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت مطہرہ کی مکمل پابندی کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

ملاحظہ ہو: فتاویٰ عثمانی ۲/۲۳۲ کتاب النکاح

ایک جگہ منگنی کے بعد دوسری جگہ نکاح

بعض جگہ دستور ہے کہ منگنی کے موقع پر باقاعدہ ایجاب وقبول ہو جاتا ہے، لڑکا اور لڑکی اگر نابالغ ہو تو والد یا دادا، چچا وغیرہ سے گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کروا لیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اس مجلس کا نام اگر چہ منگنی کی ہوتی ہے، تاہم جب نکاح کے قصد سے ایجاب وقبول ہو گیا تو نکاح منعقد ہو گیا، اب اس رشتہ کو توڑا نہیں جا سکتا، جب تک یہ نکاح برقرار ہے دوسری جگہ نکاح نہیں ہو سکتا، اگر دوسری جگہ نکاح کر دیا تو وہ نکاح باطل ہے، منعقد نہیں ہوگا۔

اگر منگنی کی مجلس میں گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول نہ ہوا تو یہ وعدہ نکاح اگر کوئی معقول عذر پیش آئے تو منگنی توڑ کر دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا۔

قال ابن عابدين رحمه الله: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: اعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح.

(ردالمحتار:۲/۲۸۷ كتاب النكاح)

منگنی کے موقع پر دی ہوئی اشیاء کی واپسی

منگنی کے موقع پر لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو کچھ سامان دیا گیا، مثلاً گھڑی، انگوٹھی، اور دیگر ساز وسامان وغیرہ یا کچھ کھانے پینے کا سامان، بعد میں لڑکی والوں نے رشتہ سے انکار کر دیا، تو ایسی صورت میں جو سامان موجود ہوں ان کو واپس لیا جا سکتا ہے، اور جو ہلاک ہو چکے

ہوں یا کھا پی لیا ان کی واپسی نہیں ہوسکتی نیز اگر لڑکی والوں نے انکار نہیں کیا بلکہ خود لڑکے والوں نے انکار کردیا تو کچھ بھی واپس نہیں لیا جاسکتا۔

خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فمابعث للمهر يسترد عينه قائما فقط وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكا، لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد وكذا يسترد ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك لأن فيه معنى الهدية. وفي الدر قوله ولم يزوجها أبوها مثله ما إذا أبت أن تتزوجه وكان كبيرة طحطاوي على الدر ٦٦/٢ باب المهر مطلب لو بعث إلى زوجته شيئا إلخ.

(ردالمحتار ۱۵۳/۳، طبع سعید کراچی)

خطبہ مسنونہ بوقت نکاح

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور أنفسنا ومن سيات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ٥﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتون إلا وأنتم مسلمون﴾(۳:۱۲۰)

﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذي تساء لون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا﴾(٤ـ١)

﴿يا أيها الذين آمنوا تقوا الله وقولوا قولا سديدا يصلح لكم أعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما﴾(۳۳،۷،۱۷)

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم عن النبي صلى الله عليه وسلم تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك. (متفق عليه)

وعن عبدالله بن عمر و رضي الله عنه وعنهم قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم إن أعظم الناح بركة أيسره مؤنة .(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

وعنها رضي الله تعالىٰ عنها قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم إن من أعظم النساء بركة أيسرهن صداقا. (رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ)

نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون عمل ہے۔اوراس موقع پر مذکوہ تینوں آیات کا پڑھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے،ان تینوں آیات میں تقویٰ

کا حکم دیا گیا ہے، نکاح کے موقع پر آیات تقویٰ پڑھنے کا کیا مطلب ہے اس میں حکمت اور مصلحت کیا ہے، امت کے لیے اس میں کیا سبق ہے؟ اس کی وضاحت اور تشریح خود کرنے کے بجائے میرے شیخ اور مربی حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک وعظ کا اقتباس نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جس میں اس موقع پر پڑھی جانے والی آیات اور احادیث کی تشریح کے ساتھ وعظ ونصیحت اور دردِ دل بھی شامل ہے، جو انشاء اللہ ہر لحاظ سے نافع ہوگا۔ (از ابن شائق عفا اللہ عنہ)

[حضرت اقدس نے ۲۳ رجب ۱۴۱۶ھ یوم السبت نمازِ عصر کے بعد اپنی پوتی کا نکاح پڑھایا، یہ تقریب بہت سادگی سے ہوئی، نکاح کے بعد حضرت اقدس نے زیر نظر مختصر مگر بہت جامع وعظ فرمایا۔ نکاح پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا:]

دنیا میں ایک غلط دستور چل پڑا ہے کہ لوگ عام مواقع کی بنسبت تین مواقع پر زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔ ایک شادی کے موقع پر، دوسرے ولادت کے موقع پر اور تیسرے کسی کے مرنے پر، حالانکہ یہ تین مواقع ایسے ہیں کہ ان میں انسان کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کی زیادہ سے زیادہ رعایت کرنا چاہیے اس لیے کہ پہلی دو چیزیں یعنی شادی اور ولادت تو بہت بڑی نعمتیں ہیں اور یہ ایک فطری اصول ہے کہ نعمت ملنے پر انسان کا دل اپنے منعم اور محسن کی طرف خود بخود کھنچتا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ کوئی کسی پر احسان کرے تو محسن کی محبت اور اس کی اطاعت پیدا کرنے کے لیے انسان کو کچھ توجہ کرنا ہی پڑتی اور دل کو کھینچ کر اس طرف نہیں لانا پڑتا بلکہ محسن کی طرف دل خود بخود کھنچتا ہے، بے اختیار کشش ہوتی ہے اور زبان پر شکر کے الفاظ آجاتے ہیں کہ شکریہ جناب بہت بہت شکریہ۔ انگریزی والے کہتے ہیں ''تھینک یو تھینک یو'' اور اللہ کے بندے کہتے ہیں ''جزاک اللہ جزاک اللہ'' حالانکہ دنیا میں کسی نے احسان کیا تو اس کا کوئی اتنا بڑا کمال نہیں ہے۔ جس پر احسان کر رہا ہے وہ خود مخلوق ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جس نے احسان کیا اس کا اپنا کچھ نہیں اس کو ساری دولت اور یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہی دیں پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کسی پر احسان کرنے کے لیے جو دل میں داعیہ پیدا ہوا، اور جذبہ ابھرا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، غرض سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ احسان کرنے والا تو محض پیالہ ہے ''خالی پیالہ'' اس کو بھرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حقیقت میں دینے والے

اللہ تعالیٰ ہیں یہ محسن دینے کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر گناہوں سے بچیں

ان تین مواقع میں مسلمان کو گناہ چھوڑ دینے چاہئیں مگر وہ ان تینوں مواقع میں کھل کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ شادی اور ولادت کے مواقع پر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ سب کو خوش کر دے کسی سے گلہ شکوئی نہ رہے چنانچہ رشتہ داروں میں، دوستوں میں کسی کو اس سے کچھ شکایت ہو رنجیدگی ہو تو اس کے پاس خود چل کر جاتا ہے اور خوشامد کر کے ان کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر اس کے کہنے سے وہ نہیں مانتے تو انہیں منوانے کے لیے دوسروں کو ساتھ لے جاتا ہے کہ آپ انہیں سمجھائیں اور آمادہ کریں کہ مہربانی کر کے ہماری شادی پر آ جائیں اور جو کچھ آپس میں کہا سنا ہے سب معاف کر دیں۔ شادی میں خوشامد کر کے سب کو جمع کر لیتے ہیں اور ہر قیمت پر انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ظلم دیکھئے کہ سب لوگوں کو جمع کرتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دیتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے ذرا ایک طرف ہو جائیں۔ اس وقت آپ کی بجائے ہم نے شیطان کو بلا لیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے دل میں شیطان کا خوف اللہ تعالیٰ کے خوف سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے شادی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لے کر شیطان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہی کہتا ہے کہ اس وقت تو اپنی تقریب میں ہم نے شیطان کو بلا لیا ہے اس لیے آپ ذرا تھوڑی دیر کے لیے ایک طرف کو ہو جائیں تا کہ ہم شیطان کو کھل کر راضی کر سکیں۔ اس کے بعد پھر مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے اور آپ کے سامنے جھک کر آپ کو راضی کر لیں گے لیکن ابھی تھوڑی دیر کے لیے ذرا آپ ایک طرف ہو جائیں۔ شیطان کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف کر دیا

خطبہ کی آیات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے خطبہ میں یہ تین آیتیں پڑھا کرتے تھے جو میں نے پڑھی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ نکاح کے لیے ان آیات کا انتخاب فرما کر امت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت سے بچنے کی ہدایات دی ہیں اور یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اس موقع پر لوگ اللہ تعالیٰ کی بغاوتیں اور نافرمانیاں بہت کرتے ہیں۔ پہلے سے بڑھ کر نافرمانیاں کرتے ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دھمکی دی ہے کہ خبردار! یہ نعمت میں نے دی ہے خوشی میں آ کر اتراؤ مت۔ میں چاہوں تو اپنی نعمت چھین بھی سکتا ہوں۔ شادی تو تم نے کر دی آگے میاں بیوی میں توافق پیدا کرنا میرا کام ہے میری قدرت میں ہے کہ اس کو نعمت بناؤں یا عذاب۔

میری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، جس نعمت پر تم اترا رہے ہو اتنی خوشیاں منا رہے ہو میں چاہوں تو اس نعمت کو عذاب میں بدل ڈالوں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے حق میں عذاب اور مصیبت بن جائیں۔ آپس میں دست وگریباں ہوں اور ایک دوسرے کو بجانا شروع کر دیں۔ یہ سب میری قدرت میں ہے۔ ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ شادی کرنے والوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ہوش میں آجاؤ ایسا نہ ہو کہ شامت اعمال سے یہ خوشیاں تمہارے لیے وبال بن جائیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جہاں جہاں انسان کے بھٹکنے کا احتمال ہوتا ہے، اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جائے اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی اسے بیدار کر دیتے ہیں بلکہ جھنجھوڑتے ہیں کہ میرے بندے بھٹک نہ جانا۔ یہ امتحان کا موقع ہے ہوشیار رہنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ وہ اگر خبردار نہ کریں اور انسان بھٹک جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا بگڑے گا؟ یہ بندوں پر ان کی رحمت اور مشفقت ہے۔ یوں تو انسان کو قائل کرنے اور اسے مجبور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے احسان بھی کافی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے عقل بھی دی ہے۔ عقل کے علاوہ شریعت بھی دی ہے۔ ڈرانے والے تو اللہ تعالیٰ نے بہت دیئے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ موقع بموقع بار بار متوجہ فرماتے رہتے ہیں کہ متوجہ ہو جاؤ غفلت سے باز آجاؤ۔ کتنی بڑی شقاوت قلب ہے کہ ان سب چیزوں کے باوجود یہ مسلمان پھر بھی بغاوت سے باز نہیں آتا پھر وہی ٹیڑھی چال گویا کہ اسے مرنا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے کبھی جانا ہی نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل شادیوں میں خرافات اور غلط کام بہت ہوتے ہیں۔

ایک سنگین غلطی:

ان میں سے ایک غلط کام یہ بھی ہے کہ شریعت کا حکم ہے کہ لڑکی سے اجازت لینے کے لیے ولی اقرب جائے یعنی لڑکی کے رشتہ داروں میں جو قریب سے قریب تر رشتہ دار ہے وہی لڑکی سے جا کر پوچھے کہ اس لڑکے سے تیرا نکاح کر رہے ہیں تجھے قبول ہے؟ اگر لڑکی کنواری ہو اور پوچھنے والا قریب تر رشتہ دار ہو تو پوچھنے پر لڑکی کے خاموش رہنے سے نکاح ہو جاتا ہے صراحۃً اجازت دینا ضروری نہیں، اگر لڑکی کنواری نہ ہو، پوچھنے والا قریب تر رشتہ دار نہ ہو تو لڑکی کا صراحۃً اجازت دینا

ضروری ہے خاموش رہنے سے نکاح نہ ہوگا، لڑکی کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ والد۔ والد جا کر پوچھے۔ کسی کا والد نہیں ہے تو والد کے بعد دادا کا نمبر ہے دادا جا کر پوچھے۔ والد بھی نہ ہو دادا بھی نہ ہو تو بھائی پوچھے۔ پھر بھائی کے بعد بھتیجے کا نمبر ہے۔ مسئلہ سن لیجئے کہ بھتیجے کا درجہ چچا سے بھی پہلے ہے بھائی بھتیجے اور بھتیجوں کی اولاد میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر چچا، ولی ہے۔ لڑکی کے اولیاء کی یہ ترتیب ہے اسکی رعایت ضروری ہے اگر والد کے ہوتے ہوئے بھائی نے پوچھ لیا یا چچا نے پوچھ لیا اور لڑکی خاموش رہی تو اس کا پوچھنا نہ پوچھنا برابر ہے ذرہ برابر بھی اسکا فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ تو ایسے ہی ہوگا کہ گویا لڑکی سے پوچھا ہی نہیں بغیر پوچھے نکاح کر رہے ہیں البتہ نکاح ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ سن کر کہیں اس شبہ میں نہ پڑ جائیں کہ سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا۔ نکاح ہو جائے گا دو وجہوں سے: ایک یہ کہ جیسے دستور ہو گیا لڑکی کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے جو بھی آئے اور جو کچھ پوچھے بہر حال اسے ابا نے ہی بھیجا ہوگا۔ جب اسے معلوم ہے کہ جو میرا اصلی ولی ہے یہ اسی کا بھیجا ہوا ہے اس نے پوچھا ہے تو نکاح ہو جائے گا۔

دوسری وجہ یہ کہ اگر اس کو اتنا علم بھی نہ ہو کہ والد نے بھیجا ہے یا خود آیا ہے۔ تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا بعد میں جب لڑکی رخصتی کے لیے تیار ہو گئی اور خوشی سے شوہر کے گھر رخصت ہو گئی تو گویا اس نے قبول کر لیا۔ اب نکاح نافذ ہو جائے گا۔

لڑکی سے اجازت کا مسنون طریقہ

مسنون طریقہ تو یہ ہے کہ پوچھنے کے لیے ولی اقرب جائے لیکن لوگوں میں دستور یہ ہے کہ باپ دادا بھائی کی بجائے ماموں کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ کسی غیر محرم کی بجائے ماموں کا ہی انتخاب کیا۔ اتنی عقل تو آ گئی کہ لڑکی کے پاس اس کے ماموں کو بھیج دیتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ ماموں کسی درجے میں لڑکی کا ولی نہیں اس کی بجائے چچا کو بھیجتے تو بھی ٹھیک تھا کہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں تو ولی ہے کہ والد، دادا اور بھائی بھتیجے نہ ہوں ان سب کے بعد آخر میں چچا ولی ہے اور وہ پوچھ سکتا ہے ماموں کا تو کوئی حق ہے ہی نہیں۔

بہنوئی کو اجازت کے لیے بھیجنا گناہ ہے

پھر اس سے بڑھ کر اور زیادہ جہالت، بے دینی اور پرلے درجہ کی بے حیائی کی بات یہ کہ بعض لوگ لڑکی کے بہنوئی کو پوچھنے کے لیے بھیجتے ہیں، یہ شریعت کے خلاف تو ہے ہی عقل اور

غیرت کے بھی خلاف ہے۔ انتہائی درجے کی بے حیائی ہے۔ بہنوئی تو ویسے ہی سالیوں پر جھپٹنے میں بہت مشہور ہیں، سالی کو بھی بیوی بنائے رکھتے ہیں؟ لڑکی سے نکاح کی اجازت کے لیے ایسے خطرناک رشتے کا انتخاب کتنی بڑی بے حیائی ہے اور لڑکی کے والدین کس قدر بے غیرت، بے حیا اور دیوث ہیں۔ ذرا سوچئے کیا انجام ہوگا اس قسم کی شادیوں کا؟ بے دینی کی نحوست سے عقل پر تو پردہ پڑ ہی گیا تھا شرم و حیاء بھی رخصت ہوگئی۔ کتنی بے حیاء قوم ہے۔ یہ سب گناہوں کی نحوست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے کرتے دل سے حیاء بھی نکل گئی۔

بے پردگی اور ڈاڑھی منڈانے کا گناہ

دنیا میں سب سے بڑی اور اول نمبر کی بے حیائی مردوں کا ڈاڑھی منڈانا کٹانا اور عورتوں کا بے پردہ پھرنا ہے۔ جب اتنی بڑی بے حیائی گوارا کر لی تو سالی سے اجازت لینے کے لیے بہنوئی کو بھیجنا کون سی بڑی بات ہے؟ وہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔

إذا فاتك الحياء فافعل ما شئت

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

حیاء ہی چھوڑ دی تو اب خواہ ننگے ناچتے رہو۔ بے حیائی سے روکنے والی چیز تو شریعت ہے یا پھر حیاء۔ جب دونوں سے آزاد ہو گئے شریعت کا لحاظ رہا نہ حیاء رہی تو اب ننگے ناچتے رہو۔ حیوانوں کی طرح دولتیاں مارتے رہو جو چاہو کرتے رہو۔ مسلمان نے ڈاڑھی پر پھاوڑا چلا کر حیاء کا اڈہ ہی اڑا دیا۔ کسی زمانے میں ہم سنا کرتے تھے کہ کسی سے کوئی غلیظ حرکت صادر ہوگئی بے حیائی کا ارتکاب ہوا تو لوگ فوراً کہتے ارے! تمہارے منہ پر ڈاڑھی ہے، ڈاڑھی رکھ کر ایسی غلط حرکتیں کرتے ہو؟ آج کل تو لوگ ایسے نہیں کہتے ہوں گے بلکہ یہ کہہ کر ٹوکتے ہوں گے کہ ارے! آلو جیسا تمہارا چہرہ ہے پھر ایسے غلط کام کرتے ہو؟ ایسے تو نہیں کہتے ہوں گے کہ تمہارے منہ پر ڈاڑھی ہے اور پھر بھی ایسے کام کرتے ہو۔ کوئی کہتا ہے ایسے؟ نہیں! شاید کوئی کوئی پرانے لوگ اب بھی کہتے ہوں ورنہ یہ کہنے کا اب دستور نہیں رہا۔ جب ڈاڑھی ہی نہیں رہی تو ایسے کون کہے گا؟ اب تو کسی کو ٹوکنے کے لیے کہنا چاہیے ارے! تمہارا چہرہ تو ہے زنانہ بالکل عورتوں جیسا پھر بھی ایسی حرکتیں کر رہے ہو؟ عورت تو کمزور سی مخلوق ہے تم عورت ہو کر یہ کام کر رہے ہو؟ عورتوں کو تو یہ کام زیب نہیں دیتے۔ ڈاڑھی منڈانے والے مردوں کو آج کل ایسے کہنا چاہیے۔ پہلے زمانے میں جب سب مسلمان ڈاڑھیاں رکھتے تھے تو اپنے اوپر اعتماد دلانے یا کسی کو ٹوکنے

کے لیے یوں کہتے تھے کہ میرے چہرے پر ڈاڑھی ہے یا تیرے منہ پر ڈاڑھی ہے پھر بھی ایسا کام؟ مطلب یہ ہے کہ ڈاڑھی تو حیاء کی علامت ہے اور بے حیائی سے روکتی ہے لیکن مسلمان نے حیاء کا اڈہ ہی اڑا دیا۔ اب جتنی چاہو بے حیائی کرتے رہو نہ کوئی ٹوکے گا نہ طعنہ دے گا۔

اسی طرح بے پردہ عورتوں نے چہرے سے پردہ اتار کر حیاء کا اڈا ہی اڑا دیا ہے، پھر اس سے بھی بڑھ کر حماقت اور بے حیائی و دیوثی یہ کہ نکاح کی اجازت لینے کے لیے بہنوئی کو سالی کے پاس بھیجا جا رہا ہے، وہ ویسے ہی سالی پر مر رہا ہے پھر لڑکی کا دیوث ابا اسے شادی جیسے محرک موضوع کے سلسلہ میں سالی کے پاس بھیج کر اس کی خباثت کو مزید شہ دے رہا ہے درحقیقت پردہ عورتوں کے چہروں سے اتر کر مردوں کی عقلوں پر پڑ گیا ہے۔ بہنوئی کو اجازت کے لیے بھیجنا بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

ایسی بے حیائی جس کا کوئی غیرت مند انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بات صرف شریعت ہی کے نہیں غیرت کے بھی خلاف ہے بڑی بے دینی اور انتہائی بے حیائی کی بات ہے اور بہت بڑی دیوثی ہے۔

اللہ کے بندوں سے محبت

بحمد اللہ تعالیٰ مجھے اللہ کے بندوں سے محبت ہے ان سے ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ جذبہ ڈال دیا ہے کہ یہ میرے بندے ہیں مجھے اپنے بندوں سے محبت ہے تم بھی ان سے محبت کرو۔ محبت کا مطلب کیا ہے کہ ان کو نقصان سے بچاؤ اور ان سے وہ سلوک کرو جن سے ان کو فائدہ پہنچے۔ دیکھیے چھوٹا بچہ اگر بیمار پڑ جائے تکلیف میں مبتلا ہو تو والدین اسے کڑوی دوائیں پلاتے ہیں انجکشن لگواتے ہیں بلکہ مرض بگڑ جائے تو آپریشن کروانے سے بھی دریغ نہیں کرتے حالانکہ والدین سے بڑھ کر بچہ کسی کو پیارا نہیں ہوتا مگر وہ بچے کی جان بچانے کے لیے اس کے فائدے کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ اسی طرح بچے کا جسم میلا ہونے لگتا ہے تو رگڑ رگڑ کر نہلاتے ہیں صابن لگاتے ہیں ملتے ہیں۔ اس دوران بچہ چیختا چلاتا ہے مگر والدین ذرہ برابر اس کی پرواہ نہیں کرتے اس کی چیخیں سن سن کر رگڑائی نہیں چھوڑتے صرف یہ کہتے جائیں گے کہ بیٹا کوئی بات نہیں بس تھوڑی دیر میں پاک صاف ہو جاؤ گے۔ میں بھی لوگوں سے گناہ چھڑوانے کے لیے ان کی رگڑائی کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے بندوں سے جو محبت اور ہمدردی کا جذبہ ہے وہ چھوڑنے ہی نہیں دیتا۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے نہیں کہ میرے بندے تیرے پاس آتے

تھے تو نے ان کے ساتھ محبت کا سلوک کیوں نہیں کیا؟ یقیناً پوچھیں گے اور ہر اس شخص سے پوچھیں گے جس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے گناہ چھڑوا کر انہیں جہنم سے بچانے کی کوشش نہ کی۔

پیر و مرشد کا کام

اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ایک نہلانے دھلانے والے کے پاس بھیج دیا اس نے نہلا دھلا کر صاف کر دیا۔ یہ میرا معمول ہے کہ کسی کو گناہوں سے میلا اور آلودہ دیکھتا ہوں تو ذرا صفائی کر دیتا ہوں۔ عقل مند لوگ تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ احمق لوگ شاید گھبرا جاتے ہوں گے کہ کہاں پھنس گئے۔ مگر معالج کبھی مریض کی رائے نہیں لیتا وہ اپنا کام کرتا ہے۔ مریض کی چیخوں پر کان نہیں دھرتا بلکہ اپنا کام کر کے رہتا ہے نادان مریض چیختا چلاتا ہے ڈاکٹر کو برا بھلا کہتا ہے لیکن عقلمند اور دانا مریض ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ انجکشن کی تکلیف بھی برداشت کر لیتا ہے ڈاکٹر کو پیسے بھی دیتا ہے اور ساتھ ساتھ اس کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔ یہی حالت روحانی مریض اور روحانی معالج کی ہوتی ہے مریض میں عقل ہو تو انجکشن لگنے کے بعد روحانی معالج کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپ نے میری اصلاح کر دی، مجھے صحیح راہ پر لگا دیا ورنہ میں بھٹک جاتا۔ جہنم میں چلا جاتا لیکن جس مریض میں عقل نہیں وہ معالج کی شکایت کرتا ہے، عقل کس میں نہیں ہوتی؟ جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور باغی ہو۔ گناہوں کا وبال سب سے پہلے عقل پر پڑتا ہے۔ گناہوں کی کثرت سے انسان کی عقل مسخ ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص سے جتنی خیر خواہی کی جائے جس قدر اصلاح کی جائے وہ یہی کہے گا کہ یہ مجھ پر ظلم کر رہا ہے۔ مگر ایسی باتوں سے ہماری محبت ختم نہیں ہوتی، خیر خواہی کا جذبہ سرد نہیں پڑتا۔ عقل مند سے ویسے ہی محبت ہوتی ہے کہ وہ تو ہے ہی محبت کے لائق مگر کم عقل یا بے وقوف سے بھی عداوت نہیں بلکہ ایسا شخص زیادہ توجہ کا مستحق ہے۔ اس کی حالت زیادہ قابل رحم ہے۔ اس لیے دونوں کی اصلاح کی جاتی ہے دونوں کا حق ہے اور حق محبت ادا کرنا ضروری ہے۔

خطبہ میں جو تین آیتیں اور چار حدیثیں پڑھی گئی ہیں ان سے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں مگر پہلے تو یہ مسئلہ سمجھ لیا جائے کہ نکاح کے لیے خطبہ پڑھنا کوئی شرط لازم نہیں جیسے جمعہ سے پہلے خطبہ شرط ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ایسے نکاح کے لیے خطبہ لازم نہیں لیکن پھر بھی کیوں پڑھا جاتا ہے؟

خطبۂ نکاح کی حکمت و مصلحت

اسکی مصلحت سمجھ لیں سمجھ میں آ جائے تو مسلمانوں کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں مگر لوگوں نے اس خطبہ کو بھی رسم کی شکل دے دی ہے۔ اس کی مصلحت نہ کوئی سوچتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ نکاح خواں خطبہ پڑھ کر سنا دیتا ہے سننے والے سن کر اٹھ کر جاتے ہیں مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس خطبہ کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اگر کوئی کہے کہ ہاں ہمیں حکمت معلوم ہے وہ یہ کہ خطبہ اگرچہ ضروری نہیں اس کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے مگر اس کے پڑھنے سے برکت ہوگی، برکت کے لیے پڑھتے ہیں،۔ لیکن ذرا سوچئے کہ برکت تو جب ہو کہ خطبہ میں جو کچھ پڑھا گیا ہے اس کے مطابق عمل بھی ہو ذرا اس بات کو سوچئے اور بار بار سوچئے کہ مجلس نکاح میں بیٹھے تمام شرکاء اور خاص طور سے نکاح کرنے والے فریقین کو قرآن کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں احادیث سنائی جا رہی ہیں مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین سننے کے بعد سمجھنے کے بعد گھر پہنچتے ہی انہیں توڑنا شروع کر دیں ایک ایک حکم کو توڑتے چلے جائیں تو محض سننے سے کیا حاصل ہوگا؟ برکت ہوگی یا عذاب نازل ہوگا؟ نکاح سے پہلے خطبہ کا مقصد ہی بندوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے باخبر کرنا ہے۔

شادی مبارک کہنے کی رسم

غالباً شادی کی تقریب پر بلانے کے لئے جو کارڈ چھاپے جاتے ہیں ان پر ''شادی مبارک'' لکھا ہوتا ہے میں نے ''غالباً'' اس لیے کہا کہ بحمد اللہ تعالیٰ میں ایسی خرافات سے بہت دور ہوں، اس لیے مجھے پوری تحقیق نہیں، بہت عرصہ ہوا کسی شادی کارڈ پر نظر پڑ گئی تھی غالباً اس پر ''شادی مبارک'' لکھا ہوا تھا۔

پھر نکاح کے بعد اسی مجلس میں ہر طرف سے ''شادی مبارک''، ''شادی مبارک'' کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے، پھر وہاں سے اٹھنے کے بعد کئی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، بچے کی ولادت پر بھی یونہی ہوتا ہے جو بھی سنتا ہے مبارک باد دیتا ہے ہر طرف مبارک مبارک کی آوازیں گونجنے لگتی ہیں، اسی طرح عید مبارک، نیا مکان مبارک، نئی دکان مبارک، نئی تجارت مبارک، وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر خوشی کے موقع پر مبارک دینے لینے کا عام دستور ہے مگر یہ کوئی بھی نہیں سوچتا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ جملہ رات دن بولا اور سنا جا رہا ہے لیکن اس کا مطلب

سمجھنے سے اتنی غفلت کہ اس پر جتنا تعجب کیا جائے کم ہے۔

''شادی مبارک'' کہنے کا مطلب

اس کا مطلب غور سے سنئے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔ ''مبارک باد'' دعا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نعمت اور خوشی پر یہ دعا دی جارہی ہے اس نعمت سے جو مقصد ہے اس سے فائدہ تام ہو اور اس میں دوام ہو یعنی فائدہ زیادہ سے زیادہ ہو اور یہ فائدہ ہمیشہ رہے بلکہ اس میں روز بروز ترقی ہوتی رہے، مثلاً ''شادی مبارک'' کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے دنیا و آخرت میں راحت و سکون کا ذریعہ بنیں، اور صالح اولاد پیدا ہو جو والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔

دعا کی حقیقت

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے دعا مانگ رہے ہیں دل میں بھی اس کی سچی طلب ہو، اگر دل میں طلب نہیں صرف اوپر اوپر سے زبان سے مانگ رہے ہیں تو یہ دعا نہیں بلکہ خود فریبی ہے یا اللہ تعالیٰ کو فریب دے رہے ہیں دل میں طلب ہے ہی نہیں اور زبان سے مانگ رہے ہیں، یہ نفاق ہے ایسی دعا قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ درحقیقت یہ دعا ہے ہی نہیں۔

دل سے طلب کی علامت

دعا مانگنے والے کے دل میں بھی طلب ہے یا نہیں؟ اس کی علامت یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے دعائیں کر رہا ہے اس مقصد کے لیے حسب استطاعت کوشش بھی کرے، کوشش کے بغیر دعائیں کرنا کروانا اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں طلب نہیں، اس لیے ایسی دعا مانگنے والے کو ہر شخص احمق کہے گا، مثلاً کوئی پیاسا پانی کے پاس بیٹھا ہے اور وہ ہاتھ بڑھا کر پانی پینے کی بجائے خوب گڑگڑا کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگ رہا ہے کہ یا اللہ! پیاس لگی ہے میری پیاس بجھا دے، کیا اس کی دعا قبول ہو جائے گی اور پیاس بجھ جائے گی؟ کیا اس سے بڑھ کر کوئی احمق ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر شادی کرتا نہیں اور اولاد پیدا ہونے کے لیے وظائف پڑھ رہا ہے، دعائیں کر رہا ہے، کروا رہا ہے تو کیا اس کے اپنے پیٹ سے بچہ نکل آئے گا؟ ایسے ہی اگر کوئی رزق کے لیے وظائف اور دعائیں تو بہت کرتا کرواتا ہے مگر کمانے کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کرتا تو کیا اسے پرلے درجہ کا احمق نہیں کہا جائے گا؟ غرض یہ کہ دل سے طلب کرنے کی دلیل یہ ہے کہ

دعا کے ساتھ کوشش بھی کرے۔

مقصد میں کامیابی کی شرطِ اولین

کسی بھی مقصد کے لیے جتنی بھی کوششیں کی جا سکتی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم بلکہ بنیادی کوشش یہ ہے کہ اس مقصد کا پورا کرنا جس کے اختیار میں ہے اسے راضی کیا جائے، اور یہ حقیقت تو دنیا کا احمق سے احمق بھی بخوبی جانتا ہے کہ کسی کو بھی اس کی مخالفت چھوڑے بغیر ہرگز راضی نہیں کیا جا سکتا۔

اب ان سب مقدمات کو ملا کر غور کیجئے کہ دنیا کا ہر مقصد اور ہر ہر چیز، خیر و شر، راحت و عذاب، سکون و پریشانی سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے جس میں کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں اور یہ عقیدہ ایسا مستحکم ہے کہ ایمان کی بنیاد ہے اس میں کسی کو ذرا سا بھی کوئی شبہ ہوا تو ایمان رخصت۔

پھر اس پر غور کیجئے کہ جب سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے تو اسے راضی کیے بغیر اس کے خزانے کیسے لے سکتے ہیں؟

پھر یہ سوچئے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور نافرمانی نہیں چھوڑیں گے وہ راضی نہیں ہوگا اس لیے اس سے کچھ بھی نہیں لیا جا سکے گا، اگر اس نے کچھ دے بھی دیا تو عذاب بنا کر دے گا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نافرمانیاں چھوڑے بغیر صرف وظیفوں اور دعاؤں کے زور سے اس سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں، معاذ اللہ! ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کو مخالفت اور بغاوت کا علم ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فیصلہ سنا دیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں تو رسوا کریں گے ہی دنیا میں بھی رسوا کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔

حاصل یہ کہ دنیا و آخرت کی ہر پریشانی سے بچنے کا واحد نسخہ اکسیر صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور ہر قسم کی نافرمانی سے توبہ کر کے اسے راضی کیجئے، وعظ ''ہر پریشانی کا علاج'' میں اس کا مفصل بیان ہے۔

آپ نے خطبہ میں قرآن مجید کی تین آیات سنیں جن میں اللہ تعالیٰ کے احکام کھول کھول کر سنائے جا رہے ہیں۔ ان کے بعد جو چار حدیثیں پڑھی گئی ہیں ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے

قوانین ہی بتائے گئے ہیں۔ نکاح کے خطبہ میں ان تینوں آیتوں کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خطبۂ نکاح میں پڑھنا اگر چہ ثابت نہیں لیکن ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیثیں انہیں اس موقع پر اس لیے پڑھ دیتا ہوں کہ ان میں بھی نکاح کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ اگر ایک ایک آیت اور ہر حدیث کی تشریح کی جائے تو وقت بہت زیادہ چاہئے اس لیے الگ الگ تشریح کی بجائے مختصر بتاتا ہوں۔

نعمت کی بجائے زحمت

تینوں آیتوں کا حاصل ایک ہی ہے وہ یہ کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہنم کی آگ سے ڈرو اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ تینوں میں یہی مضمون ہے اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو نعمتیں بنادیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں چھوڑی، اس کی بغاوت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اس نے دنیا میں جو نعمتیں دے رکھی ہیں وہ ان نعمتوں کو نعمتیں نہیں رہنے دیتے بلکہ انہیں عذاب بنادیتے ہیں نعمتیں عذاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور وبال بن جاتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے شادی کی نعمت دی وہ اس نعمت کو زحمت میں بدل سکتا ہے۔ وہ چاہے تو گھوڑے کو نیچے سے نکال کر اوپر چڑھادے۔ اس قسم کی شادیوں کا جس میں دل کھول کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے انجام تو سب کو معلوم ہے۔ بیگم تھوڑے دنوں بعد جب سر پر جوتے برسانا شروع کرتی ہے تو اس کی خوشامدیں کرتے ہیں ارے بیگم معاف کردے، ارے بیگم معاف کردے۔ جب وہ معاف نہیں کرتی بلکہ اور زیادہ بجاتی ہے تو تعویذ گنڈوں کا سہارا لیتے ہیں۔ کبھی ایک پیر کے پاس جاتے ہیں کبھی دوسرے کے پاس اور کبھی قبروں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ کسی نے بتادی کہ ٹھٹھہ میں فلاں بزرگ کی قبر ہے وہاں جائیں تو شاید یہ مصیبت ٹل جائے۔ بھاگے جا رہے ہیں قبر کی طرف۔ کبھی ادھر کبھی ادھر سرگردان ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کدھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑ کر صحیح صحیح بندے بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

آج کا مسلمان

ایک شخص ہٹا کٹا بازار میں بیٹھا کہہ رہا تھا یا اللہ! گھوڑا دے دے۔ یا اللہ! گھوڑا دے دے، یا اللہ گھوڑا دے دے نہ جانے کتنی دیر سے بیٹھا یہی رٹ لگا رہا تھا یا اللہ! گھوڑا دے دے۔ ادھر سے کسی سپاہی کا گزر ہوا۔ اس کی گھوڑی بیائی اس نے بچہ دیا سپاہی کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اس بچھیرے کو اصطبل تک کون پہنچائے؟ وہ سپاہی ادھر ادھر دیکھنے لگا اس پر نظر پڑ گئی۔ یہ ہٹا کٹا جوان فارغ اور نکما بیٹھا ہوا ہے دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! گھوڑا دے دے یا اللہ! گھوڑا دے دے۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر ایک چابک رسید کیا اور کہا کہ اٹھا یہ بچھیرا اسے اصطبل پہنچاؤ۔ اس نے جلدی سے اٹھا لیا۔ بچھیرے کو سر پر اٹھائے لیے جا رہا ہے اور ساتھ ساتھ کہتا جا رہا ہے یا اللہ! تو دعا سنتا تو ہے سمجھتا نہیں۔ سن لیتا ہے مگر سمجھتا نہیں میں نے گھوڑا مانگا تھا نیچے کے لیے تو نے اوپر چڑھا دیا۔ بتائیے ایسی گستاخی کے بعد یہ کافر ہوا یا نہیں؟ جس کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اللہ سنتا تو ہے سمجھتا نہیں ایسا شخص مسلمان کہاں رہا؟ آپ آج کے مسلمانوں کے حالات غور سے دیکھیں تو بالکل اس جیسے بلکہ اس سے بھی بدتر پائیں گے۔ حالات کا ذرا اندازہ لگائیے۔ مدتوں دعائیں کرتے رہتے ہیں کرواتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں نہیں چھوڑتے۔ جس ذات سے مانگ رہے ہیں ساتھ ساتھ اسے ناراض بھی کیے جا رہے ہیں اس کی نافرمانی سے باز نہیں آتے ایسے لوگوں کی دعا قبول ہوگی؟ اگر اللہ تعالیٰ نے گھوڑا دے بھی دیا تو وہ نیچے کے لیے نہیں دے گا بلکہ گھوڑا اوپر چڑھا دے گا اور چند ہی دنوں کے بعد پتہ چل جائے گا کہ جس کو نعمت سمجھ رہے تھے اور نعمت نعمت کی رٹ لگا رہے تھے وہ نعمت ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی وجہ سے اس نعمت کو عذاب بنا دیا ہے۔ زیادہ دیر نہیں لگتی بس چند دن گزرنے پر ہی پتا چل جاتا ہے، خطبہ میں پڑھی گئی تینوں آیات پر غور کریں تو ان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نکاح اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے میاں بیوی کے حق میں اور دونوں خاندانوں کے حق میں بھی، اس سے مسلمان کی دنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت بھی۔ اس سے دونوں خاندانوں میں محبت بڑھتی ہے میل جول پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے تعاون کا جذبہ ابھرتا ہے۔ لیکن کان کھول کر سن لیں کہ یہ نعمت جب ہی نعمت رہے گی کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑ دیں اس کی بغاوت سے باز آ جائیں۔ اگر نافرمانیاں نہیں چھوڑیں تو وہ گھوڑا نیچے کی بجائے اوپر چڑھا دے گا، پھر دیکھئے کیا بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ حقیقت سمجھنے، ہر قسم کے

گناہوں سے بچنے کی اور قلباً، قولاً اور عملاً اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ بات تو مختصر سی تینوں آیات سے متعلق بتادی۔

احادیث کی تشریح:

آیتوں کے بعد چار حدیثیں بھی پڑھی تھیں پہلی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ لوگ جب شادی کا ارادہ کرتے ہیں تو رشتے کا انتخاب کرتے وقت مختلف چیزیں مدنظر رکھتے ہیں، بعض مال کو، بعض حسب ونسب کو اور بعض حسن و جمال کو دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مال کا ذکر فرمایا کہ بہت سے لوگ لڑکی کے انتخاب میں مال کو سامنے رکھتے ہیں کہ لڑکی کا خاندان مالدار ہونا چاہیے ان کے پاس مال ہو خواہ اور کچھ بھی نہ ہو۔ نہ صورت نہ سیرت، بس مال پر مرے جارہے ہیں، رشتہ کرتے وقت اکثر لوگ مال کو دیکھتے ہیں اور بہت سے لوگ حسب کو دیکھتے ہیں کہ اونچا خاندان ہو کوئی بڑا منصب ہو اور کئی لوگ حسن و جمال کو دیکھتے ہیں کہ لڑکی کا رنگ روپ اور اس کی شکل وصورت اچھی ہو۔ سیرت خواہ کیسی ہی بری ہو۔ کچھ لوگ دین کو دیکھتے ہیں کہ لڑکی دیندار ہونی چاہیے خواہ مال یا دوسری چیزیں ہوں یا نہ ہوں لیکن دین ہو۔ فرمایا کہ دیندار رشتے کا انتخاب کرو اس سے تمہاری شادیوں میں برکت ہوگی اور دنیا و آخرت میں امن وسکون نصیب ہوگا۔

سکون اللہ تعالیٰ نے صرف دین میں رکھا ہے باقی چیزوں میں کچھ نہیں۔ اس لیے تم لوگ جہاں کہیں رشتے کرو دین کی بنیاد پر کرو۔ یہی ایک چیز کافی ہے باقی تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز ہو یا نہ ہو اسے مت دیکھو۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ یہ پوری دنیا عارضی سامان ہے:

گزر گئی گذران کیا جھونپڑی کیا میدان

یہ تو گزرنے والی چیز ہے بلکہ خود گزرگاہ اور مسافر خانہ ہے ایک عارضی اور وقتی چیز ہے لیکن ان عارضی نعمتوں میں بھی سب سے بڑی نعمت نیک بیوی ہے، اسی پر یہ بھی قیاس کرلیں کہ بیوی کے لیے دنیا میں سب سے بڑی نعمت نیک شوہر ہے۔

فرمایا دنیا ساری کی ساری عارضی ہے اس کی نعمتیں بھی سب عارضی جلد فنا ہونے والی ہیں، لیکن ان فانی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت نیک بیوی (اور نیک شوہر) ہے یہ ایک نعمت دنیا کی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے اس سے دنیا و آخرت دونوں کا سکون اور چین حاصل

ہوتا ہے۔

بابرکت شادی

تیسری حدیث کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جتنے نکاح ہوتے ہیں تمام نکاحوں میں سب سے بابرکت نکاح وہ ہوتا ہے جس میں تکلفات کم سے کم ہوں۔ یہاں ایک بات سوچیں کہ کسی کام سے اچھے نتائج پیدا کرنا یا برے نتائج پیدا کرنا کس کے قبضے میں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نا؟ تو جس کے قبضے میں سب کچھ ہے وہ بتا رہا ہے کہ ایسے ایسے کروگے تو نتائج بہتر رہیں گے اور ایسے ایسے کروگے تو نتائج بد سے بدتر اور خراب سے خراب تر ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ فیصلہ تو اسی کا معتبر ہے جس کے قبضے میں سب کچھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑھ کر بابرکت نکاح وہ ہے جس میں تکلفات کم ہوں۔

چوتھی حدیث میں فرمایا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ برکت والی عورت وہ ہے جس کا مہر کم ہو۔ جتنا مہر کم ہوگا اتنی ہی وہ عورت برکت والی ہوگی۔ برکت کا مطلب پہلے ''شادی مبارک'' کی تشریح میں بتا چکا ہوں۔ (ماخوذ از وعظ: ''شادی مبارک'')

شادی کے موقع پر لڑکے سے رقم وصول کرنا حرام ہے

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی والے دولہا سے رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور ایک معتد بہ رقم لیکر لڑکی کا رشتہ کرتے ہیں: حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ رقم بطور قرض لیا جاتا ہے تو حسب ضرورت طرفین کی رضامندی سے قرض کا لین دین درست ہے۔ مگر اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ شادی کے دباؤ اور اثر سے نہ ہو، اگر یہ قرض نہیں بلکہ شادی ہی کی وجہ سے لیا جاتا ہے تو یہ رشوت ہے اور حرام ہے، اس کی واپسی ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: لو أخذ أهل المرأة عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة وقال ابن عابدين رحمه الله تحت (قوله عندالتسليم) أي بأن أبىٰ أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا و كذا لو أبىٰ أن يزوجها فللزوج أن يسترده قائما أو هالكا لأنه رشوة بزازية.

(فتاویٰ محمودیہ: جہیز کا بیان)

(ردالمحتار: ۳/۱۵۶، مطلب انفق علی معتدة الغير باب المهر)

بارات کا حکم

بارات کا مقصد مجلسِ عقدِ نکاح میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا ہے فی نفسہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے اس لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے ایسا کرنا درست ہے، البتہ اس کا بہت زیادہ اہتمام کرنا، ریا ونمود اور فخر وغرور میں مبتلا ہونا ضرورت سے زیادہ بڑا اجتماع بلانے کی کوشش کرنا اسراف سے کام لینا یہ سارے امور خلاف شرع ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

وفي حديث أنس رضي الله عنه خطبها علي بعد ان خطبها ابوبكر ثم عمر قال انس رضي الله عنه ثم دعا ني عليه الصلاة والسلام بعد ايام فقال ادع لي أبا بكر وعمر وعثمان وعبدالرحمن بن عوف وعده من الأنصار جماعة بينهم فلما اجتمعوا وأخذوا مجالسهم إلخ.

(شرح الزرقاني مع مواهب اللدنيه: ۳۷۲/۲ ذكر تزويج علي فاطمة رضي الله عنها مطبوعة دارالمعرفة بيروت)

❁❁❁❁❁

باب ولایۃ النکاح

بچپن میں نکاح سے خیارِ بلوغ کی تفصیل

نابالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کرے یعنی ایجاب یا قبول کرے تو یہ شرعاً معتبر نہیں اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ البتہ اولیا باپ دادا وغیرہ کوئی نکاح پڑھائے پھر بالغ ہونے کے بعد اس لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا یا نہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ باپ یا دادا نے اگر نابالغ لڑکی کا نکاح پڑھادیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اگر یہ نکاح ناپسند ہو تو اس کو فسخ نہیں کرسکتی، نکاح ختم ہونے کی صورت شوہر کی طرف سے طلاق یا میاں بیوی میں سے کسی کی موت ہے، یعنی باپ دادا کے منعقد کردہ نکاح کو فسخ نہیں کرسکتی اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کرایا، مثلاً باپ کے وکیل نے، یا ماں نے یا چچا وغیرہ نے ان صورتوں میں اگرچہ نکاح کفو میں مہر متعین کر کے کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ لڑکی کو بالغ ہونے کے ساتھ ہی خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفؤ إن كان الولي المزوج بنفسه بغبن أبا أو جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار، وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب لا يصح من غير كفؤ أو بغبن فاحش أصلا وإن كان من كفؤ وبمهر المثل صح ولهما خيار الفسخ. (الدر المختار باختصار مع الشامي ۳/۶۶،۶۹ مطبوعہ سعید)

خیارِ بلوغ کی وجہ سے فسخ نکاح کا طریقہ

بلوغ سے پہلے باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور رشتہ دار نے نکاح پڑھایا، اور لڑکی کو وہ رشتہ پسند نہیں تو اس کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس وقت بلوغ کے آثار (حیض) ظاہر ہو جائے تو فوراً اس نکاح سے انکار کردے کہ مجھے یہ نکاح قبول نہیں، یا جس مجلس میں نکاح کا علم ہوا نکاح کے علم ہوتے ہی انکار کردے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں اس کے بعد

لوگوں کو اس پر گواہ بنائے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں آپ گواہ رہیں، پھر مسلمان قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور بوقت بلوغ نکاح سے انکار اور اپنے نفس کو اختیار کرنے پر گواہ پیش کردے۔ پھر قاضی خیار بلوغ کی شرائط پوری پائے جانے کی صورت میں نکاح فسخ کردے۔

اگر بلوغ کے آثار پائے جاتے ہی فوراً انکار نہیں کیا تو یہ اختیار ساقط ہو جائے گا۔

وفي تنوير الأبصار قال: وإن كان المزوج غيرهما لايصح من غير كفؤ وبمهر المثل صح ولهما خيار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده بشرط القضاء إلخ.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: وحاصله أنه إذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب والجد فلهما الخيار بالبلوغ أو العلم به فإن اختار الفسخ لايثبت الفسخ إلا بشرط القضا إلخ.

(ردالمحتار ٦٧/٣ تا باب الولي إلخ مطبوعة سعيد)

معروف بسوء الاختیار کا نکاح

باپ اور دادا کی شفقت اور محبت تام ہوتی ہے وہ ہر صورت میں اپنی اولاد کی خیر بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں، کہ آئندہ آنے والی زندگی میں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، لہٰذا باپ دادا نے اگر اپنی نابالغ اولاد کا نکاح پڑھا دیا تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا، اب بعد میں نہ باپ اس کو فسخ کر سکتا ہے، اور نہ لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا، بشرطیکہ باپ سی الاختیار ہونے کے ساتھ معروف ومشہور نہ ہو (یعنی باپ کا اولاد کے حق میں ظالم ہونا، غلط فیصلہ کرنا پہلے کے واقعات ومعاملات کی وجہ سے لوگوں میں معروف نہ ہو) اگر باپ سوء الاختیار ہونے کے ساتھ معروف ہو اور اس نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفء میں غبن فاحش کے ساتھ، یا لالچ اور طمع سے کر دیا، تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔

قال في التنوير: ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء إن كان الولي أبا أو جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار وإن عرف لا. (الدر على هامش ردالمحتار: ٦٦/٣، باب الولي)

سی ء الاختیار باپ کا کیا ہوا نکاح

باپ اگر سی ء الاختیار ہو یعنی نکاح باپ دادا نے کیا اور واقعات سے معلوم ہوا کہ باپ

نے مال و دولت کی لالچ اور طمع میں آ کر لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی، بلکہ خلاف مصلحت غبن فاحش سے غیر کفو میں نکاح کر دیا، اس نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ لڑکی کو بوقتِ بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا، وہ شرعی قاضی یا مسلم حاکم مجاز کی عدالت میں دعوی دائر کرے، شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتی ہے، خود بخود نکاح باطل نہ ہوگا۔
اور فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سی ءالاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح غبن فاحش سے کیا یا غیر کفوٴ میں کیا تو یہ نکاح موقوف نہیں۔

بلکہ منعقد ہی نہیں ہوا، اس لیے باطل اور کالعدم ہے۔ دونوں حضرات کی مدلل اور مبرہن رائے احسن الفتاویٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(احسن الفتاویٰ ۵/۱۰۵، تحقیق مسئلہ سوء الاختیار)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی رائے:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

احقر نے احسن الفتاوی جلد پنجم میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا تحریر فرمودہ رسالہ ''کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار'' کا مطالعہ کیا اور متعلقہ عبارات پر غور کیا، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اس رسالہ میں جو تحقیق فرمائی ہے، وہ درست ہے، اس کے مطابق سوء الاختیار کی صورت میں جو نکاح غیر کفوٴ یا غبنِ فاحش کے ساتھ کیا گیا ہو وہ اصلاً ہی باطل ہے اور غیر منعقد ہے، لہٰذا اس کے فسخ کے لیے قضاءِ قاضی کی ضرورت نہیں، البتہ جو نکاح کفو میں ہو، یا مہرِ مثل کے ساتھ ہو، وہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اس صورت میں بھی کوئی ناگوار اور نا قابلِ برداشت صورتِ حال ہو، مثلاً عمر میں بہت زیادہ فرق ہو جس کی وجہ سے لڑکی کا شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہو سکتا ہو، تو وہاں بھی سوءِ اختیار واضح ہونے کی صورت میں لڑکی کو خیارِ بلوغ ملنے پر غور کرنا چاہیے، لیکن اس صورت میں عدالت سے نکاح فسخ کرانا بھی ضروری ہونا چاہیے ،جیسا کہ اس رسالے کے آخر میں درج ہے۔ اور اس کی ایک بنیاد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باپ، دادا کی شفقتِ مظنونہ کی وجہ سے انعقادِ نکاح کا جو حکم تھا، وہ سوءِ اختیار واضح ہونے کی صورت میں جب غیر کفو یا غبنِ فاحش کی صورت ہو تو مرتفع ہو گیا، اب باپ، دادا، اور ولی غیر اب برابر ہو گئے کہ دونوں کا کیا ہوا نکاح غیر منعقد قرار پایا، تو کفو اور مہرِ مثل کی صورت میں بھی جب سوءِ اختیار

واضح ہوتو باپ کا حکم ولی غیر اب جیسا ہونا چاہیے کہ اس میں خیارِ بلوغ ملتا ہے، تو یہاں بھی ملنا چاہیے، لیکن یہ بات فی الحال حتمی نہیں محض ایک خیال ہے اور مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۱۲/۱/۲۵ھ

(فتاوی عثمانی: ۲/۲۸۹)

بالغہ لڑکی کا اپنا نکاح خود کرنے کا حکم

بالغہ لڑکی اگر اپنا نکاح خود کرلے یعنی والدین کی مرضی کے بغیر گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول کرے، اگر یہ نکاح کفو میں ہو یعنی لڑکا مالداری، دینداری، پیشہ نسب میں لڑکی کا ہم پلہ ہے تو نکاح منعقد ہوگا، لیکن اس طرح کرنے کو عرف میں بے حیائی کا کام سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی والدین کو بے خبر رکھ کر بالا بالا شادی کرلے اس کے بجائے والدین ہی رشتہ طے کرے تو مناسب ہے۔

باقی اگر بالغہ لڑکی اپنی مرضی سے غیر کفو میں شادی کرے تو منعقد نہیں ہوگا۔

وإذا زوجت امرأة نفسها من غير كفؤ فللأولياء أن يفرقوا بينهما، لأنه الحقت العار بالأولياء.

(مبسوط باب الأكفاء: ٥/ ٢٥، دار المعرفه)

وفي العلائية قال: ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان.

(الدر على هامش ردالمحتار ٣/٥٦، سعيد)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله : نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي؛ لأنها تصرف في خالص حقها، وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة... وإنما يطالب الولي كيلا تنسب إلى الوقاحة إلخ. (البحر الرائق باب الأولياء ٣/١١٧، مطبوعه بيروت)

تصادق زوجین سے نکاح کا ثبوت

اگر مرد اور عورت قاضی کی عدالت میں اس بات کا اقرار کرے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں، اور قاضی اس بات کو قبول کرے۔ اسی طرح دونوں لوگوں کے سامنے بیان کرے کہ ہم

دونوں میاں بیوی ہیں تو اس طرح ایک دوسرے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہو جائے گا، قاضی کا اس نکاح کو نافذ قرار دینا درست ہے۔

قال في الشامية: (قوله ولاباقرار) لاينافيه ماصرحوا به من أن النكاح يثبت بالتصادق لأن المراد هنا أن الإقرار لايكون من صيغ العقد والمراد من قولهم انه يثبت بالتصادق أن القاضي يثبته به أي بالتصادق ويحكم به.(ردالمحتار:۲/ ۳۶۰ مصري)

باب المہر وأحکامہ

مہر شرعاً عورت کا حق ہے، اگر نکاح کے وقت مہر کا نام نہ لیا جائے تب بھی نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے تاہم مہر دینا لازم ہے، اگر شادی کے موقع پر مہر کی کوئی مقدار متعین کی تو وہ ادا کرنا لازم ہے۔ اگر بوقت نکاح ادا نہیں کیا تو مہر شوہر کے ذمہ قرض ہوگیا اس کی ادائیگی لازم ہے۔ اور اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیا تو مہر مثل یعنی عورت کے خاندان کی دوسری لڑکیوں کے لیے جو مہر مقرر رہا وہ اس لڑکی کو بھی ملے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم محصنين غير مسافحين فما استمتعم به منهن فاٰتوهن أجورهن فريضة ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة إن الله كان عليما حكيما﴾
(نساء: ٢٤)

(ان محرمات کے علاوہ) باقی عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ تلاش کرو، اس طرح کہ تم (ان کو) بیوی بناؤ۔ صرف مستی نکالنا نہ ہو، پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے نفع حاصل کرو، سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں۔ اور مقرر ہونے کے بعد بھی جس (مقدار) پر تم میاں بیوی باہم رضامند ہو جاؤ اس پر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔" (نساء)

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ یعنی جو محرمات اب تک مذکور ہوئیں، ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، مثلاً چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں زاد بہن، ماموں، چچا کی بیوی ان کی وفات یا طلاق دینے کے بعد، بشرطیکہ یہ مذکورہ اقسام اور کسی رشتہ سے محرم نہ ہوں، اور اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی، جب وہ طلاق دیدے یا وفات پا جائے، بیوی مر جائے تو اس کی بہن کے ساتھ وغیرہ بے شمار صورتیں بنتی ہیں، ان سب کو ﴿ما وراء ذلكم﴾ کے عموم میں داخل فرما دیا۔

مسئلہ: بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اس کا تفصیلی بیان

سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکا ہے، قریب کی آیات میں اس کا ذکر نہ دیکھ کر کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو جائے کہ ﴿ما وراء ذلکم﴾ کے عموم میں بغیر کسی پابندی کے عورتوں سے نکاح جائز ہے، نیز بہت سی محرمات وہ ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں ہے، اور ان کی طرف آیات میں اشارات بھی ہیں، جن کو ہم تفسیر کے ذیل میں ذکر کرتے چلے آئے ہیں۔

﴿أن تبتغوا بأموالکم﴾ یعنی محرمات کا بیان تمہارے لیے اس لیے کیا گیا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو، اور ان کو اپنے نکاح میں لاؤ۔

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نکاح مہر سے خالی نہیں ہوسکتا (حتی کہ اگر زوجین آپس میں یہ طے کرلیں کہ نکاح بغیر مہر کے ہوگا تب بھی مہر لازم ہوگا، جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) دوسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر وہ چیز ہونی چاہیے جس کو مال کہا جاسکے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہونا چاہیے، ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

﴿محصنین غیر مسافحین﴾ بڑھا کر زنا کی ممانعت فرماتے ہوئے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ زنا میں صرف شہوت رانی، سفح ماء، پانی بہانا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ اس سے طلب الولد اور ابقاء النسل کا ارادہ نہیں ہوتا، مسلمانوں کو پاکدامن رہنے اور تکثیر نسل انسانی کے لیے اپنی قوت کو برمحل خرچ کرنا چاہیے، جس کا طریقہ ملکِ نکاح اور ملکِ یمین ہے۔

﴿فما استمتعتم به منهن فاتوهن أجورهن فريضة﴾ یعنی نکاح کے بعد جن عورتوں سے استمتاع کرلو تو ان کے مہر دیدو، یہ دینا تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے۔

اس آیت میں استمتاع سے مراد بیویوں سے ہمبستر ہونا اور وطی کرنا مراد ہے، اور محض نکاح ہو جائے اور رخصتی نہ ہو اور شوہر کو استمتاع کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے تو آدھا مہر واجب ہوتا ہے، اور اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے، اس آیت میں خصوصی توجہ دلائی ہے کہ جب کسی عورت سے استمتاع کرلیا تو اس کا مہر دینا ہر طرح سے واجب ہوگیا اس میں کوتاہی کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے اور انسانی غیرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جب نکاح کا مقصد حاصل ہوگیا تو بیوی کے حقوق میں ٹال مٹول نہ ہو البتہ شریعت عورت کو یہ حق دیتی ہے کہ مہر اگر معجل ہے تو مہر کی وصولی تک وہ شوہر کے پاس

جانے سے انکار کرسکتی ہے۔(معارف القرآن:۲/۳۶۵)

مہر خالص عورت کا حق ہے

مقررہ مہر نقدی کی شکل میں ہو یا سونا چاندی یا جائیداد کی شکل میں، چاہے نکاح کے وقت ادا کردیا گیا ہو یا شوہر کے ذمہ باقی ہو یہ خالص اس عورت کا حق ہے، اس میں عورت کو ہر طرح کے تصرف کا مکمل اختیار ہے، اس میں لڑکے والدین عزیز واقارب میں سے کسی کا کوئی حق نہیں، نیز شوہر کو بھی اختیار نہیں کہ عورت کی اجازت کے بغیر مہر فروخت کرے یا اس میں اور کسی طرح کا تصرف کرے۔

وفي العلائية قال: وإن كان مسلما لها لم يبطل ملكها منه بل توقف عوده إلى ملكه على القضاء أو الرضاء إلخ

(ردالمحتار:۳/۱۰۵، باب المهر)

مہر کی ادائیگی کب لازم ہے؟

نکاح کے وقت طے شدہ مہر یا مہر مثل واجب ہوجاتا ہے جب رخصتی ہوکر میاں بیوی تنہائی میں ایک دوسرے سے ملاقات کرلے، یا اس سے پہلے ہی کسی ایک کا انتقال ہوجائے دونوں صورتوں میں یہ مہر ادا کرنا لازم اور موکد ہوجاتا ہے عورت کو مطالبہ کرنے کا پورا پورا حق ہوجاتا ہے، البتہ اگر خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہوجائے تو مہر مقرر کا آدھا حصہ ساقط ہوجائے گا، اگر ایسی صورت میں مہر طے شدہ نہ ہو تو اب مہر لازم نہیں ہوگا البتہ متعہ (یعنی درمیان درجہ کا ایک جوڑا) لازم ہوگا۔

وفي العلائية قال: ويتاكد عند وطؤ أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما.

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: أفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها، أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول، وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ ونحوه إلخ. (ردالمحتار ۳/۱۰۲، باب المهر)

مہر کی کم از کم مقدار

شریعت مطہرہ نے نکاح کے لیے مہر کو ضروری قرار دیا ہے اس کی کم سے کم مقدار فقہاء احناف کے نزدیک دس درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اس درہم چاندی کا وزن ایک درہم = ۳٫۰۶۲ گرام×۱۰=۳۰٫۶۲ گرام۔ (تقریباً تین تولہ چاندی)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: أقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم إلخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/۱۰۱ باب المهر)

مہر کی زیادہ مقدار کتنی ہے؟

شریعت مطہرہ نے مہر کی خاص مقدار متعین کر کے واجب قرار نہیں دیا کہ ہر مرد پر شادی کے وقت اتنا مہر ادا کرنا ہر صورت لازم ہے، اور اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی، بلکہ اسے شوہر کی حیثیت اور استطاعت پر موقوف رکھا ہے، کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے، البتہ مہر کی کم سے کم حد ضرور مقرر کی گئی ہے، تا کہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے۔ چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں کم سے کم مقدار دس دراہم ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے مذکور ہوا ہے۔

بھاری مہر کی ممانعت

البتہ بہت زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ بات نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نیز بنات طیبات کے لیے جو مہر مقرر ہوا ہے وہ نہایت معتدل اور مناسب ہے۔ عام حالات میں اسی پر عمل کیا جائے تو بہتر ہے۔

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عندالله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتي عشرة أوقية.

(رواه احمد والترمذي وأبوداؤد والنسائي وابن ماجة) (مشكوٰة ۲ باب الصداق)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا خبردار عورتوں کا بھاری مہر نہ باندھو، اگر بھاری مہر باندھنا دنیا میں بزرگی اور عظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقوی کا موجب ہوتا تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھاری سے بھاری مہر باندھتے) مگر میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر اپنی ازواج مطہرات سے نکاح کیا ہو، یا اس سے زیادہ مہر پر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کرایا ہو۔(احمد ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

کم مہر والی عورت بابرکت ہے

عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ! ((إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة)) (مشكوٰة ٢ باب الصداق)

قال الملا علي قاري رحمه الله في شرح هذا الحديث: أيسره أي أقله أو أسهله (مؤنة) أي من المهر والنفقة للدلالة على القناعة التي هي كنز لا ينفد ولا يفني.

(مرقاة شرح مشكوٰة:٦/٢٧٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بابرکت عورت وہ ہے کہ جس کا خرچہ کم ہو، اس کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس عورت کا مہر کم ہو، اور وہ عورت قناعت پسند ہو جس کی وجہ سے زیادہ کمانے کے لیے شوہر کو پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی ہے۔قناعت ایک لازم دولت ہے۔۱۲۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں عورت کا مہر کم ہونے کو قابل تعریف قرار دیا ہے، اسی پر عمل ہونا چاہیے۔

مہر فاطمی کی تفصیل

مہر فاطمی سے مراد مہر کی وہ مقدار جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے طے ہوئی تھی، اس لیے اس کو مہرِ فاطمی کہا جاتا ہے، نکاح میں مہر فاطمی مقرر کرنا شرعاً ضروری نہیں، اس سے کم وزیادہ مہر مقرر کیا جاسکتا ہے کیونکہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام سے مہر فاطمی سے زیادہ مہر مقرر کرنا ثابت ہے، اور کم مقرر کرنا بھی ثابت ہے۔

باقی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کی مقدار کیا تھی اس بارے میں دو روایات ہیں: راجح روایت کے مطابق اس کی مقدار ۴۸۰ درہم = ۶۳۲۹۶ء۱ گرام یا ۱۶۳۲ گرام بھی کہہ سکتے ہیں۔ تولہ کے لحاظ سے ۱۶۳۲ گرام تقریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) تولہ۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۱۷)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی۔ (حاشیہ بہشتی زیور مہر کا بیان)

فزوجها النبي صلى الله عليه على أربع مأة وثمانين درهما.

(تاريخ الخميس ١ ٣٦)

قال صلى الله عليه وسلم : أو عندك شيئ (تصدقها به) فقلت: فرسي وبدني (بفتح الباء والدال درعي) قال أما فرسك فلا بدلك منها وأما بَدَنك فبعتها بأربع مأة وثمانين فجئته بها فوضعتها في حجره إلخ...

(المواهب اللدنية مع شرح الزرقاني ٢)

مہر معاف کروانا

ایک رواج یہ چلا ہے کہ شروع میں بڑی مقدار میں مہر طے کر لیا جاتا ہے، نکاح فارم میں بھی لکھا جاتا ہے، اور نکاح کے وقت سب کے سامنے ایجاب وقبول میں اس مقدار مہر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اتنے مہر کے عوض میں نکاح قبول کیا، پھر بعد میں مختلف حیلے بہانے سے مہر معاف کروانے کی کوشش کی جاتی ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے، اس کو حق مہر میں تصرف کا مکمل اختیار ہے، شوہر یا کسی اور کو مہر واپس لینے یا عورت کی رضامندی کے بغیر اس میں تصرف کرنے کا بالکل اختیار نہیں۔ اور زبردستی معاف کروانے سے معاف بھی نہیں ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ((ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه)) (رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار ظلم مت کرو، خبردار کسی شخص کا مال بدون اس کی طیب خاطر کے حلال نہیں۔"

اور یہ بھی یاد رہے کہ زبردستی معاف کروانا یہ درحقیقت معافی نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا غصب ہے، کہ زبردستی عورت کے حق پر قبضہ کرلیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من انتهب نهبة فليس منا.

(رواه الترمذي)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کوئی چیز غصب کی وہ ہم میں سے نہیں۔''

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات يوم القيامة واتقوا الشح فإن الشح أهلك من كان قبلكم حملهم على ان سفكوا دمائهم واستحلوا محارمهم.

(رواه مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت سے ظلمتوں کا باعث ہوگا، اور حرص سے بچو کیونکہ بے شک حرص ہی نے پہلی امتوں کو ہلاک کیا، حرص نے انہیں خون بہانے اور محارم کو حلال سمجھنے پر برانگیختہ کیا۔''

دوسرے کے حقوق پر وہی شخص ڈاکہ ڈال سکتا ہے جس کو مال وزر کا حرص ہو لالچی ہو، دولت کا پجاری ہو، جس کا دل میں ذرا بھی خوف آخرت ہوگا وہ ایسا کام نہیں کرے گا۔

زبردستی مہر معاف کروانے کا ایک واقعہ

اگر کسی سے کہا جائے کہ حق مہر ادا کردو تو آگے سے جواب ملتا ہے: اجی! اس نے تو معاف کردیا حالانکہ معاف کیا نہیں بلکہ زبردستی معاف کروایا۔ ایسے بکثرت واقعات سننے میں آتے ہیں کہ لوگ شادی کے بعد مہر معاف کروالیتے ہیں، حالانکہ شرعا اس معافی کا اعتبار نہیں، زبردستی معاف کروانے کا ایک واقعہ جو میرے سامنے کئی لوگوں نے بیان کیا اس وقت پیش کیا جاتا ہے:

ایک دفعہ جامعہ حمادیہ کراچی کے دارالافتاء میں بیٹھا ہوا تھا کہ چند افراد ایک خاتون کو ساتھ لیکر مسئلہ پوچھنے کے لیے داخل ہوئے، واقعہ یوں بیان کیا کہ یہ خاتون ہماری بھابھی ہے، ہمارے بھائی صاحب کا انتقال ہوگیا اس نے مہر معاف کردیا تھا اب دوبارہ مطالبہ کررہی ہے، اس خاتون نے واقعہ اس طرح بیان کیا کہ میرے خاوند کی دودھ کی دکان تھی، مال بھی ان کے

پاس تھا وہ میرے مہر ادا کرنے پر قادر تھے اس کے باوجود ان کے ذمہ مہر قرض رہ گیا، موت سے کچھ دیر پہلے سسرالی رشتہ داروں نے مجھے بلایا اور کہا کہ تمہارے میاں کی حالت تو خراب ہے زندگی کی زیادہ امید نہیں تم انہیں معاف کردو، پھر کہا کہ مہر بھی معاف کردو، یقیناً یہ قابل رحم حالت تھی دوسری طرف رشتہ دار مجھے شرمندہ بھی کررہے تھے، تو میں نے کہہ دیا کہ میں نے معاف کردیا۔ لیکن میں نے دل سے معاف نہیں کیا، میں معاف کیسے کرتی میرے پاس اپنے گزارہ کے لیے کچھ نہیں ادھر سے زیورات بھی معاف کردوں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اب شوہر کی موت کا غم الگ ہے، اور میرے سسرال والے مجھے ہر چیز سے محروم کرنا چاہتے ہیں حتی کہ مہر جو میرا شرعی حق ہے وہ بھی مجھے نہیں دینا چاہتے، آپ ہی فیصلہ کریں یہ سراسر ظلم ہے یا نہیں؟ معافی کے جو الفاظ مجھ سے زبردستی کہلوائے گئے حالانکہ میں دلی طور پر ہرگز راضی نہیں تھی اس سے مہر معاف ہوا۔ یا میرا حق شوہر (مرحوم) کے ذمہ باقی ہے جو میں ان کے ترکہ سے وصول کرنے کا حق دار ہوں؟

میں نے ساتھ آنے والوں سے پوچھا خاتون نے سچا واقعہ بیان کیا ہے یا اس میں جھوٹ کی ملاوٹ ہے انہوں نے اعتراف کیا واقعہ تو سچا ہے لیکن ہمارے خاندان میں تو اسی طرح ہوتا ہے، نکاح کے وقت مہر مقرر کیا جاتا ہے، کچھ زیورات دے دیتے ہیں باقی معاف کروایا جاتا ہے کوئی خاتون دوبارہ مطالبہ نہیں کرتی یہ عورت مطالبہ کررہی ہے۔

بہرحال واقعہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مہر معاف کرنے کروانے کے واقعات تقریباً اسی قسم کے ہوتے ہیں، شرعاً اس کو معاف کرنا نہیں کہا جاسکتا، اس سے شوہر کا ذمہ فارغ نہ ہوگا، زندگی میں ادا کرنا لازم رہے گا، اگر زندگی میں ادا نہیں کیا تو مرنے کے بعد ان کے ترکہ سے مہر کا قرض وصول کرکے بیوی کا حوالہ کیا جائے گا۔

مہر کا قرض شوہر کے مال سے وصول کرنا یہ کوئی بے حیائی یا گناہ کی بات نہیں ہے اس پر بیوی کو عار دلانا اس کو شرمندہ کرنا یہ گناہ ہے۔

قال العلامة ابوبكر الكاساني رحمه الله تعالى: فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة لا يسقط بعد ذلك إلا بالابراء.

(بدائع الصنائع ۲۹۱/۲، فصل في مايتأكد به المهر)

شوہر کو مہر ہدیہ کرنا

باقی عورت بغیر کسی جبر و کراہ کے اپنی رضا اور رغبت سے مہر کا کچھ حصہ یا کل مہر شوہر کو ہدیہ کر دے وہ شوہر کے لیے حلال ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿واتوا النساء صدقاتهن نحلة فإن طبن لكم عن شيئ منه﴾

(نساء:٤)

تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو (اور یہی حکم کل کا بھی ہے) تو (اس حالت میں) تم اس کو کھاؤ (برتو) مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

مہر کے متعلق عرب میں کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے:

ایک یہ کہ مہر جو لڑکی کا حق ہے اس کو نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے، جو سراسر ظلم تھا، اس کو دفع کرنے کے لیے قرآن کریم نے فرمایا: ﴿واتوا النساء صدقاتهن﴾ یعنی دو عورتوں کو ان کے مہر اس کے مخاطب شوہر بھی ہیں کہ وہ اپنی بی بی کا مہر خود بی بی کو دیں ورد دوسروں کو نہ دیں، اور لڑکیوں کے اولیاء بھی مخاطب ہیں کہ اگر لڑکیوں کے مہر ان کو وصول ہو جائیں تو یہ لڑکیوں ہی کو دیدیں، ان کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں نہ لائیں۔

دوسرا ظلم یہ تھا کہ اگر کبھی کسی کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بہت تلخی کے ساتھ بادل ناخواستہ تاوان سمجھ کر دیتے تھے، اس ظلم کا ازالہ آیت مذکورہ کے اس لفظ "نحلہ" سے فرمایا گیا، کیونکہ 'نحلہ" لغت میں اس دینے کو کہتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ دیا جائے۔

غرض اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے، اور جس طرح تمام حقوق واجبہ کو خوش دلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہیے۔ (معارف القرآن:٢/٢٩٧)

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم

اگر کسی نے بلوغ سے پہلے اپنے لڑکے کی شادی کر دی تو حق مہر کون ادا کرے گا؟ اس

بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں بلکہ اس کا تعلق نکاح سے ہے، یعنی جس لڑکے سے نکاح ہوا وہی مہر کا ذمہ دار ہے بالغ ہو یا نابالغ، اگر باپ نے اپنی طرف سے مہر ادا کر دیا یا ضمانت لی تو پھر باپ ضامن ہے، عورت کو حق حاصل ہوگا یا شوہر یا سسر میں سے جس سے چاہے اپنے حق مہر کا مطالبہ کرے۔

وفي الهندية قال: وإذا زوج ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر وكان ذلك في صحته جاز إذا قبلت المرأة الضمان وإذا أدى الأب ذلك إن كان الأداء، في حالة الصحة لا يرجع على الابن بما ادى استحسانا، إلا إذا كان بشرط الرجوع في أصل الضمان. (عالمگيريه ١/٣٢٦، الفصل الرابع عشر في ضمان المهر)

مہر وصول کرنے کے لیے شوہر کے گھر آباد نہ ہونا

مسئلہ: جتنا مہر پہلے دینے کا عرف ہے اگر اتنا مہر پہلے نہیں دیا تو عورت کو اختیار ہے کہ جب تک اتنا وصول نہ کرے تب تک مرد کو ہمبستر نہ ہونے دے، اور اگر ایک دفعہ صحبت کر چکا ہے تب بھی اختیار ہے کہ اب دوسری دفعہ یا تیسری دفعہ عرف کے بقدر مہر وصول کیے بغیر صحبت نہ کرنے دے، اور اگر شوہر اسے سفر میں لے جانا چاہتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اتنا مہر لیے بغیر سفر میں جانے سے انکار کر دے۔ اسی طرح اگر عورت اس حالت میں اپنے کسی محرم عزیز کے ساتھ سفر میں چلی جائے یا مرد کے گھر سے اپنے میکے چلی جائے، تو مرد اس کو روک نہیں سکتا، اور جب اتنا مہر دیدیا تو اب شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی، اور شوہر کا جہاں جی چاہے اسے لے جائے، اس کے ساتھ جانے سے انکار کرنا درست نہیں۔

ولها منعه من الوطي ودواعيه والسفر بها ولو بعد وطي وخلوة رضيتها لاخذ مابين تعجيله من المهر كله أو بعضه أو أخذ ما يعجل لمثلها عرفا به يفتي. (الدر على هامش ردالمحتار)

مہرِ مثل کا بیان

مسئلہ: "مہرِ مثل" کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے باپ کے گھرانے میں سے جو عورت اس کے مثل ہو، یعنی اگر یہ کم عمر ہے تو وہ بھی نکاح کے وقت کم عمر ہو، اگر یہ خوبصورت ہے تو وہ بھی

اتنی ہی وہ بھی تھی، جس علاقے کی یہ رہنے والی ہے اسی علاقے کی وہ بھی ہو، اگر یہ دیندار ،ہوشیار، باسلیقہ پڑھی لکھی ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہو غرض والد کے خاندان میں جو عورتیں ان باتوں میں اس کی طرح تھیں، ان کا جو مہر مقرر ہوا تھا وہی اس کا ''مہرِ مثل'' ہے۔

ومهر مثلها مهر مثلها من قوم أبيها لا أمها لم تكن من قومه كبنت عمه وفي الخلاصة: وتعتبر بأخوتها وعماتها فإن لم تكن فبنت الشقيقة وبنت العم إنتهى. ومفاده اعتبار الترتيب فليحفظ وتعبر المماثلة في الأوصاف وقت العقد سنا وجمالا ومالا عصرا وعقلا ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وأدبا وكما لخلق وعدم ولد ويعتبر حال الزوج أيضا.

(الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۱۳۷/۳)

مہرِ مثل میں کن عورتوں کا اعتبار ہے؟

باپ کے گھرانے کی عورتوں سے مراد اس کی بہنیں، پھوپھی، چچازاد بہنیں وغیرہ ہیں۔ یعنی اس کی ددھیالی لڑکیاں۔ مہرِ مثل میں ماں کا مہر نہیں دیکھا جاتا البتہ اگر ماں بھی باپ ہی کے گھرانے میں سے ہو، جیسے باپ نے اپنی چچا زاد سے نکاح کر لیا تھا، تو اس کے مہر کو بھی ''مہرِ مثل'' کہا جائے گا۔ (حوالہ بالا)

غلطی سے ہمبستری پر مہرِ مثل

کسی نے اپنی بیوی سمجھ کر غلطی سے کسی دوسری عورت سے صحبت کر لی تو اس کو بھی مہرِ مثل دینا پڑے گا، اور اس صحبت کو زنا نہیں کہا جائے گا، نہ کچھ گناہ ہوگا، بلکہ اگر حمل ٹھہر گیا تو اس بچے کا نسب بھی ٹھیک ہے، اس کے نسب میں کوئی عیب نہیں اور جب معلوم ہو گیا کہ یہ میری بیوی نہیں تو اب اس عورت سے الگ رہے، اب صحبت کرنا درست نہیں اور اس عورت کے لیے بھی عدت گزارنا واجب ہے، بغیر عدت پوری کیے اپنے شوہر کے پاس رہنا اور شوہر کا اس سے صحبت کرنا درست نہیں۔

وإذا دخل الرجل بالمرأة على وجه شبهة أو نكاح فاسد فعليه المهر

مہر اور ہدیہ ہونے میں اختلاف کا حکم

شوہر نے عورت کے پاس کچھ مال بھیجا اس کے بارے میں میاں بیوی کے آپس میں اختلاف ہو گیا کہ وہ ہدیہ تھا یا مہر کا حصہ، شوہر دعویدار ہے مہر ہونے کا جبکہ بیوی کہتی ہے کہ تمہاری طرف سے ہدیہ تھا، تو اگر وہ چیز مہر بننے کے قابل ہو تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر مہر بننے کے قابل نہیں مثلاً کھانے پینے کی کوئی چیز ہے تو مہر نہ سمجھا جائے گا بلکہ اس کو ہدیہ ہی سمجھا جائے گا۔

ومن بعث إلى امرأته شيئا فقالت: هو هدية وقال هو من المهر فالقول قوله في غير المهياء كالشواء واللحم المطبوخ والفواكه التي لا تبقى. فإن القول قولها استحسانا. (عالمگیریہ: ۳۵۴/۱، باب المهر الفصل الثانب عشر)

مہر ادا کرنے کے بعد شوہر کا اپنی بیوی کو جبراً لانا

شوہر اگر اپنی بیوی کا مہر معجّل ادا کر چکا، یعنی جتنا مہر جلدی ادا کرنا عرفاً ضروری ہے وہ ادا کر دیا تو شوہر کو اختیار ہے کہ باوجود عورت یا اس کے والدین نہ ہو عورت کو اپنے گھر لا سکتا ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله: تحت (قوله والسفر) والأولىٰ التعبير بالإخراج كما عبر في الكنز ليعم الإخراج من بيتها كما قاله الشار حون. ط. (ردالمحتار: ۳/)

باب الجہاز

جہیز کی شرعی حیثیت

باپ کا اپنی بیٹی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شادی کے وقت جہیز دیا تھا۔

عن علي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه لما زوجه فاطمة بعثت معها بخميل ووسادة ادم حشوها ليف ورحائين وسقائين الحديث. (الإصابه:٤/٣٧٩)

وعن علي رضي الله عنه قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربته ووسادة حشوها إذخر.

(سنن النسائي ٢/٩٢، جهاز الرجل ابنته)

البتہ اس میں افراط اور غلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے کہ جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بارِ عظیم ہو جائے باقی اپنی حیثیت کے موافق ریاکاری شہرت پسندی سے بچتے ہوئے کچھ ضروری سامان دیدیا جائے تو اس سے سنت ادا ہو جائے گی لیکن آج کے دور میں یہ سنت سے نکل کر یہ عذاب بن گیا ہے اس اعتدال کی راہ اپنانا نہایت ضروری ہے۔

سامان جہیز لڑکی کی ملک ہے

نکاح و رخصتی کے موقع پر جو سامان، برتن، فرنیچر، لباس، کمبل، واشنگ مشین وغیرہ والدین کی طرف سے لڑکی کو دیا جاتا ہے وہ لڑکی کی ملک ہے، والدین کے لیے اس کو واپس لینا جائز نہیں، نیز طلاق وغیرہ کے ذریعہ جدائی کی صورت میں شوہر یا اس کے گھر والوں کا لڑکی کے مال پر قبضہ کر لینا بھی جائز نہیں، بلکہ سارا سامان واپس کرنا ضروری ہے، البتہ خلع کی صورت میں اگر کسی مال کو خلع کا عوض ٹھہرایا گیا ہو تو وہ شوہر رکھ سکتا ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة وأنه إذا طلقها تأخذه كله وإذا ماتت يورث عنها إلخ. (فتاوىٰ

شامیه: ۳/ ۵۸۵)

ولو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها وعليه الفتوى. (عالمگيريه: الفصل السادس فی جهاز البنت)

مزید تفصیل کے لیے امداد المفتین ص: ۵۶۰ پر دیکھیے۔

زیورات کا حکم

مہر کے علاوہ رخصتی کے موقع پر لڑکی کو زیورات پہنانے کا رواج ہے، عام طور پر لڑکی کو اس زیور کا مالک نہیں بنایا جاتا اس لیے لڑکی مالک نہ ہوگی، ہاں صراحت کے ساتھ اس کو ہدیہ تحفہ کے نام پر دیدے وہ لڑکی کی ملک ہے واپس لینا جائز نہ ہوگا۔

وفي الهندية: قال وإذا بعث أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترده من الزوجة ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك كذا في الفصول العمادية. (باب المهر كتاب النكاح: ۱/ ۳۵۹)

داماد کے لیے ہدیہ

لڑکی والوں کی طرف سے کپڑے کا جوڑا یا دیگر کوئی چیز جو شادی کے موقع پر داماد کو ہدیہ کے طور پر دیا جاتا ہے، وہ داماد کی ملک ہے، لڑکی کی موت یا طلاق کی صورت میں اس کی واپسی کا مطالبہ کرنا درست نہیں، ہاں اگر کوئی چیز گاڑی وغیرہ بطور عاریت چند روز استعمال کے لیے دی گئی ہو تو اس کو واپس لینے کی اجازت ہے۔ (حوالہ بالا)

داماد کا سسرال والوں سے سامان کا مطالبہ بے غیرتی ہے

بعض لوگ لڑکی والوں سے سامان کا مطالبہ کرتے ہیں، مثلاً گاڑی، گھڑی، لباس، پوشاک وغیرہ فلاں فلاں چیزیں بننے والے داماد کو دینا ہوگا ورنہ ہم لڑکی قبول نہیں کریں گے اس طرح کسی چیز کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں یہ نادانی بے غیرتی بے شرمی کی بات ہے، داماد کا سسرال والوں پر اس طرح کا کوئی حق نہیں ہے کہ ان سے مخصوص سامان کا مطالبہ کرے، اسی طرح اس کو رواج قرار دینا کہ لوگ مطالبہ کے بغیر دینے پر مجبور ہو جائیں یہ بھی غلط ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا لازم ہے، کیونکہ صحابہ کرام، تابعین ائمہ دین رحمہم اللہ کے حالات میں ایسا کوئی

واقعہ نہیں ملتا جس میں انہوں نے لڑکی والوں سے سامان کا مطالبہ کیا ہو اس لیے مرد کو چاہیے خود دار رہے، لالچ اور حرص سے دور رہے۔

جہیز کے سلسلہ میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک وعظ سے اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، جس میں امت کی رہنمائی بھی موجود ہے۔ اعتدال کا درس بھی۔

مسئلہ بتانے کے فائدے

چنانچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ خیال ہوا کہ جو بات کوئی مانے گا ہی نہیں یعنی کوئی بھی عمل نہیں کرے گا وہ بتانے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولا یہ کیسے پتا چلا کہ کوئی بھی عمل نہیں کرے گا۔ ''باب العبر'' پڑھ کر دیکھیں کیسے کیسے لوگوں کو عمل کی توفیق ہوئی، اس لیے یہ سوچنا کہ کوئی بھی عمل نہیں کرے گا غلط ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جاتی ہے بہت سے عمل کرنے والے اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں مثلا دارالافتاء میں ایک عالم نے داخلہ لیا، چھٹیاں گھر پر گذار کر کل ہی واپس آئے ہیں، اور مجھے پرچہ لکھ کر دیا کہ میں نے وہاں جا کر ڈاڑھی پر جو بیان کیے تو پانچ نوجوانوں نے ڈاڑھیاں رکھ لیں اور کٹانے سے بھی توبہ کر لی، الغرض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بھی مشکل نہیں کہ کسی کو ہدایت ہو جائے۔

مغربی ممالک میں میرے وعظ سن کر کتنے مردوں نے ڈاڑھیاں رکھ لیں اور خواتین نے شرعی پردہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دیدی۔

ہدایت کے اسباب میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی امید بھی رکھا کریں، اور مانگا بھی کریں، دونوں کام کیا کریں ساتھ ساتھ نسخے بھی استعمال کیا کریں۔

دوسری بات یہ کہ صحیح مسئلے کی اشاعت کے باوجود کسی کو عمل کی توفیق نہ بھی ہو پھر بھی کم سے کم علم تو صحیح ہو جائے گا۔ اللہ کا قانون معلوم ہو جانا یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے شاید کبھی عمل کی توفیق بھی مل جائے۔ قانون کا علم ہو جائے تو ایسا شخص خود کو اقراری مجرم سمجھے گا اور اعتراف کرے گا کہ یا اللہ! مجھے تیرے قانون کا علم ہے پھر بھی میں عمل نہیں کر رہا میں کمزور ہوں، اقراری مجرم ہوں باغی نہیں، مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں، یا اللہ! تو معاف فرما دے اور آئندہ کے لیے میرے اندر ہمت پیدا فرما۔ الغرض صحیح مسئلہ معلوم ہو جانے سے باغی مجرم اقراری مجرم بن جائے گا۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی ایک بات پوچھنے پر ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، رکعتیں بھی آج کل کے مسلمان جیسی نہیں کہ دو منٹ میں چار رکعتیں

پڑھ لیتے ہیں بلکہ ویسی ہزار رکعتیں جیسی پڑھی جاتی ہیں ایسی ایک ہزار رکعتیں پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ میں اللہ کی رحمت سے یہ امید رکھتا ہوں کہ جب پوچھنے پر ایک ہزار رکعت پڑھنے سے زیادہ ثواب عطا فرماتے ہیں تو بتانے پر ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اپنی شان کے مطابق مجھے اس سے بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔ واہ میرے اللہ! تیری رحمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں، یا اللہ! اپنی رحمت کے مطابق معاملہ فرما، اپنی رحمت سے نواز دے۔

جہیز کا شرعی مسئلہ

اب جہیز کا مسئلہ سنئے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کیجئے جہیز اتنا دیتے ہیں کہ اس کی مالیت سے حج کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے اگر جہیز کا پورا سامان لڑکی کی ملک میں دے دیا جائے اسے مالک بنا دیا جائے، اور وہ حج کی درخواستیں دینے کے وقت میں بھی لڑکی کی ملک میں ہو تو فوراً اسی سال اس کے لیے حج پر جانا فرض ہو جائے گا۔ اب یہ والدین کے ذمے ہے کہ اسے حج کروائیں۔ البتہ لڑکی نے حج کی درخواستیں دینے کا وقت آنے سے پہلے ہی مال اپنی ملک سے نکال دیا، مثلاً جہاد میں لگا دیا تو اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ جو والدین اولاد پر حج فرض کر دیتے ہیں مگر حج کروانے کا انتظام نہیں کرتے وہ مجرم ٹھہریں گے۔ حج کی فرضیت علی التراخی نہیں علی الفور ہے علی التعجیل ہے۔ یعنی پہلے ہی سال میں جانا فرض ہو جاتا ہے۔ اگر یہ خیال کریں کہ دوسرے سال جائیں گے یا بعد میں کبھی چلے جائیں گے تو پہلی بات تو یہ کہ کیا معلوم دوسرے سال تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں اور اگر دوسرے سال تک زندہ رہ گئے اور حج کر بھی لیا تو بھی دیر کرنے کا گناہ ہوگا، حج کا فرض تو ادا ہو جائے گا مگر دیر کرنے کا گناہ بھی ذمے رہے گا، کیوں دیر کی؟

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ:

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد صاحب نے اپنے کارخانے میں کچھ حصہ حضرت کے نام کر دیا، آپ نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ کیا کسی مصلحت سے میرا نام کیا ہے یا واقعۃً مجھے مالک بنا دیا ہے؟ والد صاحب نے فرمایا کہ رکھا تو تھا مصلحۃً مالک بنانا مقصود نہیں تھا مگر اب میرا خیال بدل گیا ہے اب آپ کو مالک بنا دیا۔ حضرت نے عرض کیا: ”میں بیچ کر حج کے لیے جاتا ہوں۔“ والد صاحب نے فرمایا ابھی ذرا ٹھہر جائیں آئندہ سال چلے جائیں ابھی آپ کی بہنوں کی شادی کے مصارف ہیں اس لیے آپ آئندہ سال چلے جائیں۔ حضرت نے

عرض کیا کہ آپ اس کی ضمانت لے سکتے ہیں کہ میں آئندہ سال تک زندہ رہوں گا اس سے پہلے نہیں مروں گا؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں ایسے تو نہیں ہوسکتا۔ فرمایا: جب ایسے نہیں ہوسکتا تو میں ابھی جارہا ہوں، بچ کر تشریف لے گئے۔

یہ قصہ اس پر بتایا کہ اگر لڑکی کو جہیز کے سامان کا مالک بنادیا اور حج کی درخواستیں دینے کا وقت آ گیا تو اس پر فوراً اسی سال حج کے لیے جانا فرض کردیا۔

والد کی حماقت:

اگر کوئی والد اس خیال سے لڑکی کو مالک نہ بنائے کہ اگر اسے مالک بنادیا تو کہیں وہ حج پر نہ چلی جائے، اس خیال سے وہ مالک تو خود ہی رہے لیکن سامان اس لیے جمع کر رکھا ہو کہ جب اس کی شادی ہوگی تو جہیز میں دے دیں گے، ایسے والد کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے خیال میں تو بڑی ہوشیاری کر رہا ہے مگر اللہ کی نظر میں یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ ایسے والدین اپنے خیال میں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں لڑکی کا جہیز تیار کرلیا ہے اور مالک خود ہی ہیں جب لڑکی کی شادی ہوگی تو اسے دے دیں گے، ایسے لوگوں کے داماد بھی بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہماری شادی ایک سیٹھی سے ہوگی جب وہ دولت لائے گی تو کتنے مزے ہوں گے کچھ نہ پوچھیے، لیکن ایسے داماد یہ بھول جاتے ہیں کہ جو لڑکی دولت لائے گی وہ دولتی بھی لگائے گی۔ عبرت کے لیے ایک قصہ سن لیجئے اگرچہ میں مضمون بہت مختصر کرنا چاہتا ہوں مگر عبرت کی جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال رہے ہیں کہتا چلا جاؤں اگر مضمون لمبا بھی ہوگیا تو کیا ہوا؟

حبِ مال کا وبال:

ایک کروڑوں پتی نے ایک اربوں پتی کی لڑکی سے اس ہوس میں شادی کرلی کہ بیوی جو ادھر سے دولت لائے گی تو کچھ نہ پوچھیے دونوں مل کر کیا گل کھلائیں گے، قارون کے خزانے بھی اس کے سامنے کچھ نہ ہوں گے۔ دنیا کی اس ہوس میں اس نے اس سے شادی کرلی۔ لڑکی جب گھر میں آئی تو اس نے شوہر کے دولتی لگانی شروع کردی اس زعم میں کہ ہم تو ہیں اربوں پتی اور یہ ہے کروڑوں پتی، یہ تو ہمارے تابع ہیں۔ ایسا بجانا شروع کیا کہ کچھ نہ پوچھیے اور ادھر لڑکی کے والد نے داماد سے کہا: خبردار! کان کھول کر سن لے، اگر کبھی طلاق کا نام لیا تو میرے کارخانوں کے مزدور اتنے ہیں کہ اگر میں نے تجھ پر چھوڑ دیئے تو انہیں ایک ایک بوٹی بھی نہیں آئے گی، تیری بوٹی بوٹی کردیں گے، خبردار! طلاق کا نام بھی لیا تو دیکھو کیا حشر کروں گا؟ یہ قصہ

خوداس کے رشتہ داروں نے بتایا کہ اس پر یہ حالت گزر رہی ہے۔

جہیز سے متعلق بتارہا تھا کہ اگر لڑکی کو مالک نہیں بنایا اور بہت بڑے بڑے سامان جہیز میں جمع کر لیے اور ایسا ہوشیار والد مر گیا تو سارا مال وارثوں میں تقسیم ہوگا، لڑکیوں کو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا شریعت کی رو سے وراثت میں ان کا حق ہوگا، پورا مال تو ہر گز نہیں ملے گا خواہ ان کی والد وصیت کر جائے کہ یہ جہیز ان لڑکیوں کا ہے ایسی تحریر لکھ کر اس کا رجسٹریشن کروالے، ہزاروں گواہ بنالے کچھ بھی کرلے بہر حال لڑکیوں کو اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا شریعت نے مقرر کیا ہے، وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں۔ سو ذرا سوچئے کہ خر کار کے گدھے بن کر لڑکی کے لیے اتنا کچھ جمع کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ ایسی حماقت کیوں کی؟ اس صورت میں جہیز کے لیے رکھے ہوئے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی والد پر فرض ہے۔

جہیز دینے کی وجہ محبت یا خوف؟

کسی نے جہیز کے بارے میں یہ بات بتائی کہ والدین یہ کہتے ہیں کہ ہم تو بیٹی سے محبت کی وجہ سے دیتے ہیں اس میں حرج کیا ہے؟ اس بارے میں یہ سمجھ لیں کہ گھر بیٹھے بیٹھے بات کہہ دینا آسان ہے ذرا کسی طبیب حاذق کو نبض دکھائیں تو پتا چلے گا کہ حرج ہے یا نہیں؟

ہمیں کہتی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے
ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی تو نظر والے

گھر میں بیٹھ کر بات بنالینا آسان ہے کسی صاحب نظر کو نبض دکھائیں وہ بتائے کہ تیرے اندر کون سی خرابی ہے؟ ایسے بیٹھے بیٹھے باتیں نہ کیا کریں۔ اب ذرا اس کی تفصیل بتاتا ہوں اللہ تعالیٰ صحیح کہنے کی اور سننے والوں کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ بیٹی سے محبت ہے محبت کی بناء پر جہیز دیتے ہیں ذرا اس کا تجزیہ سنئے، جب بیٹی پیدا ہوئی اس وقت میں بھی محبت تھی، پیدائش سے لے کر شادی کے وقت تک محبت ہے شادی ہوجانے کے بعد بھی مرتے دم تک محبت رہے گی سو شادی کے وقت ہی محبت کو جوش کیوں اٹھتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نہیں دیں گے تو لوگ طعنے دیں گے ناک کٹ جائے گی نا، لوگوں میں عزت نہیں رہے گی، لوگ طعنے دیں گے کہ بیٹی کو گھر سے ایسے نکال دیا جیسے مرگئی ہو، کفن دے کر نکال دیا کچھ دیا ہی نہیں۔

جہیز کم ہونے پر طعنہ سننا

ایک مولوی صاحب کے گھر بہو آئی تو مولوی صاحب کی بیگم بہو کو طعنہ دے رہی تھیں اری! تو لائی کیا ہے دو چیتھڑے۔ وہ بے چاری معلوم نہیں کتنا جہیز لائی ہوگی اور ساس کی طرف سے طعنہ پھر بھی وہی کہ لائی کیا ہے دو چیتھڑے۔ یہ حال ہے لوگوں کا کہتے ہیں کہ اگر ہم نے بیٹی کو جہیز نہیں دیا تو سسرال والے تو اسے طعنے دے دے کر مار دیں گے اور دوسرے لوگ بھی والدین کو طعنے دیں گے، یہ خبریں بہت سننے آتی ہیں اس کا جواب سنئے آپ ساری دنیا کی دولت بھر کر اپنی بیٹی کو دے دیں ساس پھر بھی یہی کہے گی کہ لائی کیا دو چیتھڑے اور دماغ ایسا۔ بتائیں دنیا میں ایسا کہیں ہوا ہے کہ کسی نے بہت زیادہ جہیز دیا ہو ٹرکوں کے ٹرک بھر کر اور جب بیٹی گئی سسرال تو ساس اس سے نہ لڑی ہو اسے طعنے نہ دیئے ہوں وہ تو پھر بھی لڑتی ہے اس کا تدارک تو ہو ہی نہیں سکتا دنیا میں ساس بہو ایک دوسرے سے صحیح رہ ہی نہیں سکتیں۔

کہیں ہمیں بھی اس میں شامل نہ سمجھ لیں بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ہاں کوئی ایسی بات نہیں اللہ کا فضل وکرم ہے۔ انوار الرشید میں میری دعا پڑھیں اس کے مطابق عمل کریں اللہ دعائیں تو سب کی قبول کرتا ہے ایسا تو نہیں کہ صرف میری قبول کرتا ہے آپ کی دعائیں بھی قبول کرے گا اصل چیز دینداری ہے جہاں دین ہوگا وہاں فساد نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو ایسے عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں، ایک عورت کہہ رہی تھی کہ جب میں بہو بن کر گئی تو ساس اچھی نہیں ملی اور جب میں ساس بنی بہو گھر میں لائی تو بہو اچھی نہیں ملی۔ خود درمیان میں حد اوسط ہے، خود کو ولیۃ اللہ سمجھتی ہے، ساس ملی تو وہ اچھی نہیں ملی۔ بہو لائی چھانٹ چھانٹ کر تو بہو اچھی نہیں ملی۔ یہ بات چھوڑ دیں کہ سسرال والے کیا کہیں گے اور خاص طور پر ساس طعنے دیں گی۔ پوری دنیا کی دولت بھی سمیٹ کر بیٹی کو دے دیں ساس تو پھر بھی طعنے دے گی۔ یہ عذر غلط ہے کہ محبت کی وجہ سے کرتے ہیں درحقیقت یہ لوگوں کے ڈر سے کرتے ہیں۔

ہدیہ جائز ہونے کی شرط:

ایک مسئلہ اور سمجھ لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسہ)) (مسند احمد)

ہدیہ وہ حلال ہے جس میں شرح صدر، طیب خاطر، مکمل خوشی کا یقین ہو، اگر کسی نے آپ کو خوشی سے ہدیہ نہیں دیا بلکہ کسی خوف کی وجہ سے دیا تو وہ حلال نہیں۔

حالات کو دیکھیں جو باتیں میں کہتا ہوں انہیں اپنے طور پر سوچا کریں مجھے تو ''مذکّر'' سمجھیں۔ ''مذکّر'' کے معنی یاد دلانے والا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ باتیں تو عقل میں ویسے ہی آنی چاہئیں، مگر عقل ادھر متوجہ نہیں ہوتی تو میں آپ لوگوں کی عقل کو متوجہ کر دیتا ہوں، ذرا اپنی عقل کو متوجہ کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ بات بالکل صاف صاف سامنے آجائے گی، سوچیں جب والدین جہیز دیتے ہیں لوگوں کے ڈر سے، ساس کے ڈر سے تو خوشی سے کہاں دیتے ہیں؟ قرض لے لے کر خرکار کے گدھے بن بن کر، بھیک مانگ مانگ کر، جہیز بنانے کے لیے بھیک مانگتے ہیں، لوگوں کے دروازوں پر جا جا کر، سیٹھوں کے کارخانوں پر جا جا کر کہتے ہیں کہ لڑکی کا جہیز بنانا ہے زکوٰۃ دے دیں اور بے غیرت بے شرم ہے وہ دولہا جو جہیز قبول کر لیتا ہے اس سے زیادہ بے غیرت کون ہوگا؟ اس سے بہتر یہ نہیں تھا کہ شادی ہی نہ کرے، بھیک میں ملا ہوا جہیز قبول کر لیتے ہیں ایسے بے غیرت لوگ ہیں۔

سوچئے کہ لوگوں کے خوف سے دیتے ہیں تو بیٹی اور داماد کے لیے بھی حلال نہیں حرام ہونے کا یقین نہیں تو کم از کم مشتبہ تو ہو ہی گیا، جس میں حرام ہونے کا شبہہ ہو وہ چیز کیوں استعمال کی جائے؟

کیا جہیز دینا محبت ہے؟

اگر محبت کی وجہ سے دے رہے ہیں، ذرا غور سے سنئے غور سے بہت قیمتی باتیں بتا رہا ہوں، اگر محبت کی وجہ سے بیٹی کو دے رہے ہیں تو جائیداد میں کیوں شریک نہیں کرتے، اپنی تجارت میں، کارخانے میں، مکانوں میں، زرعی زمین میں سے کچھ حصہ دیں اپنے ساتھ شریک کر لیں تو اس میں بیٹی کا فائدہ ہے لیکن لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ بیٹی کو جائیداد میں شریک نہ کریں جائیداد صرف بیٹوں کی رہے۔ دعوے محبت کے اور کوشش یہ کہ جائیداد میں سے بیٹی کو کچھ نہ ملے بس کچھ کپڑے دے دیئے اور صوفے کرسیاں دے دیں اور بس خوش کر دیا بیٹی کو، اری میری بیٹی! تجھ سے اتنی محبت کہ تیری محبت میں تو ہم مرے جا رہے ہیں اسے تھپکیاں دے دے کر خوش کر رہے ہیں۔ سوچئے! ذرا غور سے بات سوچا کریں کہ اگر محبت ہے تو جائیداد میں سے کیوں نہیں دیتے؟ بیٹیوں کو جائیداد سے محروم کیوں کرتے ہیں؟

جہیز سے وراثت ختم نہیں ہوتی:

ایک مسئلہ اور سمجھ لیں بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو بیٹی کو جہیز دے دیا اس کے بعد وراثت میں اس کا حق نہیں رہا کیونکہ ہم نے نیت کی تھی کہ یہ جو کچھ اسے دے رہے ہیں وراثت کا حصہ ہے، یہ بھی غلط ہے آپ اسے جہیز میں کتنا ہی دے دیں مگر وراثت کا حصہ جو شریعت نے مقرر کر دیا وہ پورے کا پورا موجود ہے جہیز دینے سے بیٹی محروم نہیں ہوتی لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اسے اتنا دے دیا تو اب وراثت میں اس کا حصہ نہیں رہا، یہ بالکل غلط ہے، زندگی میں وراثت جاری نہیں ہوتی کسی کو کتنا ہی دے دیں وہ اس کے لیے ہبہ ہے وراثت تو جاری ہوگی مرنے کے بعد مگر مرنے کا خیال تو آج کل کے مسلمان کو آتا ہی نہیں، یہ سمجھتا ہے کہ مرے گا ہی نہیں اسی لیے تو جہاد پر نہیں جاتا جہاد میں جائے گا تو مر جائے گا اور یہاں رہے گا تو کبھی بھی نہیں مرے گا، یہ خیالات ہیں آج کل کے مسلمانوں کے، اللہ تعالیٰ انہیں عقل عطا فرمائیں۔

جہیز کی بجائے نقدی دیں:

آخری درجے میں ایک بات یہ کہ اگر جائیداد میں شریک کرنے سے ڈرتے ہیں بیٹی کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے تو پھر چلئے نقدی کی صورت میں جہیز دے دیں۔ جو سامان ٹرکوں کے ٹرک جہیز میں دے دیتے ہیں اس کی بجائے اتنی رقم بیٹی کو دے دیں بلکہ ایک لاکھ کی بجائے دو لاکھ دے دیں ہمیں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ مگر ایسے نقدی کی صورت میں کوئی نہیں دے گا کیونکہ اگر نقد دے دیا تو لوگوں کو تو پتہ ہی نہیں چلے گا لوگوں کو دکھانا مقصود ہے بلکہ لوگوں کو جمع کر کے پہلے دکھاتے ہیں خاص طور پر عورتوں کی شوری بیٹھتی ہے پہلے عورتیں آتی ہیں تمام رشتے دار اور محلے کی عورتیں آ کر جہیز دیکھتی ہیں کہ کیا کچھ دیا پھر ان میں سے کچھ تو واہ واہ کرتی ہیں کہ بہت اچھا جہیز دیا ہے، چاہے نالائق نے قرض لے کر یا بھیک مانگ کر ہی کیوں نہ دیا ہو اور کچھ عورتیں باتیں بناتی ہیں کہ اتنی اچھی حیثیت ہے مگر بیٹی کو کچھ نہ دیا غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ پہلے تو جہیز گھر سے نکالنے سے پہلے لوگوں کو دکھاتے ہیں پھر جہاں راستے میں جا رہا ہوتا ہے تو لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں واہ واہ جہیز جا رہا ہے، جہیز، پھر جب سسرال پہنچے گا تو جو استقبال کرنے والے ہوں گے وہ دیکھیں گے واہ واہ کریں گے ایسا جہیز ہے ایسا جہیز ہے، پھر سسرال میں لوگوں کو بلا بلا کر دکھایا جائے گا کہ دیکھئے یہ چیز دی ہے، یہ چیز دی ہے اس سے بھی ثابت ہوا

کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں اگر بیٹی سے محبت ہے تو اولاتو جائیداد میں حصہ دیں اس سے تو محروم کر دیتے ہیں اور محبت میں آ کر دیتے بھی ہیں تو صوفے کرسیاں دے کر لوگوں کو دکھاتے ہیں اگر واقعۃ محبت ہے تو نقدی کی صورت میں دیں۔

نقدی دینے کے فائدے:

اس میں یہ فائدے ہیں:

1 نقدی کی صورت میں آپ نے بیٹی کو ہدیہ دے دیا تو اگر اس پر حج فرض ہو گیا تو وہ حج کرلے گی۔ یہ تو میں بتا تا ہی ہوں کہ لوگ بیٹیوں کو جہیز میں سامان اتنا دے دیتے ہیں کہ حج فرض ہو جاتا ہے پھر حج کرواتے نہیں یہ محبت ہے یا عداوت؟ یہ تو بیٹیوں سے محبت نہیں عداوت ہے جہنم میں پھینک رہے ہیں وہ تو بے چاری مجبور ہے جائے گی یا نہیں لیکن والدین تو ضرور جہنم میں جائیں گے حج فرض کر دیا کرواتے ہیں نہیں اتنا سامان دے دیا کہ حج فرض ہو گیا اب اسے کہاں بیچے اور کیسے حج کو جائے۔

2 اگر نقد پیسے دے دیئے تو پھر اللہ کے بندوں اور بندیوں کے حالات مختلف ہیں بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ وہ تو سارا مال لگا دیں گے جہاد میں ادھر زیادہ ضرورت ہے تاکہ مجاہدین کو قوت حاصل ہو اور جہاد کے کام خوب خوب ہوں اور جلد سے جلد پوری دنیا پر اسلام کی حکومت قائم ہو جائے، یہ لوگ تو خود پر حج فرض ہونے ہی نہیں دیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جس زمانے میں لوگ حج پر جا رہے ہوں اس زمانے میں اگر اتنا پیسا ہے کہ اس سے حج کر سکتے ہیں تو حج فرض ہوتا ہے اور اگر اس زمانے میں نہیں بلکہ آگے پیچھے کسی زمانے میں اتنا پیسہ آ گیا اور اس نے حج کے مہینے آنے سے پہلے ہی وہ مال خرچ کر دیا تو اس صوت میں اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے سجدہ سہو کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے تعجب سے فرمایا کہ مسلمان اللہ کے سامنے کھڑا ہے پھر اسے سہو بھی ہو جاتا ہے! وہ مسئلہ پوچھ رہا ہے اور یہ اس کی عقل پر تعجب کر رہے ہیں ارے! یہ مسلمان ہے مسلمان اللہ کے سامنے کھڑا ہے پھر اسے سہو ہو گیا یہ ہو کیسے سکتا ہے؟ پھر اس نے زکوۃ کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا نہ کبھی ہم نے اپنے اوپر زکوۃ فرض ہونے دی نہ ہمیں زکوۃ کا مسئلہ معلوم ہے جن پر فرض ہوتی ہے جاؤ ان سے پوچھو۔

نقدی کی بات کر رہا تھا کہ اگر بیٹی کو جہیز کی بجائے نقدی دے دی تو وہ بیٹی اگر اللہ کی بندی

ہے اس کے دل میں فکر آخرت ہے دل مال کی محبت سے پاک ہے تو وہ تو لگا دے گی ساری رقم جہاد میں حج فرض ہی نہیں ہونے دے گی۔ اس موقع پر کچھ فکر آخرت رکھنے والی باہمت لڑکیوں کے قصے بھی سن لیجئے!

جہیز راہ خدا میں خرچ کرنے والیوں کے واقعات

ایک لڑکی کا دارالافتاء سے اصلاحی تعلق ہے اس کی منگنی ہوچکی ہے اس نے بتایا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ والدین سے جہیز ہرگز نہیں لوں گی، وہ جتنا جہیز دینا چاہیں گے میں ان سے کہوں گی کہ اس کے بدلے مجھے نقد رقم دے دیں۔ اتنے کے زیور اتنے کے کپڑے، اتنے کا فرنیچر اور اتنے کا ٹی وی اور اتنے کا یہ اور اتنے کا وہ ابو! مجھے ان سب کی بجائے پیسے نکالیں پیسے پھر جب پیسے میرے قبضے میں آ جائیں گے تو سارے مجاہدین کو دے دوں گی کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گی سب مجاہدین کو دے دوں گی۔ دیکھئے جس میں دین آتا ہے عقل بھی آ جاتی ہے آگے اس لڑکی کے مزید کمال عقل کی بات سنئے کہتی ہیں کہ اگر میں نے اپنے ابو سے یہ کہا کہ ابو! آپ اتنے پیسے جہاد میں لگا دیں تو وہ لگائیں گے نہیں اس لیے میں پہلے اپنے قبضے میں لوں گی اس کے بعد سارے کے سارے جہاد میں لگا دوں گی ایک پیسا بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔

ایک لڑکی کی شادی ہونے والی ہے اس نے اعلان کر دیا ہے کہ میں اپنے ابو سے جہیز نہیں لوں گی اور اگر ابو سے یہ کہوں کہ آپ جہیز کا پیسہ جہاد میں لگا دیں تو وہ لگائیں گے نہیں اس لیے پہلے پیسے لوں گی پھر سارے کے سارے اللہ کی راہ میں جہاد میں لگا دوں گی۔

ایک لڑکی نے بتایا کہ میری امی نے میرے لیے جہیز بنانا شروع کر دیا ہے میں روکتی ہوں تو مانتی نہیں میں جہاد میں لگانا چاہتی ہوں مگر وہ بنائے چلی جا رہی ہیں میں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ اپنی امی اور ابو دونوں کو سمجھائیں کہ اگر آپ نے مجھے جہیز بنا کر دیا تو میں سارا بیچ دوں گی، بیچنے میں محنت بھی کرنی پڑے گی اور جتنے پیسے خرچ ہوں گے اتنے نہیں ملیں گے نقصان ہوگا اس لیے آپ کی راحت اور آپ کا فائدہ اس میں ہے کہ نقد رقم ابھی سے مجھے دے دیں، اس لیے ابھی سے چلانا شروع کر دو کہ مجھے جہیز نہیں چاہیے، مجھے نقد رقم دے دیں، میں مالک بن جاؤں تو پھر میں جو چاہوں کروں۔

ایک لڑکی نے بتایا کہ میرے والد نے مجھے عیدی کے پچاس روپے دیئے اب

میں کہتی ہوں کہ میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کروں گی تو وہ ناراض ہوئے اور کہا کہ اچھا اگر تمہیں نہیں رکھنا تو مجھے واپس کر دو۔ میں نے کہا کہ میں تو مالک بن گئی آپ خواہ ناراض ہوں یا راضی اور جو کچھ بھی کر لیں واپس نہیں دوں گی اللہ کی راہ میں لگا دوں گی۔

یہ قصے اس لیے بتا دیئے کہ جیسے ان خواتین نے تدابیر اختیار کی ہیں آپ بھی کریں۔ ابو اور امی سے یہ نہ کہیں کہ جہیز کی رقم جہاد میں یا کسی اور کارِ خیر میں لگا دیں وہ نہیں لگائیں گے جان نکل جائے گی لہٰذا پہلے ان سے جہیز کی رقم وصول کریں پھر اللہ کی راہ میں لگا دیں، حج کا وقت ہونے کی وجہ سے حج فرض ہو گیا تو حج کریں ورنہ جہاد میں لگا دیں۔

جہاد پر عمرہ قربان کرنے کا واقعہ

ایک پورا خاندان عمرے کے لیے جا رہا تھا ٹکٹ خرید لیے نشستیں محفوظ کروا لیں پھر جب انہیں پتا چلا کہ جہاد میں زیادہ ضرورت ہے تو عمرے کا سفر ملتوی کر کے ٹکٹ واپس کیے اور ساری رقم جہاد میں لگا دی۔ اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں۔ بعض لوگوں کو تعجب ہو رہا ہو گا سوچ رہے ہوں کہ کیسے بے وقوف ہیں، آج کل ہر چیز الٹی ہو گئی نا اس لیے عقلمند کو بے وقوف اور بے وقوف کو عقلمند کہتے ہیں۔ نقد رقم دینے کی صورت میں وہ رقم اللہ کی راہ میں لگا دے گی اور اگر حج کرنا چاہے گی تو اس سے حج کر لے گی۔

3 نقدی میں تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میاں بیوی اپنی مصلحت کے مطابق جس چیز کی ضرورت ہو گی پوری کر لیں گے، پیسہ تو ایسی چیز ہے کہ اس سے ہر ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

4 اگر انہیں کوئی فوری ضرورت نہیں اور حج ادا کرنے کے بعد رقم بھی بچ گئی لیکن اللہ کی راہ میں لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی ابھی کچے کچے مسلمان ہیں تو اس رقم کو کسی تجارت میں لگا دیں گے بیٹی اور اس کی اولاد کے لیے ایک ذریعہ آمدن ہو جائے گا۔ ایک طرف تو چیخ رہے ہیں کہ آئندہ نسل کا کیا ہو گا اور جو صحیح طریقے ہیں انہیں اختیار نہیں کرتے۔ والدین کو اگر اولاد سے محبت ہوتی تو وہ صوفے وغیرہ دینے کی بجائے نقدی کی صورت میں جہیز دیتے کہ لگاؤ کسی تجارت میں، دنیا ہی کمانا ہے تو پھر دنیا کی کسی تجارت میں لگائیں۔

جہیز جمع کرنے والوں کو مشورہ:

اگر کسی نے جہیز جمع کر لیا پھر اسے فکر ہوئی کہ اب اس کا کیا کریں جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ

فکر ہوتی ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جہیز کا سامان بیچ کر جہاد پر لگا دیں دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی بچیوں کے رشتے نیک وصالح مساکین سے کریں، شادی کے موقع پر انہیں تین جوڑے بنادیں جب یہ تین جوڑے پھٹ جائیں تو پھر دیکھیں اگر داماد کے پاس اب بھی وسعت نہیں تو تین جوڑے اور بنا دیجئے، بوقت ضرورت یوں تین تین جوڑے بنا کر دیتے رہیں زیادہ نہ دیں ورنہ انہیں دیکھ دیکھ کر مال کی ہوس بڑھے گی بالخصوص عورتوں کے لیے زیادہ لباس تو اور زیادہ خطرناک ہے بوقت موت دیکھ دیکھ کر روئیں گی کہ ارے ہمارا لال جوڑا، کالا جوڑا، پیلا جوڑا، اور وہ ہرا جوڑا اور وہ زردی والا جوڑا، ادھر روح کھینچی جارہی ہوگی اور انہیں جوڑوں کی پڑی ہوگی ایسے لوگوں کی جان کیسے نکالی جائے گی اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ ایک ایک تار توڑ توڑ کر کھینچ کھینچ کر جان نکالی جائے گی، اس وقت ان کی جان جوڑوں میں اٹکی ہوئی ہوگی تو اور بھی زیادہ مشکل سے نکلے گی اور زیادہ عذاب ہوگا پھر آگے عذاب اس سے بھی زیادہ۔ الغرض کسی مسکین سے شادی کر دیں اور تین تین جوڑے دیتے رہیں ایک شخص کے لیے تین جوڑے بہت ہیں، اگر زیادہ بنا لیے تو وہ مجاہدین کو دے دیں۔ مسئلہ بتا دیا اگر کسی کو عمل کی توفیق نہ بھی ہو تو بھی بات صحیح معلوم ہو جائے۔ بیوی سارے کے سارے مصارف شوہر کے ذمے ہوتے ہیں لباس بھی شوہر کے ذمے خوراک بھی شوہر کے ذمے، رہائش بھی شوہر کے ذمے اسکے تمام مصارف شوہر کے ذمے ہیں پھر اتنا لباس جمع کرنا کہ کئی سال چلے گا گدھوں کا بوجھ بن جائے اتنا لباس جمع کر کے مالدار داماد کو کیوں دیتے ہیں؟ کوئی مسکین داماد تلاش کریں تاکہ اس کی مدد ہو جائے۔

وسعتِ رزق کا نسخہ اکسیر:

ایک بہت کام کی بات سن لیجئے، رات کسی نے فون پر مجھ سے کہا میں بہت پریشان ہوں میری مالی امداد کریں۔

میں نے کہا صاحبزادے! میری مالی امداد ساری کی ساری، پوری دنیا سے سمٹ کر جہاد میں جارہی ہے حتی کہ میری کوشش یہ رہتی ہے کہ میں اپنے اوپر بھی ایک پیسہ بھی خرچ نہ کروں، میری پوری امداد اللہ تعالیٰ کی مدد اور دستگیری سے جہاد میں جارہی ہے آپ بھی وہیں چلے جائیں تو دیکھئے سارے کام بن جائیں گے۔ اس وقت یہ قصہ بتانے سے مقصد یہ ہے کہ دوسرے حضرات بھی سن لیں، کسی کے ذہن میں اگر یہ خیال پیدا ہو کہ مالی امداد کی ضرورت ہے تو فوراً جہاد

میں نکل جائے۔ جہاد میں جانے سے اللہ تعالیٰ رزق کتنا برساتے ہیں یہ مضمون مستقل ہے، بہت لمبا ہے، بہت سے قصے ہیں صرف اس زمانے کے لوگوں کے نہیں قرآن کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات، کتنے واقعات ہیں کہ جہاد پر جانے سے رزق بہت ملتا ہے، جس کو بھی مالی پریشانی ہو وہ جلد سے جلد جہاد پر چلا جائے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے انشاء اللہ۔

بات جہیز سے متعلق چل رہی تھی کہ اگر جہیز زیادہ بنالیا ہے تو بیچ کر پیسے جہاد میں لگادیں اور کوئی مسکین نیک وصالح داماد تلاش کریں جو اتنا مسکین ہو کہ تین جوڑے بھی نہ بنا سکے اسے تین جوڑے شادی کے موقع پر بنا کر دے دیں پھر وہ پھٹ جائیں تو تین جوڑے اور دے دیں اس طرح بوقت ضرورت تین تین جوڑے بنا کر دیتے رہیں۔ (ماخوذ از وعظ جہیز اور داماد)

❁❁❁❁❁

باب الوليمة

ولیمہ کی شرعی حیثیت

دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قول وفعل اس پر دال ہے تاہم واجب نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

فخرج إلى السوق فباع واشترى فأصاب شيئا من أقط وسمن فتزوج فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ((أو لم ولو بشأة))

(الصحيح البخاري ٧٧٧/٢، باب من أولم على بعض نسائه)

وعن أنس رضي الله عنه قال ما أولَمَ رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ماأولم على زينب أولم بشأة.

(مشكوٰة: ٢٧٨/٢، باب الوليمة)

ومثله في" أعلاء السنن "(١٠/١١) باب استحباب الوليمة.

ولیمہ کا مسنون وقت

ولیمہ کا مسنون وقت دلہن کو گھر لانے اور ہمبستری کے بعد کا وقت ہے۔

قال السبكي رحمه الله: والمنقول من فعل النبي صلى الله عليه وسلم أنهابعد الدخول، وفي حديث أنس رضي الله عنه عندالبخاري وغيره التصريح بأنها بعدالدخول لقوله أصبح عروسا بزينب فدعا القوم.

(بذل المجهود كتاب النكاح:٣٢/٢، مطبوعه مكتبه قاسميه ملتان)

قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بإمرأته ينبغي أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما.

(الفتاوى الهندية: ٣٤٣/٥، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات)

عن أنس رضي الله عنه قال أصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها

(بزينب ابنة جحش) عروسا فدعا القوم فأصابوا من الطعام ثم خرجوا وبقي رهط. (الصحيح البخاري:۲/۷۷٦) **وقال الشيخ الظفر العثماني: نقلا عن فتح الباري وحديث أنس في هذا الباب صريح أنها أي الوليمة بعد الدخول لقوله فيه أصبح عروسا بزينب فدعا القوم.** (أعلاء السنن: ۱۱/۱۱)

مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف کے بعد ولیمہ فرمایا اس لئے جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ولیمہ کا مسنون وقت دخول کے بعد ہی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر تصریح کی، تاہم بعض علماء نے اس میں وسعت کا قول اختیار کیا ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اسی وقت یا اس کے بعد یا رخصتی کے یا ہمبستری کے بعد جس وقت بھی ولیمہ کیا جائے ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

وفي التناج الجامع للأصول في أحاديث الرسول للشيخ منصور علي ناصف: ۲/۲۷۹، فصريح الحديث أن الوليمة كانت صباح ليلة الدخول فيكون وقتها بعد الدخول عند الجمهور وقال جماعة: عند الدخول وقال اخرون عندالعقد، والظاهر أن وقتها موسع من العقد إلى الدخول ففي اي وقت علمت كفى لأنها نوع من أعلان النكاح ومن انواع البر والإكرام والله أعلم.

قال الملا علي قاري رحمه الله: "قيل أنها تكون بعد الدخول قيل عندالعقد، وقيل عندهما واستحب أصحاب مالك أن تكون سبعة أيام والمختار أنه على قدر حال الزوج. (مرقاة شرح مشكوٰة لملا على قاري: ٦/٣٦٦ تحت رقم الحديث: ٣١٠، كذا في "فتح الباري ۹/۱۹۹".)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا وقتِ مسنون تو بعد الدخول ہے، جن حضرات نے عند العقد یا عقب العقد بھی ولیمہ کو مسنون کہا ہے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اوقات میں ولیمہ کرنے سے سنتِ ولیمہ ادا ہو جاتی ہے جس طرح مسواک کے مسئلے میں ہے (برش کرنے سے سنتِ مسواک ادا ہو جاتی ہے سنتِ آلہ ادا نہیں ہوتی) اسی طرح یہاں بھی سنتِ ولیمہ ادا ہو گئی، مگر سنتِ وقت ادا نہیں ہوئی۔ یعنی ولیمہ وقتِ مسنون میں ادا نہ ہوگا، لیکن

عقدِ نکاح سے پہلے ولیمہ کی کوئی اصل نہیں۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/۳۰۳)

یعنی نکاح سے پہلے کسی بھی طرح ولیمہ کی سنت ادا نہیں ہو سکتی، اگر کسی نے نکاح سے پہلے کھانا کھلایا تو مباح تو ہے ولیمہ کا اجر و ثواب حاصل نہ ہوگا۔

(دیکھئے فتاویٰ حقانیہ: ۴/۴۲۸)

ولیمہ کتنے دنوں تک جائز ہے؟

دعوتِ ولیمہ اس دعوت کو کہا جاتا ہے جو شادی کے بعد لوگوں کو کھلایا جائے، اس کے لیے دنوں کی خاص تعداد مقرر نہیں کیا، بلکہ اس کو شادی کرنے والے کی استطاعت پر چھوڑا گیا ہے، اگر وہ ایک سے زائد دنوں کی دعوت کرنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ہاں ایک سے زائد دنوں تک کرنے میں فخر و غرور، ریاکاری، شہرت پسندی جیسے مقاصد شامل ہوں تو پھر اس نیت سے دعوت کرنا جائز نہیں۔

لما في الحديث : عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: تزوج النبي صلى الله عليه وسلم صفية رضي الله عنها وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلاثة أيام. (أعلاء السنن: ۱۱/۱۳، باب جواز الوليمة إلى أيام وإن لم يكن فخرا)

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طعام أول يوم حق وطعام يوم الثاني سنة وطعام يوم الثالث سمعة ومن سمع سمع الله به.

(رواه الترمذي مشكوٰة باب الوليمة ۲/۲۷۹)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دعوتِ ولیمہ شادی و رخصتی سے تین روز تک ہوتی ہے اس کے بعد نہیں۔

(فتاوىٰ محموديه ٤/٣٩١ باب الوليمه)

وفي الهندية قال: ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة كذا في "الظهيرية". (عالمگيريه ٥/٣٤٣، الباب الثاني العشر في الهدايا والضيافات كتاب الكراهية مطبوعه كوئته)

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہیے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دعى أحدكم إلى الوليمة فليأتها متفق عليه وفي رواية لمسلم: فليجب عرسا كان أو نحوه.
(مشكوٰة المصابيح)

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ شادی بیاہ کی کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اگر بلا کسی عذر (حسی وشرعی) کے دعوت قبول نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله."

باقی قبول کرنے سے مراد شادی میں شرکت ہے، یہ بعض کے ہاں واجب اور بعض کے ہاں سنت مستحبہ ہے، باقی شریک ہونے کے بعد کھانا تو اس بارے میں متفقہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر روزے دار نہ ہو تو کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے، شادی کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔

كما روي عن جابر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دعى أحدكم إلى طعام فليجب فإن شاء طعم وإن شاء ترك.
رواه مسلم. (مشكوٰة باب الوليمة)

بن بلائے دعوت میں شرکت کرنا بڑا گناہ ہے

بعض لوگ بن بلائے کسی دعوت میں شریک ہوجاتے ہیں، یعنی جہاں کوئی دعوت ہو رہی ہو ایک شخص کو اس دعوت میں بلایا نہیں گیا بس محض علم ہونے پر وہاں پہنچ کر دعوت میں شریک ہوگیا تو یہ بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے ایسے شخص کو ڈاکو قرار دیا ہے، اس لیے اجتناب کرنا لازم ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دعى فلم يجب فقد عصى الله ورسوله ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا." (
رواه ابوداؤد مشكوٰة: ۲/۲۷۷ باب الوليمة)

لڑکی والوں کی طرف سے دعوت مسنون نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رخصتی کا کوئی خاص طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی بارات اور لوگوں کے اجتماع کا کوئی اہتمام تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی والدہ محترمہ نے رخصت کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر روانہ فرمایا، البتہ اگر پردے کا اہتمام ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط وغیرہ مفاسد نہ ہوں تو رخصتی کے وقت قریبی رشتہ دار خواتین کے گھر میں جمع ہونے کی گنجائش ہے اور ان کے لیے بقدرِ استطاعت کھانے کا انتظام کرنا بھی درست ہے، لیکن کھانے کو صرف مہمان نوازی کی حیثیت دی جائے، اس کو ولیمہ کی طرح دعوتِ مسنونہ نہ سمجھا جائے، کیونکہ رخصتی کے وقت لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا انتظام شریعت میں ثابت نہیں۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ ولیمہ لڑکا اور اس کے اولیا کریں گے، لیکن جو لوگ لڑکی والے کے مکان میں مہمان آتے ہیں ان کا مقصود شادی میں شرکت کرنا ہے اور ان کو بلایا بھی گیا ہے، تو آخر وہ کھانا کہاں جا کر کھائیں گے، اور اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانا شریعت کا حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی، البتہ لڑکے والوں کی طرح ولیمہ کی دعوت لڑکی کی طرف سے ثابت نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه."

(الحديث) (مشكوٰة ۲/۳٦۸، باب الضيافة) (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۹۲، دارالاشاعت کراچی)

منگنی کے موقعہ پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا حکم

مجلسِ نکاح میں اشیاءِ خوردنی کی تقسیم خواہ اشیاء از قسم کھجور یا مٹھائی ہوں یا دوسری چیزیں، نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ کی قبیل سے ہے، کیونکہ صحیح روایات میں بوقتِ نکاح ان چیزوں کی تقسیم کا ذکر نہیں آیا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہم نے اس پر مواظبت کے طور پر عمل فرمایا ہے، لہٰذا اگر اس عمل کو لازم یا سنت سمجھ کر کیا جائے تو ناجائز ہوا لیکن اگر بوقتِ نکاح اشیاء خوردنی کی تقسیم اس غرض سے کی جائے کہ چونکہ یہ ایک مبارک مجلس اور نیک تقریب ہے جس میں مسلمان مرد اور عورت کے درمیان عقدِ نکاح کیا گیا ہے جو ایک عبادت بھی ہے اور خدا کی طرف سے ایک نعمت بھی، لہٰذا اس موقعہ پر شکرانے کے طور پر یا فریقین میں سے ایک فریق اس نیت سے کھانا کھلانے کا انتظام کردے کہ آپس میں محبت بڑھے اور دوستی مضبوط ہو جائے تو ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور کچھ بعید نہیں کہ تالیفِ قلوب کی نیت سے کیا گیا یہ عمل اجر وثواب کا ذریعہ بن جائے، کیونکہ شریعت نے ہر اس عمل کی ہمیں ترغیب دی ہے جس کی وجہ سے آپس میں باہمی محبت بڑھتی ہو اور دینی تعلقات مضبوط ہوتے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: أطعموا الطعام وأفشوا السلام إلخ اور فرمایا کہ تحابوا تهادوا. (الحدیث) اس کے علاوہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بعض دفعہ اشیاء خوردنی مجالسِ نکاح میں کھائی بھی گئی ہیں۔ چنانچہ بیہقی، اوسط اور معجم میں مروی ہے:

إن النبي عليه السلام حضر في أملاك أي عقد نكاح فأتى بأطباق عليها جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا أيدينا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مالكم لا تأخذون فقالوا إنك نهيت عن النهبى فقال إنما نهيتكم عن نهبى العساكر خذوا على اسم الله إلخ. (مجموعة الفتاوى ١/٤٤٦)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ (جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاہِ حبشہ نجاشی کے واسطہ سے ہو چکا تھا) طبقات ابن سعد سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

ثم بعد الفراغ من النكاح أرادوا أن يقوموا فقال إجلسوا فإن سنة الأنبياء إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعى بطعام فأكلوا ثم تفرقوا. (مجموعة الفتاوى ١/٤٤٦)

چونکہ ان دونوں روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں لہٰذا ان سے سنیت، وجوب یا فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی؛ البتہ اباحت وجواز ثابت ہو سکتا ہے۔

بہر حال اگر ان چیزوں کا ثبوت عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں صحیح احادیث اور معتبر روایات سے نہ بھی ملتا ہو تب بھی اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ عمل امورِ مباح میں شمار ہوگا۔ بشرطیکہ اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً کھانے کی یہ چیزیں یا طعام لڑکے یا لڑکی والوں نے بطیبِ خاطر تیار کیا ہو اور ان پر کسی قسم کا جبر نہ کیا گیا ہو، نہ وہ اس پر ناراض ہوں اور اس کو لازم اور سنت بھی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ ایسا صرف باہمی محبت ومودّت کے استحکام کے لیے کیا گیا ہو تو ایسی حالت میں یہ ایک قسم کی ضیافت ہوگی جس کو کسی طرح بھی ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (فقط واللہ اعلم) (فتاویٰ حقانیه : ٤/٤٣١)

دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کی وجہ سے شرکت نہ کرنا

جس دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جارہا ہو اور یہ بات پہلے سے معلوم ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں اور اگر وہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا تو اگر گانا بجانا وغیرہ دستر خوان کے پاس نہ ہو تب بھی عالم اور مقتداء ہونے کی صورت میں واپس آجائے اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو ٹھہر جانے میں بھی گنجائش ہے اور اگر غیر شرعی امور کا ارتکاب دستر خوان کے قریب ہو رہا ہو تو پھر واپس ہو جانا ضروری ہے چاہے عوام الناس میں سے کیوں نہ ہو۔

قال العلامة المرغيناني: ومن دعي إلى وليمة أو طعام فوجد ثمه لعبا أو غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل. قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: ابتليت بهذا مرة فصبرت وهذا لأن إجابة الدعوة سنة. قال عليه السلام: ((من لم يجب الدعوة فقد عصى أبا القاسم)) فلا يتركها لما اقترنت به من البدعة من غيره كصلوة الجنازة واجبة الإقامة وإن حضرتها نياحة فإن قدر على المنع منعهم وإن لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدي فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين والمحكىٰ عن أبي حنيفة في الكتاب كان قبل أن يصير مقتدي ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدي لقوله تعالى: ﴿ولا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين﴾ هذا كله بعد الحضور ولو علم قبل

الحضور لايحضر لأنه لم يلزمه حق الدعوة بخلاف ماإذا هجم عليه لأنه قد لزمه.

(الهداية ٤/٤٥٥ كتاب الكراهية)

قال الطوري : وإن كان ذلك على المائدة فلا يقعد وإن كان هناك لعب وغناء قبل أن يحضر ولا يحضر لأنه لا يلزمه الإجابة إذا كان هناك منكر لما روي عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال صنعت للنبي صلى الله عليه وسلم طعاما فدعوته له فحضر فرأى في البيت تصاوير فرجع.

(البحر الرائق: ۱۸۸/۸ كتاب الكراهية)

ومثله في "بدائع الصنائع" ١٢٨/٥ كتاب الاستحسان.

(فتاویٰ حقانیه :٤/)

باب حقوق الزوجین

شریعتِ مطہرہ نے میاں بیوی کے حقوق بھی متعین فرمادیئے۔ مختصراً دونوں کے چند شرعی حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خاوند پر بیوی کے حقوق یہ ہیں

1 بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: ((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: استوصوا بالنساء خيرا فإنهن خلقهن من ضلع إن أعوج الشيئ في الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمة كسرته وإن تركته لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء)) متفق عليه. (مشكوٰة باب عشرة النساء وما لكل أحد من الحقوق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ نے ارشاد فرمایا: ''عورت کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو، اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، جو ٹیڑھی ہے، سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہٰذا اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے، اگر پسلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔'' (بخاری و مسلم)

2 اعتدال کے ساتھ اس کی ایذاء پر صبر کرنا یعنی اگر بیوی سے کوئی خلافِ طبع اور ناگوار بات صادر ہو تو اس پر صبر کرنا برداشت کرلینا اور نرمی سے اس کو سمجھا دینا تاکہ آئندہ وہ خیال رکھے اور معمولی بات پر غصہ کرنے سے پرہیز کرنا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خُلقاً وخيار كم خيار كم لنسائهم. رواه الترمذي.

(مشكوٰة: ۲/ ۲۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کامل ایمان والا مومن وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ با اخلاق ہے اور تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا برتاؤ کرنے والا ہے۔''

3 غیرت میں اعتدال رکھنا اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو خوامخواہ بیوی سے بدگمانی کرے اور نہ بالکل اس کی طرف سے غافل ہو جائے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من الغيرة ما يحب الله ومنها ما يبغض الله فأما التي يحبها الله فالغيرة في الريبة وأما التي يبغضها الله فالغيرة في غير ريبة. رواه أحمد وأبو داؤد.

(مشكوٰة: باب اللعان)

4 خرچ میں اعتدال کرنا۔ یعنی حد سے زیادہ تنگی نہ کرے نہ فضول خرچی کی اجازت دے بلکہ میانہ روی اختیار کرے۔

عن حكيم بن معاوية القشيري عن أبيه قال : قلت يا رسول الله ماحق زوجة أحدنا عليه قال أن تطعمها إذا طعمتَ وتكسوها إذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا في البيت. رواه أحمد وأبو داؤد وابن ماجة. (مشكوٰة: ٢/ ٢٨١)

حکیم بن معاویہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی جس طرح تم کھاؤ پہنو اسی طرح اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ) اس کے منہ پر مت مارو، اور نہ اس کو برا کہو (کہ اللہ تیرا برا کرے) اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو۔ (احمد ابوداؤد ابن ماجہ)

5 حیض ونفاس کے احکام سیکھ کر بیوی کو سکھانا نماز پڑھنے اور دین پر چلنے کی تاکید کرتے رہنا اور بدعت ورسومات سے منع کرنا۔

6 اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان میں حقوق برابر رکھنا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال إذا كانت عند الرجل إمرأتان، فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط. (رواه الترمذي وأبو داؤد والنسائي ابن ماجة والدارمي مشكوٰة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کے نکاح میں (ایک سے زائد مثلاً) دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل وبرابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے

دن (میدانِ حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا۔ (ترمذی ابوداؤد وغیرہ)

7 بقدرِ ضرورت اس سے جماع (ہمبستری) کرنا۔

8 بلا اجازت عزل نہ کرنا یعنی صحبت کرتے وقت بیوی کی مرضی کے بغیر باہر منی خارج نہ کرنا۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يعزل عن الحرة إلا بإذنها. رواه ابن ماجة.

(مشكوٰة باب المباشرة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرہ (آزاد عورت) کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

9 بلا ضرورت طلاق نہ دینا۔

عن ابن عمران عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله الطلاق. رواه أبو داؤد. (مشكوٰة باب الطلاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مباح چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین چیز (یعنی سب سے بری چیز) طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

0 بقدرِ ضرورت رہنے کے لیے مکان دینا۔

وكذا تجب لها السكنىٰ في بيت خال عن أهله وأهلها بقدر حالهما وبيت مفرد من دار له غلق كفاها... إلخ.

(ردالمحتار :۳ باب النفقة)

a کبھی کبھی بیوی کے محارم اور قریبی عزیزوں سے اس کو ملنے دینا۔

(ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين) في كل جمعة إن لم يقدر على إتيانها على مااختاره في الإختيار ولو أبوها زمنا مثلا فاحتاجها فعليها تعاهده ولو كافرا وإن أبى الزوج فتح. (ولا يمنعها من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم في كل سنة) لها الخروج ولهم الدخول. زيلعي.

(ردالمحتار ۳/۲ ۶۰، باب النفقة)

b اس کے ساتھ ہمبستری کی باتیں دوسروں پر ظاہر نہ کرنا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أعظم الأمانة عندالله يوم القيامة وفي رواية أن من أشر الناس عندالله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي إلى امرأته وتفضي إليه ثم ينشر سرها. رواه مسلم

(مشکوٰۃ ۲/ ۲۷٦، باب المباشرة)

c ضرورت کے وقت بیوی کو مارنے اور تنبیہ کرنے کی جو حد شریعت نے بتلائی ہے اس سے زیادہ مار پیٹ نہ کرنا۔

بیوی پر شوہر کے حقوق

1 ہر جائز کام میں خاوند کی اطاعت کرنا البتہ خلاف شرع اور گناہ کے کام میں معذرت کرے۔

2 خاوند کی حیثیت سے زیادہ نان ونفقہ کا مطالبہ نہ کرنا۔

3 شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔

4 شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کسی کو نہ دینا۔

5 اس کی اجازت کے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا اور نفل روزہ نہ رکھنا۔

6 خاوند صحبت کے لیے بلائے تو شرعی ممانعت اور رکاوٹ کے بغیر انکار نہ کرنا۔

7 خاوند کو اس کی تنگدستی یا بدصورتی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا۔

8 اگر خاوند میں کوئی بات خلاف شرع اور گناہ کی دیکھے تو ادب کے ساتھ منع کرنا۔

9 اس کا نام لے کر نہ پکارنا۔

0 کسی کے سامنے اس کی شکایت نہ کرنا۔

a اس کے سامنے زبان درازی اور بدزبانی نہ کرنا۔

b اس کے والدین کو اپنا مخدوم سمجھ کر ان کا ادب واحترام کرنا ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر یا کسی اور طریقے سے ایذا نہ پہنچانا۔ (ماخوذ از دین کی باتیں وحقوق الاسلام)

احادیث مبارکہ

1 **عن أمّ سلمة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((أيما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة))** (رواه الترمذي)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی وخوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

2 عن أبي أمامة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه يقول : ماستفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن لمرتها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله. (رواه ابن ماجة، مشكوٰة ۲ /۲٦۸ كتاب النكاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن اللہ تعالیٰ کے تقوی کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت وخوبصورت بیوی، ایسی بیوی کی خصوصیت ہے کہ اگر (شوہر) اس کو حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (پاک صورت وسیرت سے) اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو اس قسم کو پورا کرتی ہے، اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو اپنے نفس کی (پاکدامنی کے ذریعہ) اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔ (ابن ماجہ)

3 عن طلق بن علي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن كانت على التنور)). رواه الترمذي. (مشكوٰة : ۲ /باب عشرة النساء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے (یعنی جماع کے لیے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہیے اگرچہ وہ چولہا کے پاس ہو۔ (ترمذی)

4 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تصوم امرأة إلا باذن زوجها. (مشكوٰة باب عشرة النساء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزے نہ رکھے۔ (ابوداؤد)

5 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتوذي امرأة زوجها في

الدنيا إلا قالت زوجته من الحور العين لا تؤذيه قاتلك الله فإنما هو عندك دخيل يوشك أن يفارقك إلينا. رواه الترمذي وابن ماجة (مشكوٰة باب عشرة النساء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے، اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچاؤ کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا۔ (ترمذی)

6 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو كنت أمر أحد أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من حق. رواه أبوداؤد ورواه أحمد عن معاذ بن جبل. (مشكوٰة باب عشرة النساء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ (اللہ کے علاوہ) کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں (بہت زیادہ) حق مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤد)

7 وفي رواية قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ولو أمرها أن تنقل من جبل أصفر إلى جبل أسود ومن جبل أسود إلى جبل أبيض كان ينبغي لها أن تفعله. رواه أحمد. (مشكوٰة باب عشرة النساء)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر (عورت کو) اس کا شوہر یہ حکم دے کہ وہ زرد رنگ کے پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائیں اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے شوہر کا حکم بجالائے۔'' (احمد)

۞۞۞۞۞

شادی کی بعض قبیح رسومات کا بیان

مجھے ضرور پڑھیں

تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل ومکمل اتباع کریں، یہی کامیابی کا راز ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے اور مومن جنت کا مستحق بنتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى قيل: ومن أبى ؟ قال من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى. رواه البخاري. (مشكوٰة باب الاعتصام بالسنة)

چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''میری تمام امت، جنت میں داخل ہوگی مگر وہ شخص جس نے انکار کیا اور سرکشی کی (جنت میں داخل نہ ہوگا)۔ پوچھا گیا وہ کون شخص ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت وفرمانبرداری کی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔'' (بخاری)

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہے اس پر سخت وعیدیں ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فمن رغب عن سنتي فليس مني." (مشكوٰة)

''یعنی جو شخص میرے طریقے سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری جماعت سے خارج ہے۔)''

جو شخص میری سنت سے انحراف کرتا ہے اور میری بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ میری سنت اور میرے طریقے سے بیزاری وبے رغبتی کر رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص میری جماعت سے خارج ہے، اسے مجھ سے اور میری جماعت سے کوئی نسبت نہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا فليس منه فهو رد." (متفق عليه)

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں نہیں وہ مردود ہے۔'' (بخاری ومسلم)

مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کو مردود قرار دیا جا رہا ہے، جو محض اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی بنا پر دین وشریعت میں نئی نئی بات اور نئے نئے طریقے رائج کرتے ہیں۔ ایسی غلط باتوں کا انتساب شریعت کی طرف کرتے ہیں، جس کا اسلام میں سرے سے وجود ہی نہیں۔ (مظاہرِ حق جدید)

اتباعِ خواہشات، گمراہی ہے

خدائی ہدایت کو چھوڑ کر خواہشات کی اتباع کرنا، خلاف شرع رسم ورواج کا ایجاد کرنا، اور ان کی پیروی کرنا بہت ہی خطرناک فعل ہے، اس سے بسا اوقات آدمی ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فإن لم يستجيبوا لك فاعلم أنما يتبعون أهوائهم ومن أضل ممن اتباع هواه بغير هدى من الله إن الله لا يهدي القوم الظالمين﴾ (سوره قصص)

''یعنی اگر یہ لوگ آپ کی دلیل اور بات قبول نہ کریں تو سمجھ لیں کہ وہ لوگ محض خواہشاتِ نفسانی کے بندے اور متبع ہیں، (جس چیز کو ان کا دل مانے قبول کرتے ہیں اور جس کو دل قبول نہ کرے چھوڑ دیتے ہیں) اور جو شخص اللہ کی ہدایت ترک کر کے اپنی خواہش کی پیروی کرنے والا ہے اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟ بے شک ایسے ظالم اور بے انصاف لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والے نہیں ہیں۔'' (بیان القرآن)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه لاينقص ذلك من أجورهم شيئا، ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل أثام من تبعه لاينقص ذلك من آثامهم شيئا. رواه مسلم (مشكوٰة باب الاعتصام بالسنة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا

اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کو جو اس کی پیروی کرے اور اس (پیروی کرنے والے) کے ثواب میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور جو کسی کو گمراہی کی طرف بلائے اس کو اتنا گناہ ہوگا جتنا اس کو جو اس کی اطاعت کریں اور ان کے گناہ میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔'' (مسلم)

آج مسلمانوں میں عقائد کی کمزوری کے ساتھ عملی کمزوری بھی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ بہت سے غلط عقائد اور جاہلانہ رسم ورواج مسلمانوں کے معاشرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ حتی کہ ہماری شادی بیاہ اور دیگر تقریبات اسی طرح خوشی وغمی کے دیگر مواقع ولادت وموت وغیرہ میں اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر محض غیر مسلموں کی نقالی اور پیروی کی جا رہی ہے۔ حتی کہ اس بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے؟ وہ بھی نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے جو بہت افسوسناک بات ہے، اس لیے ہم ذیل کی سطور میں خوشی وغمی کے مواقع کی مناسبت سے چند رسومات کا شرعی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیتے ہیں۔

منگنی کی رسم

منگنی کی حیثیت، شرعاً یہ ایک وعدہ نکاح ہے، اس کے لیے کوئی مستقل دعوت مشروع نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں منگنی مستقل ایک رسم بن گئی ہے، اس کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ طرفین کے تمام رشتہ داروں کو مدعو کریں۔ اگر کسی وجہ سے ایک طرف کے شرکاء کم ہوں تو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ تو دم کٹے ہیں، ان کا کوئی رشتہ دار ہی نہیں ہے۔ دو تین آدمی چوروں کی طرح آ گئے وغیرہ وغیرہ۔ اس کو رسم کے طور پر ادا کرنے اور اس میں شامل ہونے جیسے خلاف شرع امور سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اس کی مزید تفصیل منگنی کے بیان میں گزر چکی ہے۔

مہینوں کو منحوس سمجھنا

بعض علاقہ والے یا برادری والے بعض مہینوں کو منحوس سمجھ کر ان میں شادی بیاہ کی تقریب منعقد نہیں کرتے، خصوصاً محرم اور صفر کے مہینوں کو منحوس سمجھتے ہیں اس لیے ان مہینوں میں شادی کی تقریب کو نحوست کا سبب سمجھتے ہوئے ڈرتے ہیں جبکہ یہ لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اور سراسر شریعتِ مطہرہ کے خلاف عقیدہ ہے، آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] قسم کے باطل توہمات کی نفی فرما چکے ہیں لہٰذا اس باطل عقیدہ کی بنیاد پر شادی کے بعض دن یا

تاریخ کو منحوس سمجھنا شرعاً جائز نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لا عدوي ولا طيرة ولا صفر وفر من المجذوم كما تفر من الأسد. رواه البخاري

(مشكوٰة:۲/۳۹۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرض متعدی ہونے کا عقیدہ، بدشگونی (بدفالی) اُلو (بولنے سے نحوست آنے کا عقیدہ) اسی طرح ماہ صفر کے منحوس ہونے کا عقیدہ شریعت سے ثابت نہیں، البتہ جذامی شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ (بخاری)

وعن جابر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا عدوى ولا صفر ولاغول. رواه مسلم.

(مشكوٰة ۲/۳۲۹، باب الفال والطيرة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک کا مرض دوسرے کو لگنے کا عقیدہ، نیز ماہ صفر کے منحوس ہونے کا عقیدہ اسی طرح جن بت کے راستہ روکنے کا عقیدہ باطل ہے۔ (مسلم شریف)

مہندی کی رسم

شادی کا موقع ہو یا عام حالات، خواتین کے لیے اپنے ہاتھوں میں مہندی لگانا شرعاً ایک پسندیدہ اور مستحب عمل ہے، شرعاً عورت کو حکم ہے کہ مہندی لگایا کرے تا کہ ان کے ہاتھ مردوں کے مشابہ نہ رہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت أومت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبض النبي صلى الله عليه وسلم بيده، فقال ما أدري أيد رجل أم يد امرأة قالت بل يدامرأة قال لو كنت امرأة لغيرت أظفارك يعني بالحناء.

رواه أبوا داؤد والنسائي. (مشكوٰة: ۲/۳۸۳ باب الترجل)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے دیوار کی اوٹ سے آپ علیہ السلام کو ایک پرچہ دینے کی کوشش کی آپ علیہ السلام نے وہ پرچہ ان کے ہاتھ سے لینے سے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا معلوم نہیں مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا، تو عرض کیا کہ عورت کا

ہاتھ ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو مہندی لگا ہوا ہوتا ہے، ہاتھ و ناخن مردوں کے مشابہ نہ ہوتا۔ (ابوداؤد)

اس زمانے میں شادی سے قبل رسم مہندی کے نام سے جو رسم ادا کی جاتی ہے، اس میں شرعاً کئی قباحتیں ہیں، اس مقصد کے لیے بعض برادریوں میں مستقل دعوت ہوتی ہے مرد و خواتین کا ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، دعوت نہ کرنے پر لعن طعن ہوتا ہے رشتہ داروں میں سے جو اس دعوت میں شرکت نہ کرے اسے بھی لعن طعن کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ رسم قابلِ ترک ہے۔ اجتناب لازم ہے۔

دولہا کے لیے مہندی کی رسم

بعض علاقوں میں شادی سے قبل دولہا کے گھر میں بھی ایک مستقل رسم مہندی کے نام سے دعوت ہوتی ہے، اس میں بھی دونوں طرف کے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے، خصوصاً خواتین اس میں شرکت کرتی ہیں دولہن کی طرف سے آنے والی خواتین دولہا کو مہندی لگاتی ہیں، جبکہ شرعاً مردوں کے لیے بطورِ زینت ہاتھوں میں مہندی لگانا جائز نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بمخنث قد خضب يديه ورجليه بالحناء فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مابال هذا قالوا يتشبه بالنساء فأمر به فنفي إلى النقيع. رواه أبو داؤد. (مشكوٰة باب الترحل: ٣٨٤/٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث کو لایا گیا جس نے (عورتوں کی طرح) اپنے ہاتھوں میں مہندی لگا رکھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا کہ اس کو کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ شخص (اپنے رہن سہن، بول چال اور طور طریقوں میں) مردوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (شہر سے) باہر نکال دینے کا حکم دیا۔ اس کو (مدینہ منورہ کی ایک جگہ) نقیع میں بھیج دیا گیا، اس سے زیادہ قبیح و اور شنیع حرکت یہ ہے کہ دولہن کی طرف سے آنے والی خواتین کے ذریعہ دولہا کو مہندی لگائی جائے، یہ تو دوہرا گناہ ہوا، ایک تو مرد کے لیے مہندی لگانے کا گناہ دوسرا غیر محرم اجنبی مرد عورت کا ایک دوسرے کو ہاتھ لگانا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں ہاتھوں کا زنا قرار دیا ہے۔

قوله عليه السلام: "اليدان تزنيان وزناهما البطش."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھوں کا بھی زنا ہے کہ کسی اجنبیہ عورت کو ہاتھ لگانا۔

نیز اجنبی عورت کو ہاتھ لگانے اور مصافحہ کرنے پر احادیثِ مبارکہ میں سخت وعید وارد ہوئی ہیں، چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کسی اجنبی عورت کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔

قوله عليه السلام: أن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له. (رواه الطبراني والبيهقي)

"اپنے سر میں سوئی گھونپنا زیادہ بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر کوئی عورت خود درخواست کرتی تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف انکار فرما دیتے تھے، چنانچہ روایت میں ہے:

أخبرنا مالك أخبرنا محمد بن المنكدر عن أميمة بنت رقيقة أنها قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في نسوة تبايعه. قلنا: يا رسول الله! نبايعك على أن لا نشرك بالله شيئا ولا نسرق ولا نقتل أولادنا ولا نأتي ببهتان نفتريه بين أيدينا وأرجلنا ولانعصيك في معروف قال رسول الله صلى الله وسلم فيما استطعتن وأطقتن. قلنا: الله ورسوله أرحم منا بأنفسنا هلم نبايعك يارسول الله قال إني لاأصافح النساء وإنما قولي لمائة امرأة كقولي لا مرأة واحدة أو مثل قولي لامرأة واحدة. (موطاء إمام مالك باب ما يكره من مصافحة النساء)

"امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان بہت سی عورتوں کے ساتھ حاضر ہوئی جو آپ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھیں۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنی طرف سے کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، معروف (یعنی احکام شرع) میں نافرمانی نہ کریں گی، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قدر تمہارے اندر استطاعت اور قدرت ہو۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر خود ہم سے زیادہ شفیق ہیں۔ یا رسول اللہ! اپنے دست مبارک ہماری طرف بڑھایئے تا کہ ہم آپ سے بیعت کریں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں، میرا سو عورتوں سے کچھ کہنا ایک عورت کو کہنے کی طرح یا ایک عورت کو کہنے کی مانند ہے۔'' (موطا امام محمد)

لہٰذا امت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں، اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، مثلاً چچی ممانی چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد، بہنوئی، دیور، نند، جیٹھ، خالو پھوپھا وغیرہ یعنی ایسے رشتہ دار جن سے پردہ کرنا فرض ہے، ان سے مصافحہ کرنا جائز نہیں۔

جب اجنبی مرد و عورت کا مصافحہ جائز نہیں تو ہاتھ پکڑ کر مہندی لگانا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس لیے اس قبیح رسم سے بچنا، بچانا مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے، ورنہ اس میں شرکت کرنے والی خواتین اور شریک مرد سب گناہگار ہوں گے۔

ابٹن لگانا

شادی بیاہ کے موقع پر ابٹن لگانے کا رواج ہے شرعاً اس میں کوئی مضایقہ نہیں، یعنی لڑکی کو ابٹن لگانا فی نفسہ جائز ہے، لیکن اس موقع پر جو مفاسد و منکرات ہوتے ہیں، مثلاً تصویر کشی، بے پردگی، اجنبی مردوں اور عورتوں کا اختلاط، مووی بنانا، اور اسراف وغیرہ یہ سب امور ناجائز اور حرام ہیں۔

اس لیے ان ناجائز امور سے بچنا ضروری ہے، البتہ ان تمام مفاسد اور منکرات سے بچ کر ابٹن لگایا جائے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں، رسم مہندی کے تحت جو آیات و احادیث مذکور ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ان تمام منکرات سے اجتناب کیا جائے، خوشی کے ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور نافرمانی سے بچنا نہایت ضروری ہے، یہی اصل موقع ہوتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتے ہیں، خوشی اور غمی کے مواقع میں دین پر ثابت قدم رہنا ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔

بقول بہادر شاہ ظفر:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا گو وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہے جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہے

شادی کے موقع پر گانا بجانا

شادی کے موقع پر بعض لوگ گانا بجانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ بعض لوگ تو باقاعدہ گلوکار بلاتے ہیں، پھر بڑے بڑے ڈیک لگا کر اس قدر شور کیا جاتا ہے کہ اڑوس پڑوس کے لوگوں کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے، بعض لوگ اس موقع پر اداکاروں کو بلا کر ناچ کا اہتمام کرتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے یہ عمل کئی قسم کے گناہوں پر مشتمل ہے:

(۱) پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانا شرعاً حرام ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : والله لا يؤمن والله لايؤمن، والله لايؤمن، قيل من يا رسول الله؟ قال الذي لا يؤمن جاره بوائقه. متفق عليه .

(مشكوٰة ٢/٤٢٢، باب الرحمة على الخلق)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص مسلمان نہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کونسا شخص ہے؟ تو ارشاد فرمایا جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔'' (بخاری ومسلم)

(۲) ناچ گانا بذاتِ خود بہت بڑا گناہ کے کام ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة.......الخ. (البزار، وبيهقي)

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز دوسری مصیبت کے وقت چیخنے کی آواز۔ (بیہقی)

عن أنس رضي الله عنه مرفوعا: ثمن القينة سحت وغنائها حرام. (نيل الاوطار بحواله طبراني)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ گانے والی عورت کی اجرت حرام ہے اور اس کا گانا بھی حرام ہے، (یعنی گلوکار، گلوکارہ، اداکار، اداکارہ وغیرہ ان کی کمائی حرام ہے)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قعد إلی قینة یستمع منها صب اللہ في أذنیه لانك یوم القیامة. (رواہ صصري في أمالیه وابن عساکر في تاریخه)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گانے والی عورت کے پاس گانا سننے کے لیے بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالے گا۔''

شادی کے موقع پر دَف بجانے کی تفصیل

عن عائشة رضي اللہ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوه في المساجد واضربوا علیه بالدفوف. رواہ الترمذي وقال هذا حدیث غریب.

(مشکوٰۃ ۲/۲۷۲ باب اعلان النکاح)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نکاح کا اعلان کیا کرو، نکاح مسجد کے اندر کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو۔'' (ترمذی)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : فصل مابین الحلال والحرام الصوت والدف في النکاح. (رواہ أحمد والترمذي)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال وحرام کے درمیان فرق نکاح میں آواز اور دف بجانا ہے۔'' (ترمذی، احمد)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نکاح میں اعلان ہونا چاہیے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان دونوں مرد وعورت کا آپس میں نکاح شرعی کا تعلق قائم ہوگیا ہے، زناکاری میں مبتلا نہیں، کیونکہ زنا شرعاً حرام ہے، نکاح کے اعلان کی دو صورتیں بتائیں کہ مسجد میں مجلسِ نکاح منعقد کیا جائے، تاکہ عام نمازی حضرات کو اس کا علم ہو جائے، دوسری صورت دف بجانے کی ہے جس سے محلہ کی عورت، مرد بوڑھے بچے سب باخبر ہو جائیں گے باقی دف کے ذریعہ اعلان جائز ہے کوئی فرض واجب نہیں کہ نکاح اس پر موقوف ہو۔

علامہ قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دف سے مراد وہ دف ہے جس میں جھانج نہ ہو کیونکہ جھانج والا دف بالاتفاق مکروہ ہے یعنی گناہ ہے۔

(مظاہر حق جدید ۳/۲۷۴)

ان روایات سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ شادی کے موقع پر گانا بجانا موسیقی سننا چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو جائز ہے، یہ ان کی غلط فہمی ہے اور مزاجِ شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور اپنے نفسانی خواہشات کو شریعت ثابت کرنے کی ناپاک جسارت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت مطہرہ کی پابندی کی توفیق نصیب فرمائے اس قسم کے خرافات سے حفاظت فرمائے۔

اشکال جواب:

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیقی کے بارے میں بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ شادی کے موقع پر دف بجانا حدیث سے ثابت ہے اور موسیقی بھی دف ہی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہونا چاہیے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں جس دف کا ذکر ہے وہ صرف نکاح کے موقع پر کچھ دیر کے لیے بجایا جاتا تھا شادی کے علاوہ بلاضرورت دف بجانے والوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروں سے سزا دیتے تھے۔

إن الفاروق رضي الله عنه إذا سمع صوت الدف بعث ينظر فإن كان في الوليمة سكت وإن كان في غيره عمده بالدرة.

(فتح القدیر: ٦/٣٦، البحر الرائق: ٧/٨٨)

پھر شادی کے موقع پر بھی دف پیٹنے والی عموماً چھوٹی بچیاں ہوتی تھیں، مردوں کا دف پیٹنا کہیں ثابت نہیں۔ پھر یہ دف بھی اہل عرب کی عادت کے مطابق بالکل سادگی سے پیٹا جاتا تھا۔ نہ اس میں جھانجھ ہوتی تھی، نہ رقص وسرور یا طرب ومستی کا کوئی اور نشان فی زمانہ ایسے دف کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔

معہٰذا مذکورہ بالا شرائط کی رعایت سے دف پیٹنے کی گنجائش بھی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، احناف میں سے اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

قال التوربشتي رحمه الله: أنه حرام على قول أكثر المشايخ وماورد من ضرب الدف في العرس كناية عن الأعلان. (امداد الفتاوی: ٢/٢٨٣)

یعنی امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشائخ کے قول کے مطابق حرام

ہے اور شادی کے موقع پر جودف بجانا ثابت ہے اس سے اعلان وتشہیر مراد ہے۔

لہٰذا اس سے موسیقی کے جواز پر استدلال کرنا عقل وانصاف سے بعید بات ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

امداد الفتاویٰ میں تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بحوالہ شرح نقایہ، نصاب الاحتساب وبستان العارفین منقول ہے، آخری دو کتابیں موجود نہیں، شرح نقایہ میں سرسری تلاش سے دستیاب نہیں ہوا، بہرحال نصوص محرمہ کے پیش نظر یہ توجیہ کرنا لازم ہے اور یہ کوئی تاویل بعید نہیں عام محاورات کے مطابق ہے۔

اعلان وتشہیر کے لیے یہ کنایہ عرف عام میں بہت مشہور اور زبان زد ہے، مثلاً:

''بیانگ دہل کہہ رہے ہیں۔''

''ڈھول بجا رہے ہیں۔''

''ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔''

''نقارہ پیٹ رہے ہیں۔''

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ یہ اختلاف سادہ دف کے متعلق ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

المراد به الدف الذي كان في زمن المتقدمين وأما ما عليه الجلاجل فينبغي أن يكون مكروها بالاتفاق. (مرقاة المفاتيح: ۶/۲۱۰)

''اس سے مراد وہ دف ہے جو متقدمین کے دور میں استعمال ہوتا تھا، جھانجھ دار دف بالاتفاق مکروہ ہے۔''

مکروہ کا اطلاق حرام پر کیا گیا، جیسے اوپر گذرا۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ

گانے بجانے کی حرمت پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اجماع منعقد ہے اور ان کے مذاہب کی مستند کتب سے اس پر بیسوں عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم صرف ایک ایک عبارت پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ امام زین الدین ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

(قوله أو يغني للناس) لأنه يجمع الناس على ارتكاب كبيرة كذا في الهداية وظاهره أن الغناء كبيرة وإن لم يكن للناس بل لا سماع نفسه رفعا للوحشة، وهو قول شيخ الإسلام رحمه الله فإنه قال بعموم المنع.

وفي المعراج الملاهي نوعان محرم وهو الآلات المطربة من غير الغناء كالمزمار سواء كان من عود أو قصب كالشبابة أو غيره كالعود والطنبور لما روي أبو أمامة رضي الله عنه أنه عليه الصلاة والسلام قال إن الله بعثني رحمة للعالمين وأمرني بمحق المعازف والمزامير ولأنه مطرف مصد عن ذكر الله تعالىٰ والنوع الثاني مباح وهو الدف في النكاح.'' (البحر الرائق: ۸۸/۷)

''لوگوں کے سامنے گانے والے کی شہادت قبول نہیں اس لیے وہ لوگوں کو ایک کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر جمع کر رہا ہے، ہدایہ میں یونہی ہے، اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ گانا ایک کبیرہ گناہ ہے گو کہ لوگوں کے لیے نہ گایا جائے بلکہ وحشت وتنہائی دور کرنے کے لیے صرف اپنے لیے گایا جائے اور یہی شیخ الاسلام خواہرزادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انہوں نے گانے کو مطلقاً منع لکھا ہے۔

اور معراج الدرایۃ میں ہے کہ کھیل تماشے دو قسم کے ہیں: ایک تو حرام ہے اور وہ ہے گائے بغیر صرف ہیجان مستی پیدا کرنے والے آلات کی آواز، جیسے بانسری خواہ لکڑی کی ہو یا نرکل کی جیسے شبابہ یا بانسری کے سوا کوئی اور آلہ جیسے عود وطنبور۔

حرمت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے باجا، تاشے اور بانسری مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔

حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مستی آواز اور ذکر الٰہی سے مانع ہے۔

اور تفریح کی دوسری قسم جائز اور وہ ہے نکاح کے موقع پر دف بجانا۔''

اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے، تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مالکی مذہب:

(۲) علامہ محمد بن خطاب مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال في التوضيح :الغناء إن كان بغير الة فهو مكروه.
وأما الغناء بالة فإن كانت ذات أوتار كالعود والطنبور فممنوع
وكذلك المزمار والظاهر عند بعض العلماء أن ذلك يلحق
بالمحرمات وإن كان محمد أطلق في سماع العود أنه مكروه،
وقد يريد بذلك التحريم ونص محمد بن الحكيم على أن سماع
العودة ترد به الشهادة قال وإن كان ذلك مكروها على كل حال وقد
يريد بالكراهة التحريم كما قدمنا.

(مواهب الجليل: ١٥٣/٦)

''توضیح میں ہے کہ گانا اگر بغیر آلاتِ موسیقی کے ہوتو وہ مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے
مراد حرام ہے۔
اور آلات کے ساتھ گانا اگر ایسے آلہ کے ساتھ ہو جو تاروں والا ہے جیسے عود اور طنبور
گانا ممنوع ہے اور اسی طرح بانسری بھی ممنوع ہے۔
محمد بن حکیم رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ عود سننے والے کی گواہی روکی جائے گی،
اس کا سننا ہر حال میں مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے حرام مراد ہے جیسے گزر چکا۔

مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ:

(۳) امام ابو حامد غزالی شافعی رحمہ اللہ حرمتِ غناء کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ، سفیان
ثوری، مالک بن انس ودیگر علماء رحمہم اللہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقال الشافعي رحمه الله في كتاب اداب القضاء، أن الغناء لهو
مكروه يشبه الباطل ومن استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته.
قال الشافعي رضي الله عنه صاحب الجارية إذا جمع الناس لسماعها
فهو سفيه ترد شهادته.
وحكى عن الشافعي رحمه الله أنه كان يكره الطقطقة بالقضيب
ويقول وضعته الزنادقة ليشغلوا به عن القرآن.

(أحياء علوم الدين: ٢٦٩/٢)

''امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب آداب القضاء میں لکھتے ہیں کہ گانا بجانا ایک مکروہ
اور باطل مشغلہ ہے، جو اس میں زیادہ انہماک رکھے وہ احمق ہے، اس کی گواہی رد

کر دی جائے گی۔"

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گانے والی لونڈی کا مالک اگر گانا سنانے کے لیے لوگوں کو جمع کرے تو وہ بھی احمق اور مردود الشہادۃ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ چھڑی بجانے سے جو ٹک ٹک کی آواز پیدا ہو وہ بھی مکروہ و ناپسندیدہ ہے، یہ فتنہ زندیق کی ایجاد ہے تا کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو قرآن مجید سے غافل کر دیں۔

حنبلی مذہب:

(۴) علامہ علی بن سلمان مرادوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال في الرعاية يكره سماع الغناء والنوح بلاالة ويحرم معها وقيل بدونها من رجل وامرأة. (الإنصاف: ۱۲/۵۱)

"الرعایہ میں ہے کہ گانا اور نوحہ آلاتِ موسیقی کے بغیر مکروہ ہے اور ان آلات کے ساتھ حرام ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان آلات کے بغیر بھی حرام ہی ہے، خواہ مرد کی آواز ہو یا عورت کی۔"

آگے لکھتے ہیں:

قال في الفروع يكره غناء وقال جماعة يحرم وقال في الترغيب اختاره الأكثر. (حوالہ بالا)

"فروع میں لکھا ہے کہ گانا مکروہ ہے اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حرام ہے اور ترغیب میں لکھا ہے کہ اکثر حضرات نے اس قولِ حرمت کو اختیار کیا ہے۔"

نتیجۃً اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے مکروہ بھی بحکمِ حرام ہی ہے۔

(احسن الفتاویٰ :۸/۳۸٤)

"وكره كل لهو". (الدرالمحتار)

وقال ابن عابدين رحمه الله :والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق فإنها مكروهة لأنها زي الكفار."

(ردالمحتار كتاب الحظر والإباحة فصل في البيع :٦/٣٩٥ سعيد)

تصویر کشی کی لعنت

شادی کی محفل میں تصویر کشی بھی عام ہونے لگی ہے، اچھے خاصے دیندار کہلانے والے بھی اس گناہ میں مبتلا نظر آتے ہیں، کیمرہ کے ذریعہ بھی تصویر کشی ہوتی ہے، نیز گروپ فوٹو کا بھی اہتمام ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر مووی بنائی جاتی ہے، اب موبائل کا دور ہے، ہر شخص فوٹو گرافر نظر آتا ہے، مزید ستم ظرفی یہ ہے کہ اجنبی مرد و عورت بھی ایک دوسرے کی تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں، تصویر کشی ایک موجب لعنت فعل ہے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو حرام قرار دیا ہے، اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہیں۔ اس کے باوجود شادی جیسی بابرکت محفل میں اس منحوس کام کو انجام دیا جاتا ہے تو ایسی شادی بابرکت ہونے کی بجائے نحوست والی ہو جاتی ہے، دونوں خاندان میں الفت ومحبت کی بجائے نفرت وعداوت کا سبب بن جاتے ہیں، اس نحوست کی وجہ سے طلاق تک کی نوبت آ جاتی ہے، اب ہم تصویر کشی کی حرمت پر چند احادیث نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں اس عظیم گناہ سے نفرت پیدا فرمادے۔ آمین۔

قالت عائشة رضي الله عنها: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم من سفر وقد سترت بقرام لي على سهولة فيه تماثيل فلما راه رسول الله صلى الله عليه وسلم هتكه وقال أشد الناس عذابا يوم القيامة الذي يضاهؤن بخلق الله. (بخاري: ۸۸۰، باب التصاوير)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے میں نے طاق پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ قیامت کے روز ان لوگوں کو سخت ترین عذاب ہوگا جو صفتِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نقل اتارتے ہیں۔'' (بخاری)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایسا تکیہ خرید لیا جس پر تصویریں تھیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں داخل ہوتے وقت جب اس تکیہ کو دیکھا تو دروازہ پر رک گئے اور حجرے میں داخل نہیں ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر ناگواری کے آثار کو بھانپ گئی (تصویر دار تکیہ کی وجہ سے ناگواری ہے) حضرت عائشہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اللہ کے رسول میں اللہ کی نافرمانی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف متوجہ ہوں کہ میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے کہ آپ میرے حجرے میں داخل نہیں ہو رہے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تکیہ کیسا ہے یہ تم کہاں سے لائی ہو؟ کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ میں نے اس تکیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خریدا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں اس کا سہارا لے کر بیٹھیں جس وقت چاہیں اس کو سوتے وقت سر کے نیچے رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا یاد رکھو تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تصویر تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو اور ان کو زندہ کرو۔

نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا تصاویر." (متفق علیه)

(مشکوٰۃ)

"جس گھر میں کتے اور تصویر ہوں، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

(بخاری ومسلم)

ان دونوں حدیثوں سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ گناہ کی جگہ جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے وہاں جانا درست نہیں، کیونکہ جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے، وہ عذاب والی جگہ ہوگی۔ تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی گناہ کا کام ہوتا نظر آئے یعنی خلاف شرع کوئی بھی بات نظر آ جائے اور انسان کے اندر اس گناہ کو مٹانے کی قدرت ہو تو اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دینا لازم ہے اور اس کے خلاف غم وغصہ کا اظہار بھی کیا جائے اور ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جائے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم توڑنے کی وجہ سے ناراض ہیں۔ تصویر سازی اور بلا ضرورت اس کا استعمال بھی عظیم گناہ ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس تصویر والے پردہ کو پھاڑ دیا۔ لہٰذا امت کے ہر فرد پر لازم ہے کہ تصویر سے ایسی ہی نفرت کا اظہار کیا جائے اور بلا ضرورت اس کے استعمال سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

شادی کی محفل مجلس وعظ میں بدل گئی

میرے بڑے بھائی عالمِ دین ہیں اور ایک مسجد کے پیش امام ہیں، اچانک ان کا فون

آیا کہ فلاں شادی ہال میں کچھ وعظ ونصیحت کا پروگرام ہے آپ تیاری کر کے آئیں۔

مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس دور میں شادی کے موقع پر ہر قسم کے گناہ کو جائز سمجھ لیا جاتا ہے تصویر کشی، گانا بجانا، بے پردگی وغیرہ پھر دعوتِ ولیمہ کے موقع پر وعظ ونصیحت کیسے؟ اس لیے صورتِ حال دریافت کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ دولہا کے والد صاحب کا تبلیغی جماعت سے دیرینہ تعلق ہے۔

گھر کے دیگر افراد کی رائے تھی کہ دعوت کے موقع پر گانا بجانے کا بھی پروگرام ہو اور مووی وغیرہ کی تصویر بھی یادگار کے طور پر بنوائی جائے کچھ گروپ فوٹو اتاری جائے، لیکن ان صاحب کو فکر لاحق ہوئی کہ یہ کام تو بہر حال حرام ہے، علماء سے یہ بھی سنا ہے کہ شادی کے موقع پر اگر گناہ ومعصیت کا ارتکاب کیا جائے تو اس شادی میں بے برکتی ہوتی ہے، بعض دفعہ گناہوں کی نحوست سے دونوں خاندانوں میں اختلافات شروع ہو جاتے ہیں تلخی شروع ہو جاتی ہے، کبھی طلاق تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ انہوں نے امام صاحب سے مشورہ کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اس موقع پر ضرور کوئی ایسا پروگرام ہو کہ تمام شرکاء گناہ سے بچ جائیں، دعوت کے کھانا تیار ہونے تک کوئی دینی باتوں کا سلسلہ بھی رہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا جائے، مردوں کے حصہ میں بھی اور عورتوں کے حصہ میں بھی اور کسی اچھے خطیب کو دعوت دی جائے چنانچہ خاندان کے دیگر افراد نے بھی اس تجویز کو قبول کیا۔ آپس کے مشورہ میں میرے بارے میں فیصلہ ہوا کہ ان کو دعوت دی جائے، چنانچہ وقت مقررہ پر شادی ہال پہنچا، خواتین کے لیے پردہ کا خاص اہتمام تھا، مرد حضرات الگ احاطہ میں تھے، بحمد اللہ! پورا ایک گھنٹہ منکرات پر بیان ہوا اتنے میں کھانا بھی دسترخوان پر لگ گیا، اس طرح الحمد للہ پورا مجمع تصویر کشی کی لعنت اور گانا سننے سنانے کے گناہ سے بچ گئے، نیز فضول باتوں اور قصے کہانی میں مشغول رہنے کی بجائے قرآن وحدیث سننے کا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا بھی موقع ملا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

رسم نیوتہ (نندرہ کا بیان)

شادی کے موقع پر جو قبیح رسومات انجام دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک رسم نیوتہ بھی ہے، اس کی حقیقت قباحتوں اور شرعی حکم پر مشتمل ایک سوال وجواب یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے عرف میں نندرہ کی رسم ہے جو دعوتِ ولیمہ کے بعد ہوتی ہے کہ جس میں اہل شادی خانہ کو شرکاء دعوت رقم دیتے ہیں جو کہ رجسٹر میں یادداشت کے طور پر درج کی جاتی ہے اور پھر اہل شادی خانہ جب ان شرکاء میں سے کسی کی شادی پر شرکت کرتے ہیں تو جن شرکاء نے رقم ان کو دی تھی یہ اس سے رقم بڑھا کر واپس ادا کرتے ہیں اور دوسرے موقع پر رقم واپس ادا نہ کریں تو آپس میں ناراضگی ہو جاتی ہے اور اسکے بعد ایک دوسرے کے ولیمہ اور شادی کی دعوت میں شریک نہیں ہوتے۔

نیز مذکورہ سوال میں ذکر کئے ہوئے پہلو کے علاوہ بھی تفصیلات ہیں لہٰذا قرآن وحدث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

بینوا وتوجروا جزاک اللہ خیرا۔

❀❀

شادی کے موقع پر سوال میں ذکر کردہ طریقہ پر نیوتہ یا نندرہ کے نام سے جو رقم وصول کی جاتی ہے اس میں شرعاً کئی قباحتیں ہیں:

۱۔ قرض کا لین دین ہے، جبکہ بلا ضرورت قرض کا لین دین شرعاً ایک ناپسندیدہ عمل ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے، نیز قرض کو قرض اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مقراض المحبہ "محبت کو کاٹنے والی" ہے۔

۲۔ اگر دی ہوئی رقم سے بڑھا کر لوٹائی جائے اور ایسا کرنا بھی اس رسم کا حصہ ہو تو یہ زائد رقم سود کے حکم میں ہے۔

۳۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ قرض واپس کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا ہے، مثلاً واپسی سے پہلے ہی دونوں میں سے ایک علاقہ چھوڑ کر دور کہیں چلا جائے یا ایک کا انتقال ہو جائے، اس صورت میں دوسرے کے حق تلفی اور ناجائز طور پر مال استعمال کرنے کا گناہ ہوا۔

۴۔ کسی کی دعوت کر کے اس سے پیسے وصول کرنا، غیرت اور حمیت کے خلاف ہونے کے علاوہ ایک احمقانہ حرکت ہے، اگر کسی کو دعوت کرنے کی استطاعت نہیں تو وہ دعوت کرتا ہی کیوں ہے؟ بالکل نہ کرے یا جتنے افراد کو کھلانے کی استطاعت ہے صرف اتنے ہی افراد کی دعوت کرے، ان قباحتوں کی بنا پر یہ رسم واجب الترک ہے۔

وفي الفتاوىٰ الخيرية: سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الإعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا؟ أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزمه الوفاء به مثليا فبمثله، وإن قيميا فبقيمته إلى قوله قلت: والعرف في بلادنا مشترك نعم في بعض القرىٰ يعدونه قرضا حتى أنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم مايهدي فإذا جعل المهدي وليمة يراجع المهدي الدفتر فيهدى الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه .(ردالمحتار ٦٩٦/٥، كتاب الهبة)

فالإهداء بقصد المكافاة بالأفضل مكروه لكل الأمة لكونه خلافا للمؤدة إلخ، أحكام القرآن للجصاص.

(أحكام القرآن للتهانوي: ١٠٠/٢ سورة الروم)

احسان اللہ شائق عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والارشاد کراچی

۱۹/۷/۱۴۲۹ھ **فتوىٰ نمبر: ٤٥٢٩٣/٤٧**

شادی اور فضول خرچی

شادی کے موقع پر ایک گناہ کا کام یہ بھی انجام دیا جاتا ہے کہ فضول خرچی اور اسراف بہت ہوتا ہے، مثلاً بلاضرورت بہت زیادہ روشنی کا اہتمام کرنا، پھر اس کے لیے کنڈے کے ذریعہ بجلی چوری کی جاتی ہے جس سے قباحت اور بڑھ جاتی ہے، اسی طرح ضرورت سے زائد کھانا پکانا، پھر اس کو ضائع کرنا، نیز قرض لے کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر دعوت کرنا، اس کے ذریعہ شہرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا وغیرہ جبکہ فضول خرچی کرنے سے قرآن کریم نے سختی سے منع فرمایا ہے، اس کو شیطان کی تابعداری قرار دیا ہے۔

قوله تعالىٰ: ﴿ولا تبذر تبذيرا إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين وكان الشيطن لربه كفورا﴾ (الإسراء: ٢٧)

اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا، بے شک بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی اس کے مشابہ ہوتے ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

تبذیر کی تعریف

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تبذیر یہ ہے کہ انسان مال تو حق کے مطابق حاصل کرے، مگر خلافِ حق خرچ کر ڈالے، اور اس کا نام اسراف بھی اور یہ حرام ہے۔ (تفسیر قرطبی)

قولہ تعالیٰ: ﴿کلوا واشربوا ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾
(الأعراف: ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچہ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ بندہ حدِ شرعی کے اندر رہ کر زندگی گزارے حدودِ شرع سے تجاوز نہ کرے، اور کھانے پینے میں نہ بخل سے کام لے نہ ہی اسراف اور فضول خرچی میں مبتلا ہو۔

قولہ تعالیٰ: ﴿والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما﴾

یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں خود خرچ کرنے میں توسط میانہ روی رکھتے ہیں، نہ حد ضرورت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ اس سے کم خرچ کریں۔

اسراف کی ایک صورت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلف صالحین نے اس بات کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے ہی کے دھندے میں مشغول رہے، یا اس کو دوسرے کاموں سے مقدم جانے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا مقصدِ زندگی یہی کھانا پینا ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو دل چاہے اس کو ضرور ہی پورا کرے۔

إن من الأسراف أن تأكل كل ما اشتهيت.

(ابن ماجة عن أنس)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات ووأد البنات، ومنع وهات، وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال، وإضاعة المال. متفق عليه.

(مشكوة باب البر والصلة ۲/۴۱۹)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام فرمایا ہے والدین کی نافرمانی کو، لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کو، اور بخل اور غیر اللہ سے بلا ضرورت سوال کرنے کو اور فضول بحث ومباحثہ اور بلا ضرورت زیادہ سوالات کرنے اور مال کو بے جا ضائع کرنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

کھانا کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں اس کا کوئی حصہ ضائع کرنا گناہ ہے، وہ کھانا جس کو ضائع کیا گیا انسان کے حق میں بددعا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی لقمہ ہاتھ سے گر جائے اس کو بھی اٹھا کر صاف کر کے کھالیں اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑیں۔ جسے پہلے آیت کے ضمن میں معلوم ہو چکا کہ اسراف وتبذیر شیطانی عمل ہے، تو کھانا ضائع کرنا بھی اسی میں داخل ہے:

وعن جابر رضي الله عنه قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن الشيطان يحضر أحدكم عند كل شيء من شأنه حتى يحضره عند طعامه فإذا سقطت من أحدكم اللقمة فليمط ما كان بها من أذى ثم ليأكلها ولايدعها للشيطان، فإذا فرغ فليعلق أصابعه فإنه لا يدرى في أي طعامه يكون البركة. رواه مسلم. (مشكوٰة ۲/۳٦۳، باب الأطعمة)

دلہن کے منہ دکھائی کی رسم

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ رخصتی کے بعد دلہن کو گھر لایا جاتا ہے تو منہ دکھائی کی رسم ادا کی جاتی ہے یعنی دلہن کو مسہری بٹھا دیا جاتا ہے، اور پھر دولہا کے رشتہ دار دولہن کا چہرہ دیکھ کر کچھ ہدیہ (یعنی نقدی، نوٹوں کا ہار یا کوئی انگوٹھی وغیرہ) پیش کرتے ہیں دیدار کرنے والے مردوں میں زیادہ تر غیر محرم ہوتے ہیں، دولہا کے بہنوں، ماموں زاد چچازاد، خالہ زاد وغیرہ۔

یہ ایک قبیح رسم ہے خصوصاً غیر محرم عورت کو قصداً دیکھنا اور دکھانا قرآن وحدیث کی رو سے حرام ہے، اور اس پر لعنت وارد ہوئی۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لعن الله الناظر والمنظور إليه. (مشكوٰة)

کہ غیر محرم کی طرف دیکھنے والا اور جس کی طرف دیکھا جارہا ہے۔ دونوں ملعون ہیں۔ یہ رسم قابلِ ترک ہے۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لخوف الفتنة

كمسه وإن أمن الشهوة. (الدر المختار)

تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة.

(ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ: ۱/۴۰۶ سعید کمپنی)

شادی کے موقع پر بے پردگی

شادی کے موقع پر ایک گناہ جو بہت عام ہوگیا ہے، وہ بے پردگی، کا گناہ ہے، عام بے دین طبقہ کی تو بات ہی الگ ہے، ان کا تو شادی کا پورا نظام ہی گناہوں کے کاموں پر مشتمل ہوتا ہے، خلاف شروع رسم درواج شادی کی محفل میں مردوزن کا اختلاط کھڑا ہوکر کھانا پینا، وغیرہ، لیکن بات دیندار طبقہ کی ہے، جنہیں اپنی دینداری پر ناز ہے، عام حالات میں بظاہر گھروں میں شرعی پردہ کا خیال بھی رکھا جاتا ہے، لیکن شادی کے موقعہ پر وہ اس حکمِ شرعی میں غفلت برتتے ہیں اور شرعی پردہ کا ایسا ہی تاکیدی حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ نماز روزے کا اب نہ معلوم کیا وجہ ہے، مسلمان خواتین پردہ کا اہتمام نہیں کرتی اور مرد حضرات بھی پردہ کا ماحول فراہم نہیں کرتے، خصوصا شادی کے موقع پر، گناہ سے بچنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا وقت ہوتا ہے، کہ میرے بندے کو اتنی بڑی خوشی نصیب ہورہی ہے کیا اس موقع پر یہ مجھے یاد رکھتا ہے یا میرے احکامات کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے،

شرعی پردہ کا اہتمام

قرآن وحدیث کی رو سے مسلمان خواتین کے لیے شرعی پردہ کا اہتمام کرنا ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرضِ عین ہے۔ ایسا ہی شرعی پردہ بھی فرضِ عین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایک مقام پر پردے کے حکم کو شریعت کے دوسرے احکامات پر مقدم ذکر فرمایا۔

چنانچہ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ وأقمن الصلوٰة واٰتين الزكوٰة وأطعن الله ورسوله﴾ (سورة الاحزاب: ۳۳)

”اے مؤمن عورتو! تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔ اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔‘‘(سورۃ الاحزاب:۳۳)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں خواتین کے لیے گھروں کے اندر ٹھہرے رہنے کو واجب قرار دیا گیا ہے مگر مواضعِ ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں۔(معارف القرآن)

قوله تعالیٰ ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (أحزاب:۵۹)

ارشادفرمایا ہے:

’’اے نبی! آپ اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمان عورتوں سے فرمادیجئے (کہ جب مجبوری کی بناء پر گھروں سے باہر جانا پڑے) تو اپنے چہروں کے اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکالیا کریں۔‘‘(سورۃ الاحزاب)

اور سورۂ احزاب میں تیسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’اور جب تم ان سے (امہات المؤمنین سے) کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر (کھڑے ہوکر وہاں) سے مانگا کرو۔‘‘(سورۃ الاحزاب)

یعنی بلاضرورت تو پردے کے پاس جانا اور بات کرنا بھی نہیں چاہیے لیکن بہ ضرورت کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہیے۔

(بیان القرآن)

نگاہ پست رکھنے کا حکم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قوله تعالى: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكىٰ لهم والله خبير بما يصنعون﴾ (نور:۳۰)

﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهم ويحفظن فروجهن ﴾ الآية.

(النور:۳۱)

(اے نبی!) آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کی طرف مطلقاً دیکھنا جائز نہیں، اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کا فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت سے دیکھنا جائز نہیں (اس کو شہوت کی نگاہ سے نہ دیکھیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا اور لواطت سب داخل ہیں) یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ

کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور اسی طرح مسلمان خواتین سے کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔'' (یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا اور سحاق سب داخل ہیں)

(بیان القرآن)

عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کا حق نہیں:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عورتوں کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کا حق نہیں مگر اس وقت (جبکہ وہ کسی ضرورت شدیدہ پیش آنے کی وجہ سے نکلنے پر) مجبور ہو جائیں۔'' (طبرانی)

عورت چھپانے کی چیز ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المرأة عورة فإذا خرجت استشر فها الشيطان . رواه الترمذي.

(مشكوٰة ٢٦٩/٢ باب النظر إلى المخطو بة)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عورت چھپانے کی چیز ہے (یعنی عورت کے لیے پردے کے ذریعے خود کو چھپانا ضروری ہے) کیونکہ وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک کرتا ہے۔''

(ترمذی شریف:۱/۱۴۰)

بد باطن لوگ جو گلی کوچوں میں بیٹھ کر عورتوں کو جھانکتے رہتے ہیں، یہ سب شیطان کے کارندے ہیں، شیطان کے ورغلانے سے یہ عورتوں کی تاک جھانک میں لگے رہتے ہیں، اسی لیے عورتوں کو چاہیے کہ بلا ضرورت شدیدہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

غیرت مند خاتون:

وعن قيس بن شماس رضي الله عنه قال جاءت امرأة إلى النبي صلى الله عليه وسلم يقال لها أم خلاد وهي متنقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول، فقال لها بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم جئت تسألين عن ابنك وأنت منقبة فقالت أن أرزاء ابني فلن ارزاء حيائي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابنك له أجر شهدين قالت ولم ذاك يا رسول

الله؟ قال لأنه قتله أهل الكتاب. (رواه أبو داؤد في كتاب الجهاد)

''حضرت قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ام خلاد نامی ایک صحابی عورت، اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں۔ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئی تھیں۔ اس حالت کو دیکھ کر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اپنے (شہید) بیٹے کی حالت معلوم کرنے آئی ہو اور چہرہ پر نقاب؟ (مطلب یہ تھا کہ پریشانی کے عالم میں بھی پردے کا اس قدر اہتمام!) ام خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ جی ہاں! بیٹے کی شہادت کی مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہوں لیکن اس کی وجہ سے شرم وحیاء کا چھوڑ کر (دینی) مصیبت زدہ نہیں بنوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کے بارے میں ان کو خوشخبری سنائی کہ تمہارے بیٹے کو دو اجر ملے۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا، اس لیے کہ ان کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔''

(ابوداود، کتاب الجہاد)

مطلب یہ ہے کہ کسی غیرت مند خاتون کا ضمیر اس بات کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ حیاء وشرم کی چادر کو اتار کر مردوں کے سامنے ننگی پھرتی رہے۔ چاہے موقع خوشی کا ہو یا غم کا، حیاء وشرم کا برقرار رکھنا ہی کمال ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کیا تم اپنی عورتوں (ماں، بہنوں اور بیٹیوں) کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ بازاروں میں گھومتی پھریں اور کفاروں اور فاسقوں سے رگڑ کر چلیں۔ خدا تباہ وبرباد کرے اس کو جو غیرت نہ رکھتا ہو۔'' (احیاء العلوم: ۲/۴۸)

چار اہم چیزیں:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پیغمبروں کی طرزِ زندگی میں چار چیزیں (بہت اہم ہیں) حیاء کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔'' (ترمذی شریف)

غیر محرم مردوں کا بے محابا گھروں میں داخل ہونا ممنوع ہے:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إياكم والدخول على النساء فقال رجل: "يا رسول الله! أرأيت الحمؤ؟" قال: "الحمؤ: الموت".

(مشکوٰۃ: ۲۶۷ کتاب النکاح)

تم (غیر محرم) عورتوں کے پاس داخل ہونے سے اجتناب کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اگر وہ مرد شوہر کی طرف سے عورت کا رشتہ دار ہو؟ (یعنی تب بھی منع ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے (یعنی شوہر کے رشتہ دار: دیور، جیٹھ وغیرہ) سے تو اس طرح ڈرتے رہنا چاہیے جس طرح موت سے ڈرا جاتا ہے۔"

(مشکوٰۃ: ۲۶۷)

مطلب یہ ہے کہ سسرالی رشتہ داروں سے پردہ نہ کرنے میں اجنبی مردوں کی بہ نسبت زیادہ خطرہ ہے۔

شیطان کی شرکت:

عن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. رواه الترمذي.

(مشکوٰۃ باب النظر إلى المخطوبة)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"کوئی مرد جب کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے علاوہ تیسرا فرد شیطان ضرور موجود ہوتا ہے۔" (مشکوٰۃ: ۳۶۹)

پردے کی حد:

کتنی عمر کے لڑکوں سے پردہ کیا جائے؟ اس کی حد کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ جب لڑکا دس سال کا ہو جائے اور اس کے جسم کے ظاہری نشو نما، بالغ کی طرح معلوم ہو تو دس سال سے ہی پردہ کیا جائے اور اگر ماحول اور حالات اور جسمانی نشو ونما سے اندازہ ہو کہ یہ ابھی حدِ شہوت کو نہیں پہنچا تو بارہ سال تک رخصت ہوگی۔ اس کے بعد عورتوں کے لیے پردہ ضروری ہے۔ پندرہ سال پورے ہونے کے بعد تو کسی طرح کی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ پندرہ سال کے بعد

بالاتفاق اس پر بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔(احسن الفتاوی:۸)

اور لڑکیوں کی عمر جب نو سال پوری ہو جائے تو اس وقت سے ان کو پردے کا حکم دیا جائے گا۔

لیکن افسوس صد افسوس! آج مسلمان خواتین نے اسلام کے اس اہم حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور مردوں نے بھی اپنی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بچیوں کو اس پر عمل کروانا چھوڑ دیا ہے۔ گھروں میں رہنا، چار دیواری میں بیٹھنے کو پسند کرنا تو دور کی بات، ہر کام کے لیے خود گھر سے باہر جانے کو ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ لباس خریدنا ہو یا اور کوئی سامان میاں کو گھر بٹھا کر خود بازار چلی جاتی ہیں بلکہ اب تفریحی مقامات کا چکر کاٹنا بھی خواتین کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ پھر مزید یہ ہے کہ باہر جاتے ہوئے برقعہ بھی چھوڑ دیا جاتا ہے اس پر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ لباس بھی نیم آستین اور تنگ چست اپنانے لگی ہیں۔ گویا کہ قرآنی احکام کے سراسر خلاف نیم برہنہ مسلم خواتین، گھروں سے باہر گھومنے پھرنے لگیں۔(اعاذنا اللہ منہ)

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے:

جس طرح اجنبی مردوں سے پردہ فرض ہے، اسی طرح بہت سے غیر محرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کرنا فرض ہے، جن کی فہرست یہ ہے:

۱- چچازاد ۲- پھوپھی زاد ۳- خالہ زاد، ماموں زاد ۴- دیور

۵- جیٹھ ۶- نندوئی ۷- بہنوئی ۸- پھوپھا

۹- خالو ۱۰- شوہر کا بھتیجا ۱۱- شوہر کا بھانجا ۱۲- شوہر کا چچا

۱۳- شوہر کا ماموں ۱۴- شوہر کا پھوپھا ۱۵- شوہر کا خالو

پردہ کے بارے میں اشکال:

بعض عورتوں کو اشکال ہوتا ہے کہ اتنے سارے رشتہ داروں سے پردہ ہے تو کون سے مرد رہ گئے ہیں جن سے پردہ نہیں۔ اس طرح تو شریعت میں بہت تنگی ہے حالانکہ شریعت میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لایکلف اللہ نفسا إلا وسعها﴾ (البقرة)

''یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زائد احکام کا مکلف نہیں بناتے۔''

بلکہ یہ اعتراض خود تنگ نظری پر مبنی ہے، اس لیے کہ ان رشتہ دار مردوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن سے پردہ فرض نہیں۔ اب ان کی بھی ایک اجمالی فہرست پیش خدمت ہے:

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض نہیں ہے:

1	شوہر	2	باپ	3	دادا
4	پردادا	5	بیٹا	6	پوتا
7	پڑپوتا	8	نواسا	9	پڑنواسہ
0	چچا (حقیقی، علاتی، اخیافی)	a	بھائی (تینوں قسم کے)	b	بھتیجے (تینوں قسم کے بھائیوں کے)
c	بھانجے (تینوں قسم کی بہنوں کے بلا واسطہ یا بالواسطہ)	d	ماموں (تینوں قسم کے)	e	نانا
f	پڑنانا	g	سسر	h	داماد
i	شوہر کے بیٹے (یعنی عورت کے سوتیلے بیٹے)	j	رضاعی باپ	k	رضاعی بیٹا
l	رضاعی بھائی	m	رضاعی چچا	n	رضاعی ماموں وغیرہ

غرضیکہ فروعات کو ملا کر تیس سے زائد قسم کے مردوں سے پردہ فرض نہیں ہے، لہٰذا یہ اشکال پیش کرنا کہ شریعت میں تنگی ہے بالکل فضول اور لایعنی بات ہے۔

رشتہ داری ختم ہونے کا خیال:

بعض خواتین کا کہنا ہے کہ اس طرح تو رشتہ داری ختم ہو جاتی تو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان غیر محرم مردوں کے ساتھ آپ کی رشتہ داری پہلے ہی کہاں قائم تھی، جو اب ختم ہو جائے گی....؟ ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً آپ کے لیے حلال ہے اور پردہ کے بعد بھی حلال رہے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بے پردگی کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ درحقیقت محبت نہیں بلکہ شہوت پرستی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق اور نظارہ بازی کے ذریعے نفسانی جذبات کو تسکین دی جاتی ہے، ورنہ رشتہ داری کی بنیاد پر جو حقیقی محبت ہوتی ہے وہ تو ہر حال میں قائم رہتی ہے۔ خواتین شرعی پردے کی پابندی کر کے تجربہ کریں، آپ کے دل کے سکون میں اضافہ ہوگا، آپ

کی قدر ومنزلت، عزت واحترام بڑھ جائے گا۔

گھر کے کئی افراد کا ایک ساتھ ہونا:

ایک اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر گھر کے کئی افراد ایک مکان میں رہنا چاہیں تو پردے کی وجہ سے ایک ساتھ رہنا تو ممکن نہیں۔ یا تو پردہ ختم کرنا ہوگا یا یکجا رہائش ختم کر کے منتشر ہونا پڑے گا۔

یہ اشکال بھی شرعی احکام سے جہالت اور ناواقفیت پر مبنی ہے، ورنہ ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی شرعی پردہ کی پابندی آسانی کے ساتھ ہوسکتی ہے۔

طریقہ:

جب مرد، گھر میں آئے تو کھنکھارتے ہوئے آئے۔ خواتین فوراً پردہ کرلیں اور مرد اپنے کمرہ میں چلا جائے۔ اسی طرح استنجاء وغیرہ کے لیے جانے کی ضرورت ہو تو یہی طریقہ اپنائے، مرد یہ اہتمام کرے کہ بھاوج کے مخصوص کمرے میں ہرگز نہ جائے اگر کچھ سودا سلف منگوانا یا کوئی ضروری بات دیور یا جیٹھ سے کرنی ہو تو دیوار کے پیچھے سے (آواز میں لچک پیدا کیے بغیر) کرے۔ اگر کوئی چیز دینا یا لینا پڑے تو ہتھیلی ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ ہاتھ باہر نکال کر دے سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پورے جسم کو ظاہر کیا جائے۔ اسی طرح کھانا وغیرہ عورتیں اور مرد الگ الگ کھائیں۔ اس فعل سے بہ آسانی پردے کے حکم پر عمل ہوسکتا ہے۔

اتنی مرتبہ تو دیکھ چکے:

بعض خواتین کا کہنا ہے کہ وہ شخص چھوٹا تھا اتنی مرتبہ تو دیکھ چکے یا وہ تو میرے بھائی کے برابر ہے، یا میرے بیٹے کے برابر ہے میں نے تو اس کو بچپن سے پالا ہے وغیرہ بات یہ ہے کہ پہلے جتنا عرصہ بھی بے پردگی میں گزرا ہو اس سے پردے کا حکم ساقط نہیں ہوتا جیسے کسی نے بلوغت کے بعد دو چار سال نماز نہ پڑھی ہو تو کیا اس سے موت تک کے لیے نماز معاف ہوجائے گی، ہرگز نہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ توفیق دے، نماز شروع کرے اور فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے اور اسی طرح پردے کے حکم میں بھی سابقہ بے پردگی سے توبہ کرے اور آئندہ کے لیے پابندی کرے۔ باقی بھائی جیسا بیٹا جیسا شریعت میں اس کا اعتبار نہیں۔ پھر تو کوئی مرد پسند آجائے اگر ذرا معمر ہو تو اس کو باپ جیسا اگر جوان ہو تو بھائی جیسا کہہ کر پردہ ختم کردیا جائے تب

تو شریعت ایک مذاق بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کی توفیق دے اور مسلمان خواتین کو شرعی پردے کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے شادی کا موقع اسی طرح دیگر خوشی وغمی کا موقع ہو۔اس میں بھی اس حکمِ شرعی پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

سہرا باندھنا کافروں کی رسم ہے

شادی کے موقع پر بعض علاقوں میں دستور ہے کہ دولہا کے ماتھے پر سہرا باندھتے ہیں، یہ ایک خالص ہندوانی رسم ہے، انہیں سے لی گئی ہے۔مسلمانوں پر لازم ہے کافرانہ رسم ورواج سے اجتناب کرے اس لیے یہ رسم قابل ترک ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ سہرا باندھنا ہندوانی رسم ہے، انہیں سے لی گئی ہے۔اور قابل ترک ہے۔

(کفایت المفتی ٤/٤٩، کتاب الحضر والاباحة ،تیسرا باب رسوم مروجه)

حضرت مفتی محمود دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ سہرا باندھنا ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی رسم ہے ان کے اثر سے بعض بے علم بے عمل مسلم خاندانوں میں آ گئی ہے، یا باقی رہ گئی پھر بعض نے اس پر سہرا پڑھنے کا اضافہ کیا اور بعض نے سہرا پڑھنے کو سہرا باندھنے کا بدل قرار دیا۔اول (اضافہ) ضغث علی ابالہ ہے، ثانی (بدل) بے اصل بلکہ خلاف اصل ہے۔

اس لیے واجب الترک ہے ہندوستانی علماء وفقہاء نے ان کو شبہ کی بنا پر منع فرمایا ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم اللہ کی تحریرات اس رسم کی ممانعت پر موجود ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد كتاب اللباس باب في لبس الشهرة)

نوٹوں کا ہار پہنانا

شادی کے موقع پر پھول کا ایک آدھ ہار پہنانے کی تو گنجائش ہے، خوشی کا موقع ہے باقی اس کو باقاعدہ رسم بنالینا درست نہیں۔

اور جہاں تک نوٹوں کے ہار کا تعلق ہے، اس میں کئی خرابیاں ہیں: مثلاً بلا وجہ مال کا ضیاع

اور اسراف، اور ہار کے لینے دینے میں ایک دوسرے پر فخر، بلکہ بعض علاقوں میں رسم نیوتہ میں داخل ہے، اس لیے نوٹوں کا ہار استعمال نہ کیا جائے، اگر ہدیہ ہی دینا مقصود ہو تو اس کے لیے کوئی سادہ طریقہ اختیار کیا جائے جو ریا و نمود اور دیگر خرابیوں سے خالی ہو۔

قال تعالیٰ ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (الأنعام: ۱۵۳)

قال العلامة الألوسي تحتها: إشارة إلى شرعه عليه الصلوة والسلام: ولا تتبعوا السبل (أي الضالات... وأخرج ابن المنذر وعبد بن حميد وغيرهما أنهما البدع والشبهات.

(روح المعاني: ۵۶/۸، ۵۷ دار احياء التراث العربى بيروت)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سمع الناس بعمله سمع الله به أسامع خلقه، وحقره وصغره. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

شادی کے موقع پر فائرنگ

آج کل بہت سے لوگ شادی کے موقع پر فائرنگ کرتے ہیں، اس کو اظہارِ خوشی کا ذریعہ سمجھ لیا گیا، اس کو بھی لوگوں نے ایک رسم بنالی، خود کو ناپسند ہو تب بھی عزیز و اقارب جو شادی کے موقع پر جمع ہوتے ہیں وہ فائرنگ کرتے ہیں، اس کے دنیوی نقصانات تو سب کے سامنے ہی ہیں کہ کتنی جانیں اس سے تلف ہوئیں بارہا ایسا ہوا کہ دلہن ہی کو گولی لگ گئی، دولہا اس کے ساتھیوں کو گولی یا عزیز و اقارب زخمی ہو گئے، اس طرح یہ خوشی کا موقع ایک غمکدہ بن جاتا ہے، جو لوگ خوشی منانے آئے تھے وہ جنازہ اٹھا کر لے جا رہے، جس دولہا دلہن کے لیے یہ محفل سجائی گئی تھی خود انہی کا جنازہ اٹھایا جا رہا ہے، پھر بسا اوقات اس سے دونوں خاندانوں میں طویل دشمنی لڑائی جھگڑے شروع ہوتے ہیں، عرصہ دراز تک پریشانی کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

نیز کسی مسلمان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔

قال: كل المسلم على المسلم حرام، دمه وماله وعرضه.

(ابن ماجة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يشير أحدكم على أخيه بالسلاح فإنه لا يدري لعل الشيطان ينزع في يده فيقع في حفرة من النار.

(بخاري رقم: ١٩٥)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنے کسی (دینی) بھائی کی طرف اسلحہ سے اشارہ نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شیطان انجانی میں اس کے ہاتھ سے چھڑوادے (اور اس کے ہاتھ سے ناحق قتل ہوجائے) اور پھر اس کی وجہ سے جہنم کے گھڑے میں گر پڑے۔ (بخاری شریف)

ایسی غلطی سے قتل کرنے یا ہونے پر شریعتِ مطہرہ نے دنیوی طور پر یہ سزائیں مقرر کی ہیں:

۱- قاتل کے عاقلہ (یعنی خاندان و پارٹی) پر دیت ادا کرنا لازم ہے جو (دس ہزار دراہم یا ہزار دینار، یا سو اونٹ ہیں)

۲- قاتل پر کفارہ (ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے)۔

۳- قاتل پر توبہ واستغفار۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک بری رسم ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

بارات کا کھانا

دلہن والوں کی طرف سے بارات کو کھانا کھلانے کی رسم کے سلسلہ میں ایک سوال وجواب یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ سمجھنا اور رسم کو ترک کر کے شریعت پر عمل کرنا آسان ہو۔

[۵۵۱۸]p: بعض مسلمان برادریوں میں شادی کے موقع پر یہ طریقہ رائج ہے کہ لڑکے والے جو بارات کو لے کر دلہن کے گھر جاتے ہیں تو ان تمام براتیوں کو بشمول عورت و مرد کھانا کھلایا جاتا ہے، جس کو عرفِ عام میں "بارات کا کھانا" کہتے ہیں۔ کچھ لوگ بارات کا کھانا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر برادری میں ان کی قدر و منزلت نہ رہے گی، یہ بدنامی ہوگی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسم بند ہونی چاہیے، یہ اسراف بیجا اور غیر شرعی فعل ہے اور اس رسم

کے بند ہو جانے سے ان لوگوں کی بھی پردہ پوشی ہوگی جو کہ بارات کا کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن اس رسم کی مجبوری سے قرض وغیرہ کی مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں، لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ فعل مہمان نوازی میں داخل ہے؟

کیا بارات کا کھانا کھلانے کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا دیگر بزرگانِ دین سے یہ فعل صادر ہونا ثابت ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا اس فعل کو بند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ نیز کوشش کرنے والے مستحق اجر ہوں گے یا نہیں؟ (عبدالاحد: مدرس دارالعلوم دیوبند)

الجواب حامداً ومصلياً:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں شادی کی یہ شان نہیں تھی، جو آج کل رائج ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو نہیں کیا، بلکہ خبر تک بھی نہیں کی۔

عن أنس رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبدالرحمن رضي الله عنه أثر صفرة، فقال: "ماهذا؟" قال: إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب، فقال: "بارك الله لك، أَوْلِمْ ولو بشاة؟". متفق عليه.

(مشكوٰة المصابيح كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الأول: ۲۷۸،۲۲۷ قديمي وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوليمة ولو بشاة: ۲/۷۷۷، قديمي والصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد إلخ: ۱/۴۵۸، قديمي)

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔

"حدثنا محارب قال: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنه يقول: تزوجت، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما تزوجت؟" فقلت: تزوجت ثيبا، فقال: "مالك وللعذاري ولعابها." الحديث.

(صحيح البخاري كتاب النكاح، باب تزويج الثياب: ۲/۷۶۰، قديمي)

بارات کا یہ طریقہ بڑے بوڑھوں نے اس لیے رائج کیا تھا کہ لڑکی کو جہیز کثیر مقدار میں دیا جاتا تھا اور ایک ایک جہیز کی پوری نمائش کی جاتی تھی، سفر عام طور پر بیل گاڑیوں کا ہوتا تھا، ڈاکہ کے حادثات پیش آتے تھے، اس لیے بڑی بارات جایا کرتی تھی کہ جہیز وغیرہ کی پوری حفاظت ہو سکے۔ بارات کی کثرت مستقل فخر کی چیز شمار ہوتی تھی، شادی والا دوسروں سے بڑھ کر اپنے فخر کے لیے بارات کو کھانا کھلاتا ہے، جگہ جگہ اس کا چرچہ کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، نہ حیثیت سے زیادہ جہیز کی ضرورت ہے، نہ اس کی حفاظت کے لیے بڑی بارات کی ضرورت ہے۔ جو کھانا فخر کے لیے کھلایا جائے اس کے کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المتباريان لايجابان، ولا يوكل طعامهما". قال الإمام أحمد: يعني المتعارضين بالضيافة فخرا ورياء.

(مشكوٰة المصابيح كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث:٢٧٩، قديمي)

سواریوں کا انتظام بھی ہو گیا، ریل، بس وغیرہ کا بہت عام رواج ہو گیا جو کہ پہلے اتنا عام نہ تھیں، اس لیے بھی جو لوگ اس رسم کو بند کرنا چاہتے ہیں ان کی رائے بہت قابلِ قدر ہے۔

دولہا کے ساتھ اگر ان کے خاص آدمی، باپ بھائی وغیرہ کچھ آجائیں تو مہمان کی حیثیت سے ان کو کھلانا احترام کا تقاضا ہے، بڑی بارات بلا کر قرض لیکر کھلانا جو شاید سودی بھی ہو ہرگز شرعاً پسندیدہ نہیں۔

بسا اوقات ایسے غیر لازم کاموں سے کئی غیر مناسب امور کا وجود لازم آتا ہے، منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی آسانی مشکل اور تنگی میں تبدیل ہوتی ہے، ایک غیر اہم کے لیے اہم کو چھوڑا جاتا ہے، بعض اوقات ایک مندوب پر التزام کی وجہ سے حرام کا ارتکاب ہوتا ہے اور واجبات و فرائض کا ترک لازم آتا ہے، بعض اوقات نفس اس کام سے کراہیت محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ نہ کرتا تو بہتر ہوتا اور نتیجہ ان سب کاموں کا ملال ہی ہے:

قال العلامة الشاطبي رحمه الله تعالى: فصل: إذا ثبت هذا، فالدخول في عمل على نية الالتزام له إن كان في المعتاد بحيث إذا داوم عليه، أورث مللا ينبغي أن يعتقد أن هذا الالتزام مكروه ابتداء، إذ هو مؤد إلى أمور جميعها منهي عنه: أحدها: أن الله ورسوله أهدى في هذا

الدين التسهيل والتيسير، وهذا الملتزم يشبه من لم يقبل هديته، وذلك يضاهي ردها على مهديها وهو غير لائق بالمملوك مع سيده، فكيف يليق بالعبد مع ربه. والثاني: خوف التقصير أو العجز عن القيام بما هو أولىٰ وآكد في الشرع... والواجب أن يعطى كل ذي حق حقه. وإذا التزم الإنسان أمرا أو أمرين أو ثلاثة، فقد يصده ذلك عن القيام بغيرها... فيكون ملوما. والثالث: خوف كراهية النفس لذلك العمل الملتزم، لأنه قد فرض من جنس ما يشق الدوام عليه... والنفس تشمئز منه وتود لولم تعمل، أو تتمنى لو لم تلتزم."

(الاعتصام للشاطبي، باب في أحكام البدع الحقيقية والإضافية، ص:۲۲۹-۲۲۷،دار المعرفه بيروت)

سودی قرض لینا شرعاً جائز بھی نہیں، سود کے معاملہ پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔

عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه وقال: "هم سواء."

(الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة ،باب الربا:۲/ ۲۷، قديمي)

جو لوگ شادی کے غلط طریقہ کی اصلاح کر کے اس کو سنت کے طریقہ پر جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یقیناً اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔حق تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے اور اصلاح الرسوم (حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) اور بہشتی زیور للتھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں تفصیل مذکو رہے،اس کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

(فتاویٰ محمودیه: محشی ۱۱/ ۲۲۹ باب الرسوم)

خلافِ شرع رسوم کی پابندی

بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ اگر ان کو سمجھایا جائے کہ یہ خلافِ شرع رسومات ان کو ترک کریں شادی کو شریعت کے دائرہ میں رہ کر سنت کے مطابق انجام دیں تو آگے سے جواب دیتے ہیں کہ ہم کو ان امور کے جائز اور ناجائز ہونے سے کوئی واسطہ نہیں، ہم تو وہی کریں گے جو باپ دادا نے کیا، یا جو کام برادری والے، یا محلہ والے انجام دیتے ہیں۔

ایسا جواب دینا سخت گناہ اور نہایت خطرناک ہے۔حتی کہ بعض فقہاء نے ایسا کہنے والے

کی تکفیر کی ہے، لہٰذا ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی ضروری ہے۔ اگرچہ احتیاطاً اس کو کافر نہ کہا جائے تاہم احتیاطاً تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح ضروری ہے۔

إذا قال الرّجل لغيره: "حكم الشرع في هذه الحادثة كذا. فقال ذلك الغير من برسم كارمينكم نه بشرع" يكفر عند بعض المشايخ. "

(الفتاوىٰ العالمگيريه: كتاب السير الباب التاسع أحكام المرتدين: ۲/۲۷۱)

ماكان في كونه كفرا اختلاف، فإن قائله يومر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط.

(عالمگيريه باب البغاة: ۲/۲۸۳، مكتبه رشييدية)

❁❁❁❁❁

باب آداب المباشرت

جو مرد وعورت شرعی نکاح کے ذریعہ رشتۂ زوجیت سے منسلک ہوگئے مباشرت (ہمبستری) کرنا نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کا حق ہے، بلکہ نکاح کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے کہ حلال طریقہ سے مرد وعورت کو پاکدامنی حاصل ہو وہ ناجائز طریقہ سے شہوت رانی سے بچ جائیں، حلال اولاد پیدا ہوں اس طرح نسلِ انسانی آگے بڑھے، زنا کاری، اور غلط طریقہ سے شہوت رانی کا راستہ مسدود رہے، تاکہ صالح پاکیزہ معاشرہ تشکیل پائے، بے راہ روی، آوارگی سے انسانی معاشرہ پاک رہے، حیوانات کی نسل بھی اسی فطری طریقہ سے آگے بڑھتی ہے البتہ حیوانات کو شریعت مطہرہ نے حیا کے نظام کا پابند تو نہیں کیا لیکن عام حیوانات کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات رکھ دی کہ اپنی مادہ کو دوسرے نروں سے حفاظت کا انتظام کرتے ہیں۔ سوائے خنزیز کے کہ وہ بے غیرت جانور ہے، اس کے مادہ سے اس کے سامنے کوئی جفتی کرے تو اس کو غیرت نہیں آتی ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے خنزیز کے تمام اجزا سے انتفاع کو انسان پر حرام قرار دیدیا، تاکہ وہ بے غیرتی انسانی کی طرف منتقل نہ ہو۔

شریعت مطہرہ نے انسان کو اس کا بھی پابند کیا کہ ہمبستری کے عمل کے دوران بھی شرم وحیا کے نظام کا پابند رہے، اس کے کچھ قیود اور حدود مقرر کردیئے اس کے دائرہ میں رہ کر یہ عمل انجام دے تو خواہش نفس کی تکمیل کے ساتھ اجر وثواب بھی حاصل ہوگا، نیز جو اولاد ہوگی وہ بھی انشاء اللہ باحیاء، مطیع اور فرمانبردار ہوگی۔ آگے کی سطور میں مباشرت کے چند آداب کا ذکر مقصود ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ہمبستری کے وقت پردہ

عن ابن عمر رضي الله عنه قال إياكم والتعري فإن معكم من لا يفارقكم إلا عند الغائط وحين يفضي الرجل إلى أهله واستحيوهم واكرموهم.

(مشکوٰۃ: ۲/۲۶۹ باب النظر إلى المخطوب به)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برہنہ ہونے سے اجتناب کرو اگرچہ

تنہائی کیوں نہ ہو، کیونکہ پاخانہ اور اپنی بیوی سے مجامعت کے اوقات کے علاوہ تمہارے ساتھ ہر وقت وہ (فرشتے) ہوتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں) لہٰذا تم ان (فرشتوں) سے حیا کرو، اور ان کی تعظیم کرو۔ (ترمذی)

تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہمبستری کی حالت میں ستر کھولنے کی اجازت ہے، تاہم انسان کے ساتھ کچھ فرشتے ہوتے ہیں جو اگرچہ اس وقت انسان سے الگ ہو جاتے ہیں تاہم قریب ہوتے ہیں ہمبستری کے وقت کوئی نیکی یا برائی کرے اس کا ثواب یا گناہ بھی لکھتے ہیں اور آپ علیہ السلام نے ان فرشتوں کے اکرام کا حکم فرمایا۔

لہٰذا بالکل برہنہ ہو کر ہمبستری نہ کرے بلکہ کوئی چادر اپنے اوپر لے لی جائے یہ صورت شرم و حیا کے زیادہ مناسب ہے۔

دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (جماع کے وقت) وحشی جانوروں کی طرح ننگے نہ ہوں۔

وفي غنية الطالبين: ولا يستقبل القبلة عند المجامعة ويغطي رأسه ويستر عن العيون، وإن كان عن صبي طفل لأنه روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إذا أتي أحدكم أهله فليستتر فإنه إذا لم يستتر استحييت الملائكة وخرجت ويحضره الشيطان وإذا كان بينهما ولد كان الشيطان فيه شريكا. (غنية الطالبين :۹۸، كتاب النكاح)

جماع سے پہلے مسنون دعا

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو أن أحدكم إذا أراد أن يأتي أهله قال: "بسم الله، اللّٰهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا." فإنه إن يقدر بينهما ولد في ذلك لم يضره شيطان أبدا. متفق عليه.

(مشكوٰة ۲۱۲/۱ باب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

جب بیوی سے ہمبستری کا ارادہ کرے تو پہلے یہ دعا پڑھے:

"بسم الله، اللّٰهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا."

اس دعا کے اہتمام کی برکت سے اولاد شیطان کے شر سے محفوظ رہے گی۔

(بخاری)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی شرح میں نقل کیا ہے:

"إن الذي يجامع ولا يسمي يلتف الشيطان على أحليله."

(فتح الباري: ۲/ ۹۲)

یعنی جو شخص ہمبستری کے وقت حدیث میں مذکور دعا نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے آلہ تناسل کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

اور جس وقت انزال ہو تو اپنے دل میں یہ دعا پڑھے:

اللّٰهم لا تجعل للشيطان فيما رزقتني نصيبا. (تتمة قربات عندالله صلوت الرسول).

یعنی یا اللہ اس بچہ میں جو آپ نے ہمارے لیے نصیب کریں شیطان کے لیے حصہ نہ کرنا۔"

شب زفاف کی دعا

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تزوج أحدكم إمرأة أو اشترى خادما فليقل اللّٰهم إني أسئلك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذبك من شرها وشر ما جبلتها عليه. رواه أبوداؤد وابن ماجه .(مشكوٰة: ۱/ ۲۱۵ باب الدعوات)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شادی کی پہلی رات دلہن کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

اللّٰهم إني أسئلك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذبك من شرها وشر ما جبلتها عليه.

باقی جس وقت جماع کا ارادہ ہو اس کے وقت کی دعا پچھلے مضمون میں گزر چکی ہے۔

پائخانہ کے مقام میں جماع کرنا حرام ہے

اپنی منکوحہ کے ساتھ ہمبستری کرنا صرف شرمگاہ میں حلال ہے، پیچھے کے راستہ سے یہ عمل شرعاً حرام ہے، اس پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "معلون من أتي امرأته في دبرها." رواه أحمد وأبو داؤد.

(مشكوٰة باب المباشرة :۲/۲۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنی عورت کی مقعد (پاخانہ کا مقام) میں بدفعلی کرے وہ ملعون ہے۔''

حیض ونفاس کے ایام میں ہمبستری

حیض ونفاس کی حالت میں عورت سے صحبت کرنا حرام ہے، بڑا گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا لازم ہے کیونکہ حدیث میں اس پر وعید وارد ہوئی ہے۔ اگر کوئی غلطی سے ایسا فعل کر بیٹھے تو بہ کرنا واجب نیز حالتِ حیض میں صحبت کرنے کی وجہ سے صدقہ دینے کا بھی حکم آیا ہے، اس پر بھی عمل کیا جائے۔ کہ توبہ واستغفار کے ساتھ صدقہ خیرات بھی کیا جائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أتي حائضا أو امرأة في دبرها أو كاهنا فقد كفر بما أنزل على محمد .رواه الترمذي وابن ماجة .

(مشكوٰة باب الحيض : ۱/٥٦)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا وقع الرجل بأهله وهي حائض فليتصدق بنصف دينار ."

(رواه الترمذي، وأبوداؤد والنسائي والدارمي وابن ماجة)

حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹنے کا حکم

ایامِ حیض میں عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے، نیز اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا لیٹنا بھی جائز ہے۔

باقی اس کے ساتھ جنسی لذت حاصل کرنا اس کی تین صورتیں بنتی ہیں:

۱- ہمبستری کرنا یہ صورت حرام ہے۔

۲- کپڑے کے اوپر سے فائدہ حاصل کرنا یہ بالا جماع جائز ہے۔

۳- کپڑے کے نیچے سے ہمبستری کیے بغیر فائدہ حاصل کرنا یہ مختلف فیہ ہے، جمہور کے نزدیک اس کا جواز نہیں، چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس مسئلہ کی تفصیل میں فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

مباشرت کے لغوی معنی مس الجلد بالجلد کے ہیں، اور اس کی حق حائض میں تین صورتیں ہیں:

1 استمتاع بالجماع: اور یہ باتفاقِ امت حرام ہے، حتی کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مستحل پر حکمِ کفر لگایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوافع کے نزدیک اس کا مستحل کافر ہے۔

صاحب بحر نے فرمایا کہ فقہاءِ احناف کا اس کے کفر میں اختلاف ہے، اور میرے نزدیک عدمِ تکفیر راجح ہے، کیونکہ مسئلہ تکفیر میں احتیاط کی ضرورت ہے حتی کہ بعض فقہاء نے فرمایا کہ اگر دس وجوہ میں سے نو وجوہ کفر کی اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو وجہِ ایمان کو ترجیح ہوگی۔ لان الاسلام یعلو ولا یعلی۔

علامہ شامی نے فرمایا کہ فقہاء احناف نے تکفیر میں بہت احتیاط کی ہے، اور مسئلہ ہذا میں عدمِ تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہو اور وہ حرمت لعینہ ہو تو اس کے مستحل پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے، اور اگر اس کا ثبوت نص قطعی سے نہ ہو یا حرمت لغیرہ ہو تو اس کے مستحل پر حکمِ کفر نہیں ہوتا، اس مسئلہ میں نص قطعی تو موجود ہے لیکن حرمت لغیرہ ہے اس لیے تکفیر نہ ہوگی۔

2 الاستمتاع بمافوق الازار: اس کے جواز پر اجماع ہے۔

3 الاستمتاع بماتحت الازار من غیر جماع: اس میں اختلاف ہے، جمہور ائمہ کے نزدیک اس کا جواز نہیں، جبکہ امام احمد وامام محمد کے نزدیک جواز ہے، ان کا استدلال صحیح مسلم: ۱/۱۴۳ "باب جواز غسل الحائض رأس زوجها" الخ کے تحت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے "اصنعوا کل شیئ إلا النکاح (أي الجماع) إلخ. یہ روایت منطوقاً حلت غیر جماع پر دلالت کر رہی ہے، جمہور کا استدلال ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت انس اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اجمعین وغیرہم کی روایت سے ہے، سب کا مفہوم مشترک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتزاء کے بعد مباشرت فرمائی۔

شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ تعارض کے لیے مساوی دلیلین شرط ہے، اور یہاں تساوی نہیں کیونکہ روایت مسلم منطوقاً حلت استمتاع پر دلالت کر رہی ہے، اور روایات جمہور مفہوماً حرمت پر دال ہے، اور منطوق اقویٰ ہوتا ہے، پھر جواب دیا کہ یہ روایات بھی منطوقاً حرمت پر دال ہیں کیونکہ ابوداؤد میں حرام بن حكيم عن عمه (عبدالله بن سعد) أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم مايحل من امرأتي وهي حائض قال لك مافوق الإزار."

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے، اس حدیث میں سوال کے اندر لفظ "ما" عام ہے، لہٰذا جواب میں بھی "لك مافوق الازار" میں بھی عموم ہوگا، اور یہ روایت منطوقاً حرمت بما تحت الازار پر دلالت کرے گی، یا یہ جواب دیا جائے کہ روایات جمہور سے دلالتِ التزامی کے طریقہ پر حرمت ثابت ہوگی اور دلالتِ التزامی منطوق کے حکم میں ہے، علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اختلاف فرقِ مراتب فی الاجتہاد پر متفرع ہوا ہے، کہ روایت مسلم میں ایک فریق نے نکاح سے نفسِ جماع مراد لیا، اور دوسرے فریق نے "مایجاورہ" بھی مراد لیا، دوسری روایات سے فریقِ ثانی کی مراد ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اسی کو ترجیح ہوگی، بالخصوص اس لیے بھی کہ حلت وحرمت میں تعارض کے وقت حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ (درس ترمذی، باب الحیض)

عن زيد بن أسلم قال أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما يحل لي من امرأتي وهي حائض فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: تشد عليها إزارها، ثم شأنك بأعلاها. رواه مالك والدارمي مرسلا. (مشكوٰة باب الحيض ١/٥٦)

بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا

جوشِ محبت میں بیوی کے جسم کے مختلف حصے کا بوسہ لیا جاتا ہے، اس میں شرمگاہ کا بوسہ شرعاً جائز نہیں، یہ جانوروں کا فعل ہے، البتہ ہاتھ لگانے کی گنجایش ہے، لہٰذا جوش پر قابو رکھے اس عمل سے اجتناب کرے۔

قال في الهندية: في النوازل إذا دخل الرجل ذكره في فم امرأة قد قيل يكره وقد قيل بخلافه كذا في الذخيرة.

(عالمگیریه ٥/٣٧٢)

قال الشيخ المفتي رشيد أحمد لدهيانوي رحمه الله :"أقول : المبيح مجهولٌ، وقوله مردود شرعا وعقلا.

(أحسن الفتاوىٰ ٤٥/٨)

زوجین کوایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا

علماء نے جماع کے آداب میں سے یہ بھی لکھا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھیں۔(اشرف الاحکام)

باقی دیکھنا شرعاً ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے، بس شرم وحیا کے تقاضہ کے خلاف ہے اس سلسلہ میں بعض کتب میں روایت ہے کہ اس لیے اولاد اندھی پیدا ہوتی ہے، لیکن حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کی صحت کا انکار کیا ہے چنانچہ ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہوجائے۔

سوال: ایک روایت نظر سے گزری ہے کہ مشہور ہے کہ بوقتِ صحبت بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنے سے انسان اندھا ہوجاتا ہے، روایت یہ ہے:

وروي بقية بن مخلد وابن عدي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعا إذا جامع أحدكم زوجته أو جاريته فلا ينظر إلى فرجها فإن ذلك يورث العمي قال ابن صلاح جيد الإسناد كذا في الجامع الصغير.

کیا یہ روایت یا اس مضمون کی کوئی اور روایت صحیح سند سے ثابت ہے؟

بینوا توجروا۔

❁

بصیرۃ فقہیہ ایسی روایات کو دیکھتے ہی موضوع یا انتہائی ضعیف ہونے کا فتوی دے دیتی ہے، مراجعۃ الکتب سے اس کی توثیق ہوگئی۔

قال الإمام أبو الفرج ابن الجوزي في باب النظر إلى الفرج فيه عن ابن عباس وأبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنهم فأما حديث ابن عباس فانبأنا اسمعيل بن السمر قندي انبأنا اسمعيل بن مسعدة انبأنا حمزة

بن يوسف أنبأنا احمد بن عدي حدثنا ابن قتيبة حدثنا هشام بن خالد حدثنا بقية عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عبا س رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جامع أحدكم زوجته أوجاريته فلا ينظر إلى فرجها، فإن ذلك يورث العمي.

قال أبوحاتم بن حبان: كان بقية يروي عن كذا بين و ثقاة ويدلس وكان له أصحاب يسقطون الضعفاء من حديثه ويسوونه فيشبه أن يكون سمع هذا من بعض الضعفاء عن ابن جريج ثم يدلس عنه. (والتزق) به وهذا موضوع.

وأما حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه فأنبأنا محمد بن ناصر المبارك بن عبدالجبار انبأنا أبو نصر عبدالباقي بن أحمد الواعظ انبأنا ابن جعفر بن علان انبأنا أبو الفتح الأزدي انبأنا زكريا بن يحى المقدسي إبراهيم بن محمد الفريابي حدثنا محمد بن عبدالرحمن التستري عن ابن كرام عن سعيد المقبري عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جامع أحدكم فلا ينظر إلى الفرج فإنه يورث العمي ولا يكثر الكلام فإنه يورث الخرس.

قال الأزدي: إبراهيم بن محمد بن يوسف ساقط (كتاب الموضوعات ۲/۲۷۱) . وقال الحافظ ابن عدي الجرجاني رحمه الله تعالىٰ بعد نقل حديث بقية، ثناه بهذا الاسناد ثلاثة أحاديث أخرمنا كير، وهذه الاحاديث يشبه أن تكون بين بقية وابن جريج بعض المجهولين أو بعض الضعفاء لأن بقية كثير ما يدخل بين نفسه وبين ابن جريج بعض الضعفاء أو بعض المجهولين إلا أن هشام بن خالد قال عن بقية حدثني ابن جريج.

(الكامل ۲/۷۵)

وقال الإمام البابرتي رحمه الله تعالى: روي عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في الأمالي قال سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالى عن الرجل

یمس فرج امرأته أو تمس هي فرجه ليتحرك عليها هل ترى بذلك بأسا؟ قال لا أرجو أن يعظم الأجر.

(العناية بهامش تكملة الفتح ۲/۱۰۳)

اس میں جوازِ نظر اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں مگر قیاساً ظاہر ہے۔

(احسن الفتاوی: ۸/۴٦، باب الحضر والاباحۃ)

یعنی شرمگاہ کی طرف دیکھنے کا جواز اگرچہ صراحۃً ثابت نہیں لیکن قواعد سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

میاں بیوی کی راز کی باتوں کا افشاء گناہ ہے

عن ابن سعيد رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أعظم الأمانة عندالله يوم القيامة وفي رواية أن من أشر الناس عندالله منزلة يوم القيامة الرجل تفضي إلى امرأته وتفضي إليه ثم ينشر سرها. (رواه مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ شخص برا ہوگا جو اپنی بیوی سے ہمبستر ہو، اور اس کے راز کو لوگوں پر ظاہر کردے، (یعنی ہمبستری وغیرہ کے متعلق جو باتیں میاں بیوی کی آپس میں ہوئیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کرے یا اس طرح عورت کے مخصوص اوصاف بیان کرے، نیز اگر عورت مرد کی باتیں دوسری عورتوں کے سامنے بیان کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی گناہ ہے) (مسلم)

بیوی کی باتیں چھپانے کا واقعہ

ایک بزرگ عالم کا واقعہ منقول ہے کہ ان کی بیوی بدزبان اور بداخلاق تھی جس سے وہ بہت تنگ تھے، حتیٰ کہ طلاق دیدی۔ لیکن انہوں نے لوگوں کے سامنے کبھی بیوی کی برائی بیان نہیں کی، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ بھائی جب تک وہ میرے نکاح میں تھی تو میں اس کو اپنی غیرت کے خلاف سمجھتا تھا کہ اپنی بیوی کے عیوب پر لوگوں کو مطلع کروں اور جب اس کو طلاق ہو چکی وہ میرے لیے اجنبی عورت بن گئی، میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ ایک اجنبی عورت کی غیبت

کرتا رہوں۔

ہر شوہر کو ایسا ہی غیرت مند متقی و پرہیز گار ہونا چاہیے، ساتھ ہی راز دار بھی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا يجوز له أن يحدث غيره بما جرى بينه وبين أهله من أمر الجماع ولا للمرأة أن تحدث بذلك للنساء لأن ذلك سخف ودناءة وقبيح في الشرع والعقل لما روي أبو هريرة رضي الله عنه في حديث فيه طول عن النبي صلى الله عليه وسلم إلى أن قال ثم أقبل على الرجال فقال هل منكم الرجل إذا أتي أهله فأغلق عليه بابه وألقى عليه ستره فاستتر بستر الله قالوا نعم يارسول الله قال ثم يجلس بعد ذلك فيقول فعلت كذا فعلت كذا قال فسكتوا قال فأقبل علي النسا فقال هل منكن من تحدث فسكتن فجثت فتاة على أحد ركبتيها وتطاولت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ليرها ويسمع كلامها فقالت أنهم ليتحدثون وأنهن ليتحدثنه فقال هل تدرون ما مثل ذلك إنما مثل ذلك مثل شيطانه لقيت شيطانا في السكة فقضي منها والناس ينظرون إليه.

(غنية الطالبين :۹۰۹ فصل في آداب النكاح)

ہمبستری کے بعد جلدی غسل کرنا

جماع سے فارغ ہو کر استنجا کر لیا جائے اور جسم پر لگی ہوئی نجاست کو دھو لیا جائے اگر دوبارہ صحبت کرنے کا ارادہ ہو تو وضو کر کے صحبت کرے، ورنہ غسل کر لے غسل کے بغیر نہ سوئے اگر عذر ہو تو صبح تک غسل میں تاخیر ہو سکتی ہے، لیکن خیال رہے کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو، اس طرح جنابت کی حالت میں رہنا کہ صبح کی نماز ہی قضا ہو جائے ناجائز اور گناہ ہے۔ نماز سے پہلے غسل سے فارغ ہو کر وقت کے اندر نماز کا اہتمام ہونا چاہیے۔

فإذا فرغ من الجماع تنحى عنها وغسل مابه من الأذى وتوضأ إن أراد العود إليها وإلا اغتسل ولا ينام جنبا فإنه مكروه وكذلك روي عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا أن يشق ذلك عليه لبرد أو بعد حمام وماء أو خوف ونحو ذلك فينام إلى حين زوال ذلك. (غنية الطالبين

:۹۷، ۹۸ آداب النکاح)

مباشرت سے پہلے بوس وکنار

جب شوہر مباشرت کا ارادہ کرے تو مباشرت سے پہلے بیوی کو مانوس کرے، بوس وکنار ملاعبت وغیرہ جس طرح ہو سکے اسے بھی مباشرت کے لیے تیار کرے، اس کے بغیر صحبت شروع نہ کرے، نیز صحبت کے وقت اس کا بھی خیال رہے کہ فوراً عورت سے جدا نہ ہو بلکہ اس کے شکم سیر ہونے کا انتظار کرے، ورنہ عورت کی طبیعت پر برا اثر پڑتا ہے، جس سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ویستحب الملاعبة لها قبل الجماع والانتظار لها بعد قضاء حاجته حتى تقضي حاجتها وإن ترك ذلك مضرة عليها ربما افضى إلى البغضاء، والمفارقة.

(غنية الطالبين: ۹۸، آداب النكاح)

نیز شوہر اپنی بیوی سے دل لگی، بوس وکنار، ملاعبت، صحبت اور اس کے بعد غسل جنابت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں پر بھی اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، غنیۃ الطالبین میں ایک حدیث ہے:

قالت عائشة رضي الله عنها قد أعطي النساء كثيرا فما بالكم يا معشر الرجال فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ما من رجل أخذ بيد امرأته يراودها إلا كتب الله تعالىٰ له حسنة فإن عانقها فعشر حسنات فإذا أتتها كان خيرا من الدنيا وما فيها فإذا قام ليغتسل لم يمر الماء على شعرة من جسده إلا تكتب له حسنة وتمحى عنه سيئة وترفع له درجة وما يعطى بغسله خير من الدنيا وما فيها وإن الله عزوجل يباهي به الملائكة يقول انظروا إلى عبدي نام في ليلة قرة يغتسل من الجنابة يتيقن بأني ربه أشهدوا بأني قد غفرت له.

(غنية الطالبين :۹۳، ۹٤ فصل في آداب النكاح)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں کو تو بہت سا ثواب مل گیا مردوں کے بارے میں بھی ارشاد فرمایئے یہ سن کر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا مرد اپنی عورت کا ہاتھ پکڑ کر اس کو مانوس کرتا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، جو مرد پیار سے اپنی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اس کے حق میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب وہ عورت سے مباشرت کرتا ہے تو دنیا و مافیہا سے افضل ہوتا ہے، جب غسل کرتا ہے تو بدن کے جس بال پر سے پانی گزرتا ہے اس کے لیے ہر بال کے عوض میں جو چیز دی جاتی ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر فخر کرتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے بندے کی طرف دیکھو کہ ایسی سرد رات میں غسلِ جنابت کے لیے اٹھتا ہے اور وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اس کا رب ہوں تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔'' (فتاویٰ رحیمیہ)

عورت کی اجازت کے بغیر عزل

آزاد عورت کی مرضی کے بغیر کوئی شخص جماع کے بعد شرمگاہ سے باہر انزال نہیں کر سکتا۔ البتہ لونڈی پر پورا اختیار ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن العزل فقال مامن كل الماء يكون الولد وإذا أراد الله خلق شيئ لم يمنعه شيئ. رواه مسلم (مشكوٰة ۲/۲۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ ہر پانی (منی) سے بچہ پیدا نہیں ہوتا، اور جب اللہ تعالیٰ بچہ تخلیق فرمانے کا ارادہ کرے تو کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ (یعنی عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں)

چونکہ جماع عورت کا حق ہے، انزال باہر کرنے سے اس کی حق تلفی ہوتی ہے، اس لیے آزاد عورت سے عزل کرنے کے لیے اس سے اجازت لینا چاہیے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے لیکن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ عمل حرام نہیں ہے۔ مانع حمل دوا استعمال کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

قال ابن الهمام العزل جائز عند عامة العلماء وكرهه قوم الصحابة وغيرهم والصحيح الجواز وقال النووي هو مكروه عندنا لأنه طريق إلى قطع النسل ولهذا ورد أن العزل واد خفي قال أصحابنا لايحرم في المملوكة إلى قوله وأما زوجته الحرة فإن أذنت فيه لاتحرم والا فوجهان أصحهما لايحرم.

(حاشية مشكوٰة :باب المباشرة)

بذریعہ انجکشن رحم میں مادۂ منویہ پہنچانا

سوال[۲۳۱] میں پچھلے ساڑھے تین سال سے شادی شدہ ہوں مگر اولاد سے محروم ہوں دعا کے ساتھ دوا بھی جاری ہے، ہم جس ڈاکٹر کے پاس جارہے ہیں وہ عیسائی ہے اس نے بہت توجہ سے علاج کیا (اور اس سلسلہ میں میری اہلیہ کا آپریشن بھی ہوا) اور اس نے ہمیں جو ہدایات کیں اس پر عمل بھی کیا مگر ہم ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، اب ڈاکٹر صاحب نے ایک مصنوعی طریقہ بتایا ہے جس کے بارے میں مجھے فتویٰ درکار ہے، آپ رہنمائی فرمائیں۔ وہ طریقہ یہ ہے: ڈاکٹر صاحب میرا مادۂ منویہ جو کہ میں ہاتھ سے نکالوں گا میرے سامنے میری اہلیہ کی بچہ دانی میں کسی آلہ کے ذریعہ منتقل کریں گے، اس عمل سے امید واثق ہے کہ اللہ کے حکم سے بچہ ہوجائے گا۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ مادۂ منویہ میرا ہی ہوگا اس میں اور چیز کی آمیزش نہ ہوگی۔ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (از کینڈا)

(الجواب) مشت زنی کی تو اجازت نہیں بوقت صحبت عزل کا طریقہ اختیار کر کے منی محفوظ کی جاسکتی ہے، جو بچہ شوہر کے نطفہ سے پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا، لیکن یہ طریقہ غیر فطری اور مکروہ ہے خود شوہر یہ عمل کرے، ڈاکٹر سے ایسا عمل کرانا قطعی حرام ہے، ستر عورت فرض ہے عورت کی شرمگاہ (جائے پیشاب) عورت غلیظہ ہے شرمگاہ کے بالائی حصہ کو بلاوجہ شرعی دوسرے کے لیے دیکھنا جائز نہیں تو اندرونی حصہ کو دیکھنا اور شرمگاہ کو چھونا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ میاں بیوی سخت گنہگار ہوں گے اور شوہر از روئے حدیث دیوث بنے گا اور جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا لہٰذا اس عمل سے قطعاً احتراز کیا جائے اولاد کا شوق ہے تو دوسری شادی کر سکتے ہیں جائز صورت ہوتے ہوئے ناجائز طریقہ چل پڑا تو آپ سخت گنہگار اور مبغوض ہوں گے۔

ومن سن سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها إلى يوم القيامة.

(مشکوٰۃ کتاب العلم :۳۳، أو کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . فقط واللہ أعلم بالصواب.

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وقال في الجوهرة: إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر إليه عند الدواء لأنه موضع ضرورة وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلم امرأة تداويها فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلك او يصيبها وجع لا تحتمله يستر منها كل شيئ إلا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع إلا من موضع الجرح فتأمل والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب.

(ردالمحتار :٦/٣٧١ كتاب الحضر والإباحة فصل في النظر والمس)

اوپر جو حکم مذکور ہوا وہ یہ ہے کہ نطفہ عورت کے اپنے شوہر کا ہو اور اگر نطفہ ہی کسی اجنبی مرد کا ہو تو یہ فعل قطعاً حرام ہے، لاستعمال جزء غیر الزوج، البتہ شوہر زندہ ہے، اس نے بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے اس حرام فعل کا ارتکاب کیا اور بچہ جو پیدا ہوا اس کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو بچہ ثابت النسب ہوگا، کیونکہ یہ اس قانون میں داخل ہے۔

الولد للفراش وللعاهر الحجر الحديث.

(ملخص از احسن الفتاوی:٨/٢١٤)

چار ماہ کے بعد حمل گرانا قتل کے حکم میں ہے

موجودہ دور میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا مسئلہ رسم کے طور پر تو نہیں۔ لیکن اسقاط حمل یا کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہوگئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''واد خفی'' فرمایا ہے یعنی خفیہ طور پر بچہ کو زندہ درگور کر دینا۔

(کما رواہ مسلم عن خدامۃ بنت وہب)

اب چار ماہ کے بعد اسقاط حمل تو بالاتفاق حرام ہے۔ اس سے پہلے اس کا کیا حکم ہے اس کی تفصیلات حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احسن الفتاویٰ جلد ۸ میں یوں تحریر فرمائی ہیں:

ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں ہیں:

1 قطعِ نسل: یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوتِ تولید ختم ہو جائے۔

2 منعِ حمل: یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوتِ تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔

3 حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔

4 چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا۔

احکام:

پہلی صورت تو بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے:

۱- عورت اتنی کمزور ہے کہ بارِ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔

۲- عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام وقرار کا ارادہ نہیں اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔

۳- زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے۔

۴- پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

۵- یہ خطرہ ہو کہ فسادِ زمان کی وجہ سے بچہ بد اخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرتِ اولاد سے تنگی رزق کا خیال ہو، یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو عار ہوگی۔

تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے، البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً:

۱۔ حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہوگیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام نامکمل یا متعذر رہو۔

۲۔ کوئی دیندار، حاذق طبیب عورت کا معاینہ کر کے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے۔ کسی بھی عذر سے اس کی گنجائش نہیں۔

فیملی پلاننگ کے نقصانات:

ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی ناجائز صورتوں میں عدمِ جواز کے علاوہ دینی و دنیوی لحاظ سے مفاسدِ کثیرہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ زنا اور امراضِ خبیثہ کی کثرت، عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے علاوہ دو چیزیں اخلاق کے معیار پر قائم رکھتی ہیں اور زنا کی برائی سے بچائے رکھتی ہیں۔ ایک فطری حیاء دوسری یہ خوف کہ حرامی بچہ کی پیدائش اس کو معاشرہ میں ذلیل ورسوا کر دے گی۔

ان میں سے پہلے مانع کو تو جدید مغربی تہذیب نے بڑی حد تک دور کر دیا۔ بازاروں، دفتروں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مختلف تقریبات اور محفلوں میں بے پردہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ بے محابا شرکت کے بعد حیا کہاں باقی رہ سکتی ہے؟

ضبطِ تولید کے رواجِ عام نے دوسرے مانع یعنی حرامی اولاد کی پیدائش کے خوف کو باقی نہ رکھا، عورتوں اور مردوں کو زنا کی عام رخصت مل گئی ہے۔

اور کثرتِ زنا کی وجہ سے طرح طرح کے امراضِ خبیثہ کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

(۲) طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور فسادات کا ہونا، عورت اور مردوں کے درمیان ازدواجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ جب اولاد نہ ہوگی تو زوجین کے لیے ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوگا۔

(۳) بعض اخلاقی خصائص کا فقدان، والدین میں بعض اخلاقی خصائص صرف تربیت اولاد ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ضبطِ تولید کے باعث دونوں خصائص سے محروم رہتے ہیں۔

جس طرح والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح بچے بھی والدین کی تربیت کا

ذریعہ بنتے ہیں۔ بچوں کی تربیت سے والدین میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے عاقبت اندیشی، صبر وتحمل اور ضبطِ نفس کی مشق ہوتی ہے۔ سادہ معاشرہ وقناعت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ضبطِ تولید سے ان تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے:

(۴) بچوں کے اخلاق کا نقصان، بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں، ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر محبت، ایثار، تعاون اور دوسرے عظیم اوصاف پیدا کرتا ہے، وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کر کے اپنے اندر سے بہت سے اخلاقی عیوب دور کر لیتے ہیں۔

جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائی بہنوں کے ساتھ رہنے سہنے، کھیلنے کودنے اور معاملات کرنے کا موقع نہیں ملتا، وہ بہت سے اعلیٰ اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔

جو لوگ ضبطِ تولید پر عمل کر کے اپنی اولاد کو صرف ایک ہی بچے تک محدود کر لیتے ہیں یا دو بچوں کے درمیان اتنا وقفہ کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ دراصل اپنی اولاد کو بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

(۵) صحت کی خرابی، ضبطِ تولید کی وجہ سے زوجین کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، مرد کی نسبت عورت کی صحت پر زیادہ اثر پڑتا ہے، ضبطِ تولید کی خاطر جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں بالخصوص جو گولیاں اور دوائیں استعمال کی جاتی ہیں وہ عورت کی صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں، عمر گزرنے سے ان کے مضر اثرات آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں، مثلاً عصبی نظام میں برہمی، بدمزاجی اور چڑچڑاپن، حافظہ کی خرابی، جنون، سرطان اگر کبھی حمل ہوجائے تو وضعِ حمل کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

یہ چند نقصان بطور نمونہ لکھ دیئے ہیں جو صاحب بصیرت ودانش کے لیے کافی ہیں۔

قال الله تبارك وتعالى: ﴿ومامن دابة في الأرض إلا على الله رزقها﴾ (۱۱/۶)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے۔''

﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقكم وإياهم﴾ (۶/۱۵۲)

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) انکو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔''

﴿وأمر أهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقا نحن نرزقك﴾ (۱۳۲/۲۰)

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی کے خواستگار نہیں بلکہ تمہیں ہم روزی دیتے ہیں اور (نیک) انجام (اہلِ) تقوی کا ہے۔''

عن جدامة بنت وهب أخت عكاشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم في أناس وهو يقول لقد هممت أن أنهي عن الغيلة فنظرت في الروم وفارس فإذا هم يغليون أولادهم فلا يضر أولادهم ذلك شيئا ثم سالوه عن العزل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك الواد الخفي زاد عبيدالله في حديثه عن المقري ﴿وإذا المؤدة سئلت﴾

(صحیح مسلم: ۱/ ٤٦٦)

ڈھائی ماہ کا حمل ساقط کرانا

اسقاطِ حمل کے بارے میں مزید وضاحت کے لیے ایک سوال وجواب نقل کیا جارہا ہے:

(سوال:) میں شادی شدہ ہوں اور میرے تین بیٹے ہیں، آخری بیٹے کی عمر ۸ ماہ ہے، میری اہلیہ کی طبیعت ہر وقت خراب رہتی ہے، ڈاکٹروں کو دکھایا تو وہ کہتے ہیں کہ اہلیہ کو حمل رہ گیا ہے اور تقریبا دو ڈھائی ماہ کے درمیان کا ہے اور رحم پرورم ہے جس وجہ سے بچہ کی رحم میں جس طرح پرورش ہونی چاہیے وہ نہ ہوسکے گی اس لیے بچہ کی ماں کے لیے خطرہ ہے، اہلیہ کمزور بھی ہے، وہ حمل ساقط کرانے کے لیے کہہ رہے ہیں اور آپریشن کر کے بچہ دانی نکلوانے کا مشورہ دے رہے ہیں، آپ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟ جزاک اللہ، بینوا توجروا۔

(الجواب) بچہ کے بال انگلیاں پیر وغیرہ اعضاء بن گئے ہوں اور بچہ میں جان پڑ گئی ہو جس کی مدت ۱۲۰ دن ہے (یعنی چار مہینے) (ایسی حالت میں کسی کے نزدیک بھی حمل گرانا جائز نہیں ہے حرام اور گناہ ہے، اور اس سے قبل اگر شرعی عذر کی وجہ سے اسقاطِ حمل کرایا جائے مثلاً

شیر خوار بچہ ہو اور استقرار حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو گیا (اور بچہ کا باپ اس کے دودھ کا انتظام نہیں کر سکتا ہو) اور اس وجہ سے بچہ کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا ہو تو حمل ساقط کرا دینے کی گنجائش ہے۔ ورنہ گناہ ہے، شامی میں ہے:

وفي الذخيرة لو أرادت القاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشائخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوما بالحديث ١هـ قال في الخانية ولا أقول به لضمان المحرم بيض الصيد لأنه أصل الصيد فلا أقل من أن يلحقها إثم وهذا لو بلا عذر ١هـ.

(شامي ٥/٣٢٩، قبل باب الاستبراء)

(فتاویٰ رحیمیہ (٢٥٥/٦، ٢٥٦) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں اسقاطِ حمل جائز ہے یا نہیں؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیجئے۔ مرتب)

نیز درمختار میں ہے:

"ويكره أن تسعى لاسقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يتصور."

شامی میں ہے:

"(قوله ويكره إلخ) أي مطلقا قبل التصور وبعد على ما اختاره في الخانية كما قدمناه قبيل الاستبراء وقال إلا أنها لا تأثم إثم القتل (قوله وجاز لعذر) كالمرضعة إذا ظهر به الحبل وانقطع لبنها وليس لأب الصبي مايستأجر به الظئر و في هلاك الولد قالوا يباح له أن تعالج في استنزال الدم مادام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو قدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوما وجاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي خانية. (درمختار ٥/٣٧٩ قبيل كتاب أحياء الموات)

صورت مسؤلہ میں حمل دو ڈھائی ماہ کے درمیان کا ہے، اہلیہ کا کسی مسلمان دیندار تجربہ کار حکیم سے علاج کرائیں اگر ان کی رائے یہ ہو کہ عورت کی حالت بہت نازک ہے علاج سے اصلاح کی اور اچھا ہونے کی امید نہیں ہے اور آئندہ خطرہ ہے تو ایسی صورت میں حمل ساقط کرایا جا سکتا ہے اس بارے میں غیر مسلم ڈاکٹر کی رائے قابلِ عمل نہیں، آپریشن کر کے بچہ دانی (رحم) نکلوا کر ہمیشہ کے لیے خود کو اولاد کی نعمت سے محروم کر لینے کی کوشش کفرانِ نعمت ہے،

اور شریعت کے اعتبار سے یہ بات نکاح کے مقصد اور منشأ کے خلاف ہے، کسی مسلمان دیندار تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر کا مشورہ ہو تو کچھ مدت کے لیے حمل کو روکا جا سکتا ہے مگر آپریشن کر کے ہمیشہ کے لیے صلاحیتِ تولید کو ختم کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ مسلمان دیندار تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر علاج کے بعد فیصلہ کریں کہ اب آپریشن کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، عورت کی جان کو سخت خطرہ ہے تو ایسی مجبوری اور اضطرار کی صورت میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے اس صورت میں بھی غیر مسلم ڈاکٹر کی رائے قابلِ عمل نہیں ہو سکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میاں بیوی کے آپس کے اختلافات کا شرعی حل

مندرجہ بالا حقوق میں سے کسی حق میں کوتاہی کی وجہ سے یا کسی اور نامعلوم سبب سے میاں بیوی کے آپس میں اختلافات پیدا ہو جائیں تو اس کو سلجھانے اور صلح صفائی اور معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لیے شریعتِ اسلام نے کئی قسم کے اصول بیان فرمائے ہیں ان کا مختصر اذکر کرتے ہیں۔

بیوی کے خلافِ طبع کاموں پر صبر کرنا

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا يفرك مؤمن مؤمنة إن كره منها خلقا رضي منها آخر.

(رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مؤمن شوہر اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہیے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادت واطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے ان کی قدر و قیمت سمجھے۔ اسی صورت حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے:

﴿وعاشروهن بالمعروف فإن كرهتموهن فعسىٰ أن تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا﴾ (نساء: ع ۳)

یعنی بیوی کے ساتھ مناسب ومعقول طریقے سے گذران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت خیر وخوبی رکھی ہو۔ (نساء)

ایک دوسری حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! بیویوں کے ساتھ بہترین سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی کا برتاؤ رکھو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصہ میں ہوتی ہے اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرلوگے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یوں ہی اپنے حال پر چھوڑ دوگے (اور درست کرنے کی کوشش نہ کروگے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی۔ اس لیے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔''

(صحیح بخاری ومسلم)

مطلب یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں کجی فطری ہے اگر کوئی شوہر تشدد کے ذریعہ اس کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ اسی طرح اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی تو قلبی سکون ازدواجی زندگی کا جو اصل مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوسکے گا اس لیے مرد کو چاہیے کہ عورتوں کی معمولی غلطیوں وکمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور خلاف شرع کوئی کام کرے تو تنبیہ اور فہمائش سے کام لے اس طریقہ سے ان کی اصلاح بھی ہوسکے گی یہی میری خاص وصیت ونصیحت ہے اس پر کاربند رہو۔

بیوی سے بستر الگ کرنا

اب اگر بیوی کی طرف سے خلاف طبع امور پیش آنے پر زبانی فہمائش سے کام نہ چلے اور تنبیہ کرنے کی ضرورت ہو تو قرآن کریم نے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کا بستر الگ کردو چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿والتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا﴾ (نساء: ٣٤)

ترجمہ: جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم (قرائن سے) ان کی بد دماغی کا (قوی) احتمال ہو تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (نہ مانیں) تو ان کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو (یعنی ان کے پاس مت لیٹو) اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال کے ساتھ) مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت شروع کر دیں تو ان پر زیادتی کرنے کے لیے بہانہ اور موقع مت ڈھونڈھو۔''

(نساء:۳۴)

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا صدور ہو پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھائے جیسا کہ اوپر تفصیل سے مذکور ہوا اگر محض سمجھانے بجھانے سے باز نہ آئیں تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے سے علیحدہ کر دو تا کہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہو جائیں قرآن کریم کے الفاظ میں ''فی المضاجع'' کا لفظ ہے اس سے فقہا کرام نے یہ مطلب نکالا کہ جدائی صرف بستر میں ہو مکان کی جدائی نہ کرے کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے اس میں ان کو رنج بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے۔

ایک صحابی سے روایت ہے:

"قلت یا رسول الله! ماحق زوجة أحدنا علیه قال أن تطعمها إذا طعمت وتکسوها إذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا في البیت." (أحمد، أبو داؤد وابن ماجة مشکوٰة: ۲۸۱)

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو انہیں بھی کھلاؤ اور تم پہنو تو انہیں بھی پہناؤ اور چہرے پر مت مارو اور انہیں برا مت کہو اگر اس سے علیحدگی کرنا چاہو تو صرف اتنی کرو کہ (بستر الگ کر دو) مکان الگ نہ کرو۔''

بیوی کو مارنے کی حد

ان دونوں شریفانہ سزاؤں سے عورت متنبہ ہو گئی تو جھگڑا یہیں ختم ہو گیا، اور اگر اس شریفانہ سزا پر اپنی نافرمانی سے باز نہ آئی تو تیسرے درجہ میں معمولی مارنے کی بھی اجازت دے

دی گئی جس کی حدیہ ہے بدن پر اس مار کا اثر اور زخم نہ ہو چہرہ پر نہ مارا جائے۔

مگر اس تیسرے درجہ کی سزا کے استعمال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا بلکہ شریف اور بھلے لوگ ایسا نہیں کریں گے بہر حال اس معمولی مار پیٹ سے بھی اگر معاملہ درست ہو گیا تب بھی مقصد حاصل ہو گیا۔اس میں مردوں کو عورتوں کی اصلاح کے لیے جہاں یہ تین اختیارات دیے گئے وہیں آیت کے آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر سہ نمبری تدبیروں سے وہ تمہاری بات ماننے لگیں تو اب تم بھی زیادہ بال کی کھال نہ نکالو اور الزام تراشی میں مت لگو۔

(ماخوذ از معارف القرآن لمفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ)

برادری کے حَکَم سے صلح کروائی جائے

﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها إن يريدا إصلاحا يوفق الله بينهما إن الله كان عليما حكيما﴾ (نساء:۳۵)

اگر (قرائن سے) تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں (ایسی کشاکش) کا اندیشہ ہو (کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں گے) تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک ایک آدمی جو ایسا ہی تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو دونوں کا کچھ کچھ قصور سمجھا دیں) اگر ان دونوں آدمیوں کو (سچے دل سے) اصلاح (معاملہ کی) منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں (بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر عمل بھی کریں) اتفاق فرما دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔ (جس طریق سے ان میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو جانتے ہیں جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق ان کے قلب میں القاء فرما دیں گے) (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے نرمی سے اور نصیحت بستر الگ کر لینا اور معمولی مار پیٹ یہ وہ نظام تھا جس کے ذریعہ گھر کا جھگڑا گھر ہی میں ختم ہو جائے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جھگڑا طول پکڑ لیتا ہے خواہ اس وجہ سے کہ عورت کی طبیعت میں تمرد اور سرکشی ہو یا اس بنا پر کہ مرد کا قصور اور اس کی طرف سے بے جا تشدد ہو بہر حال اس صورت میں گھر کی بات باہر نکالنا تو لازمی ہے لیکن عام

عادت کے مطابق تو یہ ہوتا ہے کہ طرفین کے حامی ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں اور الزام لگاتے پھرتے ہیں، جس کا نتیجہ جانبین سے اشتعال ہوتا تھا۔ اور پھر دو شخصوں کی لڑائی خاندانی جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

اس فسادِ عظیم کا دروازہ بند کرنے کے لیے قرآن نے اس آیت مبارکہ میں فریقین کے اولیاء اور حامیوں کو اور مسلمانوں کی جماعتوں کو خطاب کر کے ایسا پاکیزہ طریقہ بتلایا جس سے فریقین کا اشتعال بھی ختم ہو جائے اور الزام تراشی کے راستے بھی بند ہو جائیں اور ان کے آپس میں مصالحت کی راہ نکل آئے اور گھر کا جھگڑا گھر میں ختم نہیں ہوا تو کم از کم خاندان ہی میں ختم ہو جائے عدالت میں مقدمہ کی صورت میں کوچہ و بازار میں یہ جھگڑا نہ چلے۔

وہ یہ کہ فریقین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی مقتدا جماعت یہ کام کرے کہ دونوں کے آپس میں مصالحت کرانے کے لیے دو حَکَم مقرر کریں ایک مرد کے خاندان سے ایک عورت کے خاندان سے ان کو میاں بیوی کے پاس بھیجے جائیں ان کو بھیجنے کا اصل مقصد یہی ہے کہ دونوں مل کر اخلاص کے ساتھ طرفین کے احوال کی تحقیق کر کے صلح صفائی کرا دیں۔

دونوں کے اندر فیصلہ کی لیاقت کے علاوہ اصل چیز اخلاص نیت ہونی چاہیے اسی لیے قرآن کریم نے آخر میں یہی ارشاد فرمایا کہ إن يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما مطلب یہ کہ دونوں حَکَم اصلاح حال اور باہمی مصالحت کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے کام میں امداد فرما دیں گے اور میاں بیوی میں اتفاق پیدا کر دیں گے۔

❁❁❁❁❁

کتاب الطلاق

طلاق کی حقیقت

طلاق کا حاصل نکاح کے معاملے اور معاہدے کو ختم کرنا ہے۔جس طرح شریعت اسلام نے نکاح کے معاملے اور معاہدے کو ایک عبادت کی حیثیت دے کر عام معاملات اور معاہدات کی سطح سے بلند رکھا ہے اور بہت سی پابندیاں اس پر لگائی ہیں اسی طرح اس معاملہ کو ختم کرنا بھی عام لین دین کے معاملات کی طرح آزاد نہیں رکھا کہ جب چاہے۔جس طرح چاہے اس معاملہ کو فسخ کردے اور دوسرے معاملہ کرلے بلکہ اس کے لیے ایک حکیمانہ قانون بنایا اور بہت سی شرائط عائد کیں۔

اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح اور معاہدہ عمر بھر کے لیے ہو اس کو توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ معاملہ نکاح کو ختم کرنے کے بے شمار دینی و دنیوی مفاسد و نقصانات ہیں اس لیے قرآن وحدیث نے جہاں نکاح کی ترغیب دی ہے ساتھ ہی اگر کبھی جدائی اختیار کرنی پڑے تو اس کا طریقہ بھی بتلا دیا لیکن اس جدائی اختیار کرنے کو ''ابغض المباحات'' یعنی حلال چیزیوں میں سے سب سے مبغوض ترین چیز قرار دے کر اس پر قدغن لگایا۔

عن ابن عمران النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله الطلاق. رواه أبو داؤد. (مشكوٰة باب الطلاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مباح چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین چیز (یعنی سب سے بری چیز) طلاق ہے۔(ابوداؤد)

وعن معاذ بن جبل قال قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معاذ ماخلق الله شيئا على وجه الأرض أحب إليه من العتاق ولا خلق الله شيئا على وجه الأرض أبغض إليه من الطلاق. رواه دارقطني (مشكوٰة كتاب الطلاق)

بلا ضرورت طلاق مانگنے پر وعید

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيما امرأة سألت

زوجها في غير ما باس فحرام عليها رائحة الجنة. رواه أحمد والترمذي وابن ماجة دارمي. (مشکوٰۃ باب الطلاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے خاوند سے بلاضرورت طلاق مانگے، اس پر جنت کی بو حرام ہوگئی، (یعنی جب میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور پیارے بندوں کو جنت کی خوشبو پہنچے گی تو یہ عورت اس خوشبو سے محروم رہے گی۔

طلاق کے دنیاوی نقصانات

طلاق کے معاملہ میں بے احتیاطی کے برے نتائج وعواقب، آئے دن وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں دینی نقصانات کے علاوہ بے شمار دنیاوی نقصانات بھی ہیں۔ مثلاً اس سے گھر اجڑ جاتا ہے بچے شفقت مادری و پدری سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ان کی صحیح تعلیم وتربیت نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے بچے اخلاقی جرائم کے شکار ہوجاتے ہیں نیز بسا اوقات دونوں خاندانوں میں جھگڑے پڑ جاتے ہیں وہ خاندان جو آپس میں شیر وشکر کی طرح تھے ان دونوں کی جدائی کی وجہ سے ایسے دشمن بن جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کو تیار ہوجاتے ہیں عدالت کے چکر کاٹتے کاٹتے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے کے علاوہ معاشی طور پر بھی دونوں خاندان تباہ ہوجاتے ہیں اس سے معاشرہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

طلاق کے بعد بے ہوش ہوگیا

بندہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الافتاء کے دوران فتویٰ نویسی کی مشق کر رہا تھا، اس دوران ایک صاحب کا فتویٰ حاصل کرنے کے لیے سوال آیا کہ میری دو بیویاں ہیں میں فیکٹری میں مزدوری کرتا ہوں دوپہر کے وقت کھانے کے لیے گھر آیا تو کھانا تیار نہیں تھا وجہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ والدہ سے جھگڑ کر دونوں نے کھانا نہیں پکایا تو میں نے دونوں کو تین طلاقیں دے دیں اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ بندہ نے حسب حکم شرع بیویوں کے حرام ہونے کا فتویٰ لکھ کر دے دیا سائل نے مجھ سے کہا پڑھ کر سنادیں اس میں کیا لکھا میں نے پڑھ کر سنایا تو فتویٰ سن کر پہلے سر پر زور سے ہاتھ مارا پھر سر کو دیوار پر مارنے لگا اور بے ہوشی کے قریب تھا کہ بندہ نے سمجھانے کی کوشش کی تسلی دی، وہاں سے تو کسی طرح چلا گیا بعد کی حالت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

اس کے بعد بھی جب دارالافتاء میں مستقل بیٹھنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی سینکڑوں واقعات سننے اور دیکھنے میں آئے پہلے ایک دم سے تین طلاقیں دے دیتے ہیں اس کے بعد فتویٰ پوچھتے ہیں جب ان کو حکم شرع بتلا دیا جاتا ہے کہ اس سے بیوی حرام ہوگئی تو بے ساختہ رونے پیٹنے لگتے ہیں ہائے میرے بچوں کی کون پرورش کرے گا ہم دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے اتنی محبت ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے یہ تو میں نے غصہ میں طلاق دے دی ہے ورنہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا ہم ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں آپ کچھ تو گنجائش نکالیں کوئی نہ کوئی صورت تو کر ہی دیں جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ آپ نے تو خود ہی تمام راستے بند کر دیئے اب تمام صورتیں ختم ہوگئیں۔ میں کہاں سے گنجائش نکالوں۔

طلاق دینے سے انکار

یہ جواب سن کر باہر جا کر کبھی تو طلاق ہی سے مکر جاتے ہیں اور صاف انکار کر دیتے ہیں کہ ہم نے کوئی طلاق نہیں دی یا پھر دوسری جگہ جا کر الفاظ میں ہیر پھیر کر کے غلط بیانی سے کام لے کر بیوی کو اپنے پاس رکھنے کے جواز کا فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں پھر پوری زندگی زنا میں مبتلا رہتے ہیں اگر اہلِ محلّہ یا برادری والے کچھ کہیں تو محلّہ ہی کو چھوڑ دیتے ہیں بیوی کو لیکر کہیں دوسری جگہ جا کر آباد ہو جاتے ہیں۔

طلاق کے بعد غیر مقلد بننا

بعض دفعہ بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد اپنے پاس روکنے کے لیے ائمہ اربعہ کے اجماعی مذہب اور قرآن وحدیث کے صریح نصوص میں کوئی گنجائش نہیں ملتی تو غیر مقلدین کے مذہب کو اختیار کر لیتے ہیں جو ایک صریح حرام فعل ہے ایک بیوی کی خاطر آدمی اپنے دین ومذہب میں متزلزل ہو جائے اس سے بڑا نقصان اور کیا ہوگا؟

تین طلاق کے بعد مرتد ہو جانا

بعض لوگوں کے بارے میں یہ بھی دیکھا اور سنا گیا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد جب بیوی کو اپنے پاس روکنے کا شرعاً کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتے ہیں، نعوذ باللہ منہ۔ صد افسوس جس بیوی سے لڑ جھگڑ کر پہلے سے زندگی تلخ ہو چکی ہے حتیٰ کہ طلاق کی نوبت آ گئی اسی کو تھوکنے کے بعد دوبارہ چاٹنے کے لیے اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے

اس سے بڑی حماقت اور بدنصیبی اور کیا ہوگی؟

اس کے علاوہ بھی طلاق کی خصوصاً تین طلاقوں کی بہت سی دینی ودنیوی مضرتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق سے سختی سے روکا اور اس کو مبغوض ترین فعل قرار دیا۔ بلاضرورت شدیدہ آدمی کبھی اس طرف توجہ نہ کرے۔

طلاق کا حکیمانہ نظام

اللہ تعالیٰ نے اسلام میں طلاق کا جو نظام مقرر فرمایا ہے اس کی حکمتوں کا کسی قدر اندازہ دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ سے ہوسکتا ہے:

طلاق دینِ یہود میں:

یہود کے اصلِ دین میں طلاق کی کھلی اجازت تھی اور اس کا اختیار صرف شوہر کو تھا، لیکن ان کے نزدیک طلاق صرف تحریراً واقع ہوسکتی تھی، نیز طلاق دینے والے شخص کے لیے وہ مطلقہ زوجِ ثانی سے نکاح وطلاق کے بعد بھی حلال نہ ہوسکتی تھی، مزید کوئی پابندی شوہر پر نہ تھی اس کو مکمل آزادی حاصل تھی کہ جب اور جس طرح چاہے طلاق دے، لیکن یہودیوں نے بعد میں طلاق پر بہت سی پابندیاں عائد کردیں۔

حتى أصبح الطلاق شاذا في القرن الحادي عشر الميلادي

مذکورہ تفصیل "سفر التثنية (۲۴: ۱-۴) سفر أرميا عليه السلام (۳: ۱)" سے ماخوذ ہے۔ (تکملہ فتح الملهم (۱/ ۱۳۰) وراجعه للتفصيل)

طلاق دینِ نصاریٰ میں:

یہود کے برخلاف اصل عیسائی مذہب میں طلاق دینا حرام اور سخت گناہ تھا اور سوائے عورت کے زانیہ ہونے کے اور کسی صورت میں طلاق کی اجازت نہ تھی، چنانچہ انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ علیہا السلام کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ "جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا، اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کیا تو اس نے زنا کیا۔"

(تکملہ فتح الملهم: ۱/ ۱۳۱)

اور انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی آدمی

کی مطلقہ سے نکاح کیا اس نے زنا کیا۔ (تکملہ فتح الملھم ۱/۱۳۱)

بہر حال طلاق دینِ نصاریٰ میں شجرِ ممنوعہ تھی، دوسری طرف تعدّدِ ازدواج ممنوع تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر غلطی سے دو ناموافق انسانوں میں رشتہ نکاح قائم ہو گیا تو دونوں کی زندگی مستقل جہنم بنی رہتی تھی جس سے خلاصی کا کوئی راستہ نہ تھا، لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات چلنے والی نہ تھی، اگر چہ جب اسلام میں طلاق کی اجازت دی گئی تو بعض نصاریٰ نے اسلام کے اس حکم پر بھی اعتراض کیا لیکن چونکہ طلاق کی اجازت نہ دینا ایک غیر فطری حکم تھا اس لیے بعد میں خود نصاریٰ اس پر عمل نہ کر سکے، اور رفتہ رفتہ طلاق پر عائد شدہ پابندیاں ڈھیلی ہونی شروع ہوئیں اور زنا کے علاوہ بعض دوسری خرابیوں کی بنا پر طلاق کی اجازت خود کلیسا نے دیدی، پھر لوگوں کے دباؤ پر کلیسا ان اعذار میں اضافہ کرتا چلا گیا، اس کے باوجود طلاق کے اعذار پھر بھی محدود تھے اور طلاق دینے کا اختیار صرف کلیسا کی عدالتوں کو تھا، شوہر یا بیوی کو کسی قسم کا اختیار نہ تھا، وہ ضرورت پڑنے پر کلیسا سے رجوع کرتے تھے جو تحقیق کے بعد اپنی صوابدید پر طلاق کا حکم جاری کرتا تھا، لیکن چونکہ کلیسا کی عدالتیں حتی الامکان بائبل کی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کرتی تھیں اس لیے ان کی طرف سے طلاق کے فیصلے کم ہوتے تھے۔

یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے بعد عوام میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ طلاق کی ان ناروا پابندیوں کو اٹھایا جائے، بالآخر ایک انقلابی قدم اٹھایا گیا اور طلاق کا اختیار کلیسا کی عدالتوں سے اٹھا کے عام ملکی عدالتوں کی طرف منتقل کر دیا گیا، اور طلاق کے اعذار کی فہرست انتہائی طویل بنادی گئی اور طرہ یہ کہ مرد کے علاوہ عورت کو بھی عدالت سے رجوع کر کے طلاق کا اختیار دیدیا گیا اور طرفین کے لیے محض ناپسندیدگی بھی طلاق کا قانونی جواز قرار پا گئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یورپ میں طلاقوں کی جتنی کثرت ہے اس کا مشرقی ممالک کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے، اور رشتہ نکاح کا ہر وقت علیٰ شرف الزوال رہتا ہے۔

طلاق دینِ ہنود میں:

ہندو مذہب میں بھی طلاق ممنوع رہی ہے، حتی کہ اگر عورت زنا کی مرتکب ہو جاتی تو اپنے مذہب سے خارج شمار کی جاتی لیکن طلاق کی صورت نہ ہوتی، لیکن جب ہندوؤں نے اس حکم میں تنگی محسوس کی تو ان کے بعض فرقوں نے اس کی اجازت دی کہ ضرورت پڑنے پر شوہر اپنے پنڈت اور پروہت وغیرہ سے طلاق کے لیے رجوع کر سکتا ہے، چنانچہ جنوبی ہندوستان میں اب

اکثر فرقوں کے نزدیک طلاق کا سلسلہ ہے جبکہ شمال ہند میں اب بھی سوائے چند نیچ فرقوں کے طلاق کا رواج نہیں اور شرفاء کے نزدیک اس کو اب تک ناجائز سمجھا جاتا ہے۔

(تکمله فتح الملهم: ۱/ ۱۳۲)

طلاق دینِ اسلام میں:

اسلام نے طلاق کا جو عادلانہ نظام مقرر کیا ہے وہ اس افراط تفریط سے پاک ہے جو دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے اسلام نے طلاق کو نہ بالکل حرام قرار دیا نہ اس کی بے لگام اجازت دی، دراصل اسلامی تعلیمات کا منشا یہ ہے کہ رشتۂ نکاح پائیدار اور خوشگوار ہو، اور بوقتِ مجبوری طلاق کی بھی گنجائش ہو، جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل احکام سے لگایا جا سکتا ہے:

۱۔ نکاح سے قبل مرد کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی مخطوبہ کو دیکھ لے تاکہ وہ بصیرت کے ساتھ رشتۂ نکاح قائم کرے، اور بعد میں بدصورتی وغیرہ کی بناء پر رد کرنے کی نوبت نہ آئے۔

۲۔ معمولی معمولی باتوں پر طلاق کو پسند نہیں کیا گیا بلکہ شوہر کو یہ تاکید کی گئی کہ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئے تو وہ اس کی دیگر کی خوبیوں کا تصور کرے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (نساء: ۱۹)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا يفرك مؤمن مؤمنة، إن كره منها خلقا رضي منها آخر أو قال غيره.

۳۔ پھر اگر کوئی بات شوہر کے لیے ناقابلِ برداشت ہونے لگے تو بھی طلاق کے بجائے مرد کو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ بتدریج اس کی اصلاح کی فکر کرے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ (نساء: ۳٤)

۴۔ پھر اگر زوجین کے درمیان اختلافات شدید ہوں اور اصلاح کے مذکورہ طریقوں سے کام نہ بنے تو زوجین کے اقرباء کو اصلاح کی کوشش کرنے کے لئے کہا گیا ہے،

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ﴾(نساء: ۳۵)

نیز ارشاد ہے:

﴿ والصلح خیر ﴾ (نساء: ۱۲۸)

۵- پھر اگر اصلاح کی یہ کوشش بھی بارآور نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبائع میں اتنا تضاد ہے کہ اب رشتۂ نکاح کو ان پر مسلط رکھنا بھی ظلم ہے، ایسی صورت میں مرد کو اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا ہے:

"أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق"

(ابو داؤد باب کراهة الطلاق ۱/۲۹۶)

جس کا مطلب یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر انتہائی مجبوری کی حالت میں دینی چاہیے۔

۶- پھر طلاق کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ وہ ایسے طہر میں ہو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو تاکہ طلاق کسی وقتی منافرت کے سبب سے نہ دی جائے، اور طلاق کے بعد عدت کا شمار بھی آسان ہو۔

۷- نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے تاکہ اگر حالات روبہ صلاح ہونے لگیں تو عدت کے دوران رجوع کرنا ممکن ہو، اور عدت کے بعد بھی تجدید نکاح کی گنجائش ہو۔

۸- اگر شوہر یہ چاہتا ہو کہ عورت طلاق کے بعد اسکی طرف لوٹ کر نہ آسکے اور مغلظہ ہو جائے تب بھی اس کو ایک طہر میں تین طلاقیں دینے سے روکا گیا ہے اور اسی کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ یہ ہر طہر میں ایک طلاق دے، یہاں تک کہ تین طلاقیں مکمل ہو کر اس کا مقصد پورا ہو جائے، اس طریقہ میں یہ حکمت ہے کہ اس کو اس صورت میں تقریباً دو مہینے سوچ بچار کے لیے مل جائیں گے اس عرصہ میں وہ طلاق کے نتائج کا مشاہدہ کر کے فیصلہ کر سکے گا، اور اگر اس کو عورت کی صلاح محسوس ہونے لگی تو طلقات ثلاث مکمل ہونے سے قبل رجوع کرنے پر قادر ہوگا جبکہ بیک وقت تین طلاق کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

۹- پھر طلاق کا یہ سارا اختیار مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ عورتیں عموماً جذباتی اور عجلت پسند ہوتی ہیں، اس لیے طلاق کے معاملہ میں ان سے متوازن فیصلہ مشکل اور بے اعتدالی کا خطرہ

ہے۔

البتہ چونکہ بعض صورتیں ایسی ہوسکتی ہیں کہ عورت معقول وجوہ کی بناء پر علیحدگی چاہتی ہوتو اس کے لیے "خلع" کا راستہ رکھا گیا ہے، نیز خاص خاص حالات میں عدالت کے ذریعہ بھی نکاح فسخ کرا سکتی ہے، مثلاً شوہر مجنون، مفقود، عنین، نان نفقہ نہ دیتا ہو یا پھر غائب غیر مفقود ہو اور عورت کو اپنی عصمت کا خطرہ ہو۔

ان احکام کے ذریعہ ان تمام خرابیوں کا سدِ باب کر دیا گیا ہے جو مذکورہ افراط وتفریط سے پیدا ہوسکتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر اس نظام پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو نکاح وطلاق کے تمام قضیے بہ آسانی نمٹ سکتے ہیں۔ واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم۔ (درس ترمذی للشیخ المفتی محمد تقی عثمانی ۳/۴۵۹)

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

قرآن وسنت کے ارشادات اور تعاملِ صحابہ وتابعین سے عدد طلاق کے متعلق جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے تو طلاق کا احسن (پسندیدہ) طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق صریح لفظ کے ساتھ حالت طہر (یعنی پاکی کے ایام) میں دیدے جس میں ہمبستری نہ کی ہو اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے عدت ختم ہونے کے ساتھ رشتہ نکاح خود ٹوٹ جائے گا اس کو فقہاء کرام نے طلاقِ احسن کہا ہے اور حضرات صحابہ کرام نے اسی کو طلاق کا بہتر طریقہ کہا ہے۔ جس کی تفصیل ماقبل کے مضمون میں گذر چکی ہے۔

حضرت ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام طلاق دینے میں اس کو پسند فرماتے تھے کہ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے اور عدت طلاق تین حیض پورے ہونے دیئے جائیں تاکہ عورت آزاد ہوجائے اگر شوہر ضرورت محسوس کرے تو دو طلاق تک دی جاسکتی ہیں الفاظ قرآنی سے اس کی اجازت بھی نکلتی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾ (بقرة:۲۲۹)

یعنی طلاق دو ہی مرتبہ ہے پھر ان دونوں مرتبہ طلاقوں میں یہ لچک رکھ دی کہ ان سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ عدت پوری ہونے تک مرد کو اختیار ہے کہ یا تو شرعی قاعدہ کے مطابق

رجعت کر کے بیوی کو اپنے نکاح میں روک لے یا پھر خوبصورتی اور خوش معاملگی کے ساتھ اس کی عدت پوری ہونے دے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

دو طلاقوں کی اجازت تو ہے مگر چونکہ ضرورت نہیں ہے اس لیے شرعاً پسندیدہ نہیں تاہم دو طلاقوں کے بعد بھی بات وہیں کی وہیں رہی کہ دورانِ عدت رجعت کا اختیار باقی ہے اور عدت ختم ہونے کے بعد بھی جب بھی طرفین چاہیں نکاح جدید ہو سکتا ہے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔ پریشانی بھی نہیں اس لیے دو طلاق بھی باتفاق ائمہ وفقہاء طلاق سنت ہی میں داخل ہے یعنی بدعت نہیں۔

تین طلاق کا غیر مستحسن ہونا

لیکن تیسری طلاق کے غیر مستحسن ہونے کی طرف تو خود اسلوب قرآن میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے اس کے غیر مستحسن ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین طلاق دینے کو ناپسند فرمانا ثابت ہے اسی بناء پر امام مالک اور بعض دوسرے ائمہ فقہا نے تیسری طلاق کو مطلقاً ناجائز اور طلاق بدعت قرار دیا۔ دوسرے ائمہ نے تین طہروں میں تین طلاقوں کو اگرچہ طلاق سنت میں داخل کہہ کر طلاق بدعت سے نکال دیا ہے مگر اس کے غیر مستحسن ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

تین طلاق کا حکم

اگر کسی نے شریعت کی دی ہوئی آسانیوں کو نظر انداز کر کے بلا وجہ اپنے سارے اختیارات طلاق کو ختم کر کے تین طلاق دیدی تو یہ فعل اگرچہ غیر مستحسن اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے اس کے باوجود تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی بیوی اس پر حرام ہو جائے اور بدون حلالہ کے نکاحِ جدید کا اختیار بھی سلب ہو جائے گا، دونوں کا میاں بیوی جیسا تعلق رکھنا بدکاری وزنا کے حکم میں ہوگا۔ دونوں کے لیے علیحدگی اختیار کرنا لازم اور ضروری ہوگا۔

قرآن کریم نے تیسری طلاق کا ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾

یعنی اگر اس شخص نے تیسری طلاق بھی دے ڈالی (جو شرعاً پسندیدہ نہ تھی) تو اب نکاح کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا اس کو رجعت کرنے کا کوئی اختیار نہ رہا اور چونکہ اس نے شرعی حدود سے

تجاوز کیا کہ بلاوجہ تیسری طلاق دے دی تو اس کی سزا یہ ہے کہ اب اگر یہ دونوں راضی ہو کر پھر آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو وہ بھی نہیں کر سکتے۔

اب دونوں کے آپس میں دوبارہ نکاح کرنے کی شرط یہ ہے کہ یہ عورت (عدت طلاق پوری کرکے) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور حقوقِ زوجیت (یعنی ہمبستری) ادا کرکے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے پھر اگر اتفاق سے وہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے (یا مر جائے) تو پھر اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے۔ (معارف القرآن:۱/۵۵۹)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اگر چہ تین طلاق دینے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تاہم تینوں طلاقوں کو نافذ فرمایا چنانچہ روایت ہے:

عن محمود بن لبيد أُخبِرَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا، فقام غضبانا ثم قال : "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهر كم حتى قام رجل وقال يارسول الله ألا أقتله." (نسائی:۲/۹۸)

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کو قتل نہ کردوں؟

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ تین طلاقیں اکٹھی دی گئیں تھیں اور تینوں واقع ہو گئیں تھیں اگر تینوں واقع نہ ہوتیں تو غضبناک ہونے کی ضرورت نہیں تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ کوئی حرج نہیں رجوع کرلو۔

دوسری حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صحیح بخاری میں بالفاظ ذیل ہے:

أن رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: "أتحل للأول؟" ، قال :"لا حتى يذوق عسيلها كما ذاقها الأول."

یعنی ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی اس نے دوسری جگہ نکاح کیا تو اس دوسرے شوہر نے بھی اس کو طلاق دیدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جب تک دوسرا شوہر اس سے ہمبستری کر کے لطف اندوز نہ ہو جائے جس طرح پہلے شوہر نے کیا تھا اس وقت تک طلاق دینے سے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔"

(صحیح بخاری ۷۹۱/۲، صحیح مسلم: ٤٦٣)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تین طلاق دیتے سنا تو غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

أتتخذون آيات الله هزوا ، أو لعبا من طلق امرأته ثلاثا الزمناه ثلاثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره. (المغني لابن قدامة ٤/٤)

یعنی آپ نے فرمایا کیا تم (ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر) آیات اللہ کو مذاق بناتے ہو یا فرمایا کھیل بناتے ہو! جو بھی تین طلاقیں دے گا ہم تین ہی لازم کر دیں گے اور اس کی بیوی (دوبارہ) حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔

اور شیخ الاسلام امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا:

"قال الشافعي ومالك وأبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث. (شرح مسلم: ٤٧٨/١)

یعنی امام شافعی و مالک امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل اور سلف وخلف میں سے جمہور علماء نے فرمایا کہ تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔

بہر حال نکاح وطلاق کی شریعتِ مطہرہ نے بہت ہی اہمیت بیان فرمائی ہے اس کے لیے با قاعدہ ضابطہ اور نظام مقرر فرمایا ہر نکاح کے قابل شخص جب تک ان قواعد وضوابط کو سیکھ کر ان کو نہیں اپنائے گا ازدواجی زندگی سے راحت وسکون حاصل نہیں کر سکے گا اس لیے ضروری ہے کہ

اس نظامِ حیات کو سمجھ کر اس پر عمل کرے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد و عورت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حلالہ کی شرعی حیثیت

تین طلاق کے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جب معلوم ہو جاتا ہے کہ شرعاً اب بیوی کو اپنے پاس روکنے کی گنجائش ختم ہوگئی ہے تو پھر مروجہ حلالہ کی لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں جس میں شریعت کے حکم کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ اپنے من مانی سے اپنے خیال وگمان کے مطابق حلالہ کرالیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی کو پکڑ کر نکاح کروایا، پھر اس کو عورت کے ساتھ تنہائی میں بھیج دیا پھر جماع (یعنی ہمبستری) ہو یا نہ ہو فوراً دوبارہ طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اس کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کروا دیتے ہیں حالانکہ اس طرح حلالہ کرنے والوں پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

﴿لعن اللّٰہ المحل و المحلل لہ﴾

یعنی حلالہ کے لیے نکاح کرنے والا مرد اور جس کے لیے یہ حلالہ کا فعل انجام دیا گیا ہے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ عام طور پر نکاحِ ثانی پہلے شوہر کی عدت میں ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عدت کے اندر نکاح جائز نہیں ہے۔ پھر پہلے شوہر سے دوسرے کی عدت میں نکاح کروا دیا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز نہیں تیسری خرابی یہ ہے کہ اگر دوسرے ہر نکاح کے بعد مذکورہ عورت سے ہمبستری کر کے لطف اندوز نہ ہوا تو پہلے شوہر کے لیے ہرگز حلال نہیں ہوگی اگر ویسے ہی رسمی طور پر نکاح کر کے طلاق دے دی پھر شوہرِ اول نے نکاح کر لیا تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اب اگر بیوی کو رکھے گا تو زنا کے حکم میں ہوگا۔

شریعت میں جو حلالہ کا تصور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حلالہ ایک گھناؤنہ فعل ہے کیونکہ یہ انسانی غیرت کے خلاف ہے کہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ رہنے دیا جائے پھر اپنے پاس رکھے۔ لہٰذا جس عورت کو ایک دفعہ طلاق دے دی اس کی طرف التفات ہی نہ کرے۔

لیکن اگر کسی کو بہت ہی مجبوری پیش آجائے دوبارہ اس عورت کو رکھے بغیر چارہ ہی نہ ہو ایسی صورت میں شریعت نے اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنے کی جو اجازت دی جس کو حلالہ کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے شوہر کی عدت گزرنے کے بعد کوئی شخص اپنی مرضی

سے غیر موقت غیر مشروط طور پر اس عورت سے شرعی قاعدہ کے مطابق نکاح کرے۔ اور جماع (ہمبستری) بھی کرے اس کے بعد یا تو دوسرے شوہر کا انتقال ہوجائے یا دوسرے شوہر طلاق دیدے پھر دوسرے شوہر کی عدت گزرجائے اب طرفین باہمی رضامندی کے ساتھ دوبارہ شادی کرسکتے ہیں۔

شرعی حلالہ کی صحیح صورت یہی ہے اس کے علاوہ لوگوں کی من مانی ہے۔

صرف طلاق کے خیال سے طلاق نہیں ہوتی

وقوع طلاق کے لیے ضروری ہے کہ شوہر اپنی زبان سے ایسے الفاظ ادا کرے جو طلاق کے معنی پر دلالت کرنے والے ہوں، محض طلاق کے وسوسہ آنے سے یا دل میں طلاق کا خیال جمالینے سے مثلاً کسی گناہ سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے لیے دل میں یہ شرط لگائی اگر آیندہ یہ گناہ کیا تو میری گھر والی کو طلاق لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا پھر وہ گناہ دوبارہ کرلیا تو جب تک زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہ کرے محض خیال اور نیت کرنے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

ورکنه لفظ مخصوص هوما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية. (الدر المختار)

وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجار ينوى الطلاق ولم يذكر لفظا لا صريحا ولا كناية لايقع عليه.

(رد المحتار :۳/ ۲۳۰ کتاب الطلاق طبع سعید)

مذاق، غصے اور حمل کی حالت میں طلاق

بعض لوگوں کو طلاق دیتے وقت تو طلاق کے برے نتائج انجام اور نقصانات کا خیال نہیں رہتا، غصہ میں آکر طلاق دے بیٹھتے ہیں، بعد میں نقصانات سامنے آنے پر بیوی کو پھر ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ حیلہ بہانہ کرتے ہیں کہ میں نے اس کو غصہ میں طلاق دی ہے، یا مذاق میں دی ہے۔ میری بیوی تو اس وقت حاملہ تھی، لہٰذا طلاق نہیں ہوئی تو اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب کسی نے اپنی بیوی کے حق میں طلاق کا لفظ استعمال کیا یعنی زبان سے کہہ دیا تمہیں طلاق ہے، یا میں نے تمہیں طلاق دی یا کسی اور سے کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق، یا لکھ کر بھیج دیا یا لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا اس قسم کے جملے چاہے غصہ کی حالت میں کہے جائیں یا مذاق میں

چاہے حالت حمل ہو یا نہ ہو بہرحال ان سے طلاق واقع ہوجائے گی۔ اس میں ہیرا پھیری سے کام لینا بڑا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فکر آخرت خوف خدا نصیب فرمائے۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة.

(جامع الترمذي باب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق ۱/۲۲۵، طبع سعید)

پاگل، مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوئی

اگر کوئی شادی شدہ شخص پاگل ہوگیا اور پاگل ہونے کی حالت میں بیوی کو طلاق دیدے، یا نیند کی حالت میں بڑبڑائے اس حالت میں اسکی زبان سے طلاق کے الفاظ نکلے، تو پاگل پن اور نیند کی حالت کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

وفي الهندية قال: لا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش.

(عالمگيريه ۱/۳۵۳ طبع رشيديه كوئٹه)

نشے کی حالت میں طلاق واقع ہوتی ہے

شراب، چرس، بھنگ، افیون وغیرہ حرام چیزوں کے استعمال سے نشے کی حالت پیدا ہوجائے اور اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو یہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اگر ایک طلاق رجعی دی تو رجوع کا حق ہوگا، تین دیدی تو بیوی حرام ہوجائے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: او سكرن ولو بنبيذ أو حشيش أو أفيون أو بنج زجرا به يفتي تصحيح. القدروي. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳/۲۳۹)

وفي الهندية قال: وطلاق سكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ. وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله كذا في المحيط. ومن سكر من البنج يقع طلاقه ويحد لفشو هذا الفعل بين الناس وعليه الفتوىٰ في زماننا.

(عالمگيريه: ۳۵۳، فصل فيمن يقع الطلاق)

زبردستی طلاق کے الفاظ کہلوانے سے طلاق ہو جاتی ہے

اگر کسی شخص کو دھمکی دے کر زبردستی طلاق کے الفاظ کہلوائے، اور اس نے زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کیے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

عن صفوان بن عمر أن الطائي أن رجلا كان نائما فقامت امرأته فأخذت سكينا فجلست على صدره فقالت لتطلقني ثلاثا أو لأذبحنك فطلقها ثم أتي النبي صلى الله عليه وسلم فكره له ذلك فقال لا قيلولة في الطلاق. أخرجه الإمام محمد والفضيلي.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة ۲۸۸/۶، اعلاء السنن ۱۷۷/۱۱، نصب الرأية)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبداء أو مكرها فإن طلاقه صحيح إلخ. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۳۵/۳ كتاب الطلاق)

زبردستی طلاق کے الفاظ لکھوانے کا حکم

اگر کسی شخص کو مجبور کر کے زبردستی طلاق کے الفاظ لکھوائیں، لیکن چونکہ وہ طلاق دینے پر کسی صورت میں راضی نہیں تھا اس لیے زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہیں کیے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

البتہ زبان سے بھی کہا ہو تو طلاق واقع ہو جائے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلأنه بنت فلان فكان فكتب امرأته فلانه بنت فلان طالق لا تطلق امرأته.

(الفتاوىٰ الهندية الفصل السادس في الطلاق بالكتابة ۳۷۹/۱ رشيدية)

نفسیاتی ذہنی مریض کی طلاق کا حکم

ذہنی اور نفسیاتی مریض کی حالت اگر ایسی ہو جائے کہ وہ مغلوب الحال ہو جائے کہ اکثر اوقات اس کی باتوں میں اور اس کے کاموں میں دماغی فتور کے اثرات ظاہر ہوں کہ اس کے کام پاگلوں جیسے، حرکات اور باتیں پاگلوں جیسی اگرچہ کبھی صحیح بات اور کام بھی کر لیتا ہے تو ایسے ذہنی اور نفسیاتی مریض کی بیماری کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال ابن عابدين رحمه الله : فالذي ينبغي التعويل عليه في المدهوش ونحوه أناطة الحكم بغلبة الخلل في أقواله وأفعاله الخارجة عن عادته وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر أو مرض أو لمصيبة فاجأته فما دام في حال غلبة الخلل في الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها لأن هذه المعرفة والإرادة غير معتبرة لعدم حصولها عن أدراك صحيح كما لا يعتبر من الصبي العاقل.

(ردالمحتار ۲۴۴/۳ مطلب في الطلاق المدهوش)

نابالغ کی طلاق کا حکم

نابالغ اپنی منکوحہ بیوی کو شرعاً نہ خود طلاق دے سکتا ہے، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی منکوحہ کو طلاق دے سکتا ہے، ایسی صورت میں طلاق نامہ غیر معتبر ہے۔

وفي الهندية قال: لا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل، والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش هكذا في فتح القدير.

(الفتاویٰ العالمگیریہ :۱/ ۳۵۳ فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع)

❁❁❁❁❁

فصل في الطلاق الصريح

عربی میں "أنت طالق" کہنا، اردو میں "تجھے طلاق ہے۔" کہنا یا کسی اور زبان میں ایسے الفاظ استعمال کرنا، جو طلاق کے لیے خاص ہو یعنی ان الفاظ کو صرف اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ بیوی کو اپنے نکاح سے فارغ کرنا مقصود ہو تو ایسے الفاظ ایک مرتبہ استعمال کرنے سے بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، دو مرتبہ استعمال کرنے سے دو طلاق رجعی واقع ہوں گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وصريحه مالم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية وقال ابن عابدين رحمه الله : تحت قوله ولو بالفارسية فما لا يستعمل فيها إلا في الطلاق فهو صريح يقع بلا نية.

(ردالمحتار:۲۴۷/۳ باب الصريح)

طلاقِ رجعی کا حکم

ایک یا دو طلاق رجعی دینے کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر عدت کے دوران (یعنی جس دن طلاق دی اس دن کے بعد بیوی کو تین مرتبہ ایام/ ماہواری گزرنے سے پہلے) اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا (بہتر یہ ہے کہ یہ دو گواہوں کے سامنے کہہ دے) یا بیوی کے ساتھ میاں بیوی کا مخصوص فعل کرلے تو بھی طلاق سے رجوع ہوجائے گا۔ اگر عدت گزر گئی تو باہمی رضامندی سے نیا مہر مقرر کرکے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے، لیکن اب شوہر کی ملک میں جو طلاقیں باقی اگر پہلے ایک طلاق دی تو دو طلاقیں مزید اگر پہلے دو دیدیں تو اب صرف ایک طلاق کا اختیار باقی رہے گا۔ جب بھی بقیہ طلاقیں دے دے گا بیوی مغلظہ ہوکر حرام ہوجائے گی حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہ ہوسکے گا۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض، لقوله تعالى: فأمسكوهن بمعروف، من غير فصل ولا بد من قيام العدة لأن الرجعة استدامة الملك إلا أنه

سمي إمساكا وهو الإبقاء وإنما يتحقق الاستدامة في العدة لأنه لا ملك بعد انقضائها إلخ. (شرح البدايه ۲/۳۹٤ باب الرجعة)

”میں تجھے طلاق دیتا ہوں“ کا حکم

اگر شوہر نے اردو زبان میں اپنی بیوی سے کہا ”کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔“ اس سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔ اس کا تفصیلی حکم سابقہ فتوی میں ملاحظہ فرمائیں۔

”میں نے تجھے چھوڑ دیا“ کا حکم

اگر کسی نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ ”میں نے تجھے چھوڑ دیا“ یا ”میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا“ یہ عربی زبان میں "سرحتك" کی طرح طلاق کے صریح الفاظ میں سے ہیں، لہٰذا اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ٥/١٦٦)

فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال: "رها كردم" أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا ومع ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت.

(ردالمحتار كتاب الطلاق باب الكنايات ۳/۲۹۹ سعيد)

فتاویٰ عثمانی ۲/۳۴۴: میں ہے کہ لفظ چھوڑ دیا ہمارے عرف میں طلاق صریح ہے۔

وفي الحاشية بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو "رها كردم" لأنه صار صريحا في العرف على ماصرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري.

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ یک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے“ یہ الفاظ اگر تین سے زائد مرتبہ کہہ دیئے ہیں تو آپ کی اہلیہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں اب وہ آپ پر بغیر حلالہ کے ہرگز حلال نہیں ہوسکتیں۔

لأن الألفاظ المذكورة صريحة في الطلاق في عرفنا فلا تحتاج إلى النية أما الضمير فينبغي عن تسمية المرأة إذا كان مرجعه

معلوما. (فتاویٰ عثمانی: ۲/۳٦١)

''میں نے تجھے آزاد کردیا'' طلاقِ صریح ہے

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو کہے کہ ''میں نے تجھے آزاد کردیا ہے'' اس میں ''امداد الفتاویٰ ۲/۴۲۹ میں مذکور ہے کہ یہ کہنا کہ آزاد کردیا ہے ہمارے عرف میں طلاق کے لیے مستعمل ہے، لہٰذا اس سے طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔

في ردالمحتار فإذا قال "رها كردم" أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. فقط.

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق میں نے آزاد کردیا کہنا صریح بائن ہے، لہٰذا اس سے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۲۰۲)

''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' کا حکم

کوئی شخص اپنی بیوی کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' یا خطاب کیے بغیر کسی اور کے سامنے کہتا ہے کہ ''میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں'' یا تحریر میں لکھ دیتا ہے، ان الفاظ کو ایک مرتبہ کہنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، دو مرتبہ کہنے سے دو طلاق ہوں گی، دورانِ عدت رجوع کا حق ہوگا، تین مرتبہ کہنے سے طلاق مغلظہ ہوگی، بیوی حرام ہوجائے گی، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی ناجائز اور حرام ہوگا۔

إذا طلق الرجل تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في العدة.

(هدايه شرح البدايه باب الرجعة ٢/٣٩٤ شركت علميه)

''تو فارغ ہے'' کہنے کا حکم

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ''تو فارغ ہے'' یا کسی اور سے کہا کہ میں نے اسکو فارغ کردیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ جن علاقوں میں یہ لفظ بیوی کو نکاح سے فارغ کرنے کے لیے طلاق کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے تو "سرحتك" کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اس لفظ سے ایک طلاق رجعی

واقع ہوگی، اور جن علاقوں میں یہ پکی طلاق یعنی نکاح سے مکمل فارغ کرنے کے لیے مستعمل ہوتو "یہ تو مجھ پر حرام ہے" کی طرح اس سے صریح بائن ہونے کی وجہ سے بلانیت طلاق بائن واقع ہوگی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یہ لفظ فارغ خطی کنایہ ہے اور چونکہ اس سے ایقاع بائن متعارف ہے، اس لیے بلانیت اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اس لیے بلانیت اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

كما في ردالمحتار: في قوله حرام ما نصه وسيأتي وقوع البائن به بلانية في زماننا للتعارف إلى آخر ماقال وأطال.

(۲۹۹/۳ باب الكناية) (امداد الفتاویٰ ۴۴۸/۲، مطبوعه مكتبه دارالعلوم)

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لفظ فارغ خطی عرف میں طلاق کے لیے مستعمل ہے لہٰذا اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت نہ ہو۔

قال ابن عابدين رحمه الله تحت (قوله حرام) فإن "سرحتك" كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق في أي لغة كانت.

(ردالمحتار ۲۹۹/۳، باب الكنايات طبع سعيد)

اس میں امداد الفتاویٰ میں مذکور مسئلہ سے اختلاف کیا گیا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں احسن الفتاویٰ ۱۵۵/۵)

گونگے کی طلاق کا حکم

گونگے شخص اگر اپنی بیوی کو مخصوص اشاروں سے طلاق دیدے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس اشارہ میں سوائے طلاق کے اور کوئی احتمال نہ ہو وہ صرف طلاق ہی کے لیے متعین ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

قال في العلائية: وطلاق كل زوج (إلى قوله) أو أخرس بإشارته المعهودة فإنها تكون كعبارة الناطق استحسانا. وفي الشامية (المعهودة) أي المقرونة بتصويت منه لأن العادة منه ذلك فكانت الإشارة بيانا لما أجمل الأخرس.

(ردالمحتار: ۳ كتاب الطلاق)

وفي الهندية وإن لم يكن له إشارة معروفة يعرف ذلك منه أو يشك فيه فهو باطل كذا في المبسوط. (عالمگيريه: ۱ كتاب الطلاق)

اگر گونگا شخص لکھنا جانتا ہو تو بہتر صورت یہ ہے کہ لکھ کر طلاق دے۔ فقط

طلاق کے بعد انکار کرنے کا حکم

اگر دو عاقل بالغ مرد ایک مرد دو عورتیں گواہی دے کہ فلاں نے ہمارے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اور شوہر انکار کرے تب بھی قضاء طلاق ثابت ہو جائے گی ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی۔

ونصابها لغيره من الحقوق سواء كان الحق مالا أو غيره كنكاح وطلاق وكتابة رجلان أو رجل وامرأتان.

(تنوير الأبصار مع الدر: ٥/٤٦٥ كتاب الشهادة)

قال العلامة السرخسي: وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثا وجحد الزوج والمرأة ذلك فرق بينهما لأن المشهود به حرمتها عليه والحل والحرمة حق الله تعالىٰ فتقبل الشهادةعليه من غير دعوى. (المبسوط للسرخسي: ۳/ ۱۷۰ باب الشهادة في الطلاق)

المرأة كالقاضي

عورت نے طلاق کے الفاظ کو خود سنا یا کسی معتبر شخص نے عورت کو خبر دی کہ تمہارے شوہر نے میرے سامنے تمہیں دو طلاقیں دی ہیں اور شوہر طلاق سے انکار کر رہا ہو ایسی صورت میں اگر ایک یا دو طلاقیں رجعی ہو تو شوہر کو رجوع کرنے کا مشورہ دیا جائے گا، کہ وہ قولا یا میاں بیوی کے مخصوص عمل کے ذریعہ طلاق سے رجوع کر لے، اگر طلاق بائن ہے تو دوبارہ نکاح کرے۔ اگر طلاق بائن کے بعد دوبارہ نکاح نہ کرلے یا طلاق مغلظہ دی ہے تو عورت کے لیے ہرگز جائز نہیں

کہ اس شخص کو اپنے اوپر وطی کی قدرت دے بلکہ ممکنہ طریقہ اختیار کر کے اس شخص سے جان چھڑانا فرض ہے۔ چاہے شوہر کو مال دیدے یا کہیں دوسری جگہ بھاگ جائے، یا پاکستان میں عدالتی خلع حاصل کر لے۔

قال ابن نجیم رحمہ اللہ: والمرأة کالقاضي إذا سمعتہ أو أخبرھا عدل لایحل لھا تمکینہ ھکذا اقتصرت الشارحون وذکر البزازیة وذکر الاوزجندي أنھا ترفع الامر إلی القاضي فإن لم یکن لھا بینہ تحلفہ، فإن حلف فالإثم علیہ ۱ھـ ولا فرق في البائن بین الواحدة والثلاث.
(البحر الرائق ۳/۲۷۷ طبع دار المعرفة بیروت زیلعي شرح کنز الدقائق ۲/۱۹۸ باب الطلاق)

طلاک، تلاخ تلاق کے الفاظ کا حکم

اگر مخارج حروف سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی شخص صریح طور پر طلاق کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے طلاک، تلاخ، تلاق جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے تو ان الفاظ سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ وہ دعوی کرے کہ میرا مقصد ڈرانا تھا طلاق دینا نہیں۔

صریحہ مالم یستعمل إلا فیہ کطلقت وأنت طالق یقع الطلاق بھا، أي بھذہ الألفاظ وما بمعناھا من التصریح ویدخل نحو طلاغ، تلاغ، وطلاك، تلاك، أو ط، ل، ق أو طلاق باش بلا فرق بین عالم وجاھل، وإن قال تعمدتہ تخویفا لم یصدق قضاء.
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار کتاب الطلاق باب التصریح /۳)

لفظِ تاک سے طلاق نہیں ہوتی

کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا تجھے تاک، ہے طاق ہے ل کو حذف کر دیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال في الھندیة في الفصل الأول من الباب الثاني ناقلا عن البحر وإن حذف اللام فقال أنت طاق لایقع وإن نوی.
(عالمگیریہ ۱/۳۵۷، کتاب الطلاق)(احسن الفتاویٰ ۵)

بغیر نام اور بغیر اشارہ کے طلاق

اگر شوہر بیوی کا نام لیے بغیر اسی طرح اس کی طرف اشارہ کیے بغیر طلاق کا لفظ استعمال کرتا ہے، مثلاً میاں بیوی کے آپس میں کسی بات پر بحث وتکرار کے دوران، شوہر کہتا ہے طلاق، طلاق، طلاق۔ اس میں بیوی کی طرف کوئی نسبت نہیں کی نہ اشارہ کیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

تو سمجھنا چاہیے کہ جب شوہر بیوی کے حق میں طلاق کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگرچہ جملہ تامہ (میں نے تجھ کو طلاق دی) نہ کہا ہو مگر کیونکہ بیوی کے حق میں جب مطلقاً طلاق کا لفظ بولا جاتا ہے اس سے پورا جملہ ہی مراد ہوتا ہے۔ تاہم اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور یہ لفظ بیوی کے حق میں نہیں کہا تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امرأتي طلقت امرأته (إلى قوله) ويؤيده مافي البحر لو قال امرأة طالق، أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم أعن امرأتي يصدق ١هـ.

ويفهم منه أنه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنمايحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها. إلخ

(ردالمحتار ٢٤٨/٣ سعيد مطلب سن بوش، يقع به الرجعي)

وفي كل موضع يصدق الزوج على نفي النية يصدق مع اليمين. (التاتارخانيه كتاب الطلاق حكم الكنايات :٣٢٥/٣)

طلاق نامہ لکھنے سے طلاق ہوجاتی ہے

جس طرح زبانی الفاظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے تو لکھ کر طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ طلاق نامہ سے طلاق واقع ہونے کے لیے طلاق نامہ کا عورت تک پہنچنا بھی شرط نہیں، صرف لکھنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ نیز طلاق نامہ کسی اور سے لکھوانے کی صورت جب اس نے کہہ دیا کہ میری بیوی کو میری طرف سے طلاق ہے یہ لکھ کر دو تو اسی وقت طلاق واقع ہوگئی اگرچہ ابھی تک کاتب نے نہ لکھا ہو۔ اور اسی وقت سے عدت بھی شروع ہوگئی۔

نقل في الشامية قبيل باب الصريح عن الهندية ثم المرسومة لا تخلو

إما أن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فلما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجي الكتاب بأن كتب إذا جاء ك كتابي فأنت طالق فجاء ها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ، يقع الطلاق كذا في الخلاصه. (وبعد أسطر) ولو قال للكاتب أكتب طلاق امرأتي كان اقرار بالطلاق وإن لم يكتب.

(ردالمحتار ۲٤٦/۳ مطلب في الطلاق بالكناية)

طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا

اگر کسی شخص نے طلاق نامہ خود نہیں لکھا، نہ کسی اور سے لکھوایا، بلکہ دوسرے فریق نے اپنے طور پر طلاق نامہ لکھا اور شوہر سے لاعلمی میں دستخط کروالیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ اگر شوہر نے طلاق نامہ کو پڑھ کر دستخط کر دیا یا دوسرے فریق نے پڑھ کر سنایا پھر دستخط لیا یا کسی اور طریقہ سے معلوم ہو گیا کہ اس میں طلاق کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں اس پر دستخط لے رہے ہیں اور شوہر نے سمجھ کر دستخط کر دیا تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لما في الهندية: كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه.

(الفتاوىٰ العالمگيرية كتاب الطلاق الفصل الثالث الطلاق بالكتابة ردالمحتار مطلب الطلاق بالكناية ۲٤٦/۳)

بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا

اگر کسی شخص نے کسی مصلحت یا مجبوری کے تحت بیوی کا اصل نام بدل کر اس کی جگہ دوسرا نام استعمال کیا، فاطمہ کی جگہ فاہمہ، کہا سلیمہ کی جگہ حلیمہ کہا عبیدہ کی جگہ عابدہ کہہ کر طلاق دی۔ اس صورت میں اگر بیوی کی طرف اشارہ نہیں کیا اور اس کو طلاق دینے کی نیت بھی نہیں کی تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

اگر اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے نام بدل کر طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

وفي الهندية قال: ولو قال امرأته الحبشية طالق ولا نية له في طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشية لا يقع عليه. وعلى هذا إذا سمي لغير

اسمها ولا نية له في طلاق امرأته.

(الفتاویٰ العالمگیریہ ۱/۳۵۸ کتاب الطلاق الباب الثاني في القاء الطلاق)

قال العلامة ابن همام: ولو قال امرأتي فلانه بنت فلان طالق وسماها بغير اسمها لا تطلق امرأته إلا بالنية.

(فتح القدير ۳/۳۵۳)

کمرہ سے باہر عورت کو طلاق

ایک قاضی صاحب نے دوسری شادی کی پہلی بیوی کو اطلاع ملی تو سخت برہم ہوئی اب قاضی صاحب نے سوچا کوئی ایسی تدبیر ہو کہ دوسری بیوی کو گھر لے آؤں اور اس وقت پہلی کو بھی خوش رکھوں۔

چنانچہ قاضی صاحب نے نئی دلہن سے کہا کہ تم فلاں وقت باپردہ میرے گھر آجانا اور میری بیوی کے واسطہ سے مجھ سے مسئلہ پوچھنا۔

چنانچہ وہ عورت گھر آئی اور قاضی صاحب کی پہلی بیوی سے کہا کہ قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، اب بیوی اسکو لے کر قاضی صاحب کے پاس گئی اور کہا ایک خاتون آئی ہے، مسئلہ پوچھنا چاہتی ہے۔ قاضی صاحب نے کہا: اس کو کمرہ میں پردہ کے پیچھے بٹھاؤ۔

چنانچہ اس خاتون کو جو درحقیقت قاضی صاحب کی بیوی تھی پردہ کی آڑ میں بٹھا دیا۔ اور پہلی بیوی کو سامنے بٹھایا، اور قاضی صاحب نے کہا: اگر میں یہ کہوں کہ اس کمرہ کے باہر اگر کوئی میری بیوی ہو تو اس کو میری طرف سے طلاق، تب تم خوش ہو جاؤ گے، بیوی نے کہاں ہاں بالکل اطمینان ہو جائے گا، اس میں ناراضگی کی کیا بات رہ گئی ہے۔ قاضی صاحب نے کہا:

وإن كانت لي زوجة خارج عن هذه الغرفة فهي طالقة فرحت زوجته وضحكت حتى رضيت من القاضي، وبعد أيام قليل انكشف عليها هذه السائلة هي عريس القاضي فتأسفت على نفسها وتحيرت على حيلة القاضي.

یعنی جب نئی دلہن سوال کے بہانہ سے کمرہ میں داخل ہوگئی تو قاضی صاحب نے کہا اگر اس کمرہ سے باہر کوئی بیوی ہو تو اسے طلاق، اب بیوی خوش ہوگئی لیکن جب کچھ دنوں کے بعد حقیقتِ حال معلوم ہوگئی تو اب افسوس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، لہٰذا خاموش ہوئی۔

فون پر طلاق کا حکم

اگر کسی شخص نے فون پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی، بعد میں اگر شوہر انکار کرے کہ میں نے کوئی فون نہیں کیا کوئی طلاق نہیں دی۔ تو اگر بیوی نے فون پر خود طلاق کے الفاظ سنے، یا کسی معتبر شخص نے اس کی اطلاع دی، تو یہاں "المرأة کالقاضی" کے قاعدہ پر عمل ہوگا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

عورت کے لیے جائز نہیں ہے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے بلکہ اس سے جان چھڑانے کی حتی المقدور کوشش کرنا ضروری ہے۔

DIVORCE (ڈائی ورس) دیدی کا حکم

آج کے دور میں بہت سے لوگ طلاق دینے کے لیے divorce کا لفظ استعمال کرتے ہیں خصوصاً انگریزی خواں طبقہ میں یہ لفظ طلاق کے لیے بہت مشہور ہو گیا ہے، انگریزی طلاق نامہ لکھنے والے تو یہی لفظ استعمال کرتے ہیں، یہ لفظ اردو میں 'طلاق دیدی' کے ہم معنی ہے، لہٰذا س سے بلانیت طلاق رجعی واقع ہوگی، اگر کسی نے اپنی بیوی کے حق میں یہ لفظ تین مرتبہ استعمال کیا تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

قال ابن عابدين رحمه الله: أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت.

(ردالمحتار كتاب الطلاق باب الكنايات: ۲۹۹/۳ ایچ ایم سعید)

(انظر أيضا فتاوى عثماني: ۳۸٤/۲)

موبائل پر طلاق کا میسج بھیجنا

اگر کوئی شخص موبائل پر بیوی کے نام طلاق کا میسج لکھے، مثلاً لکھا کہ میں نے تمہیں طلاق دی اس طرح کے الفاظ لکھتے ہی ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اسی وقت سے عدت شروع ہو جائے گی، اگر بعد میں یہ میسج مٹا دے، بیوی کے پاس نہ بھیجے تب بھی طلاق ہو گئی۔ اس طرح اگر ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رجوع کرنے کا حق ہوگا، اگر تین طلاقیں دیدی تو رجوع کرنے کا بھی حق نہ ہوگا۔

الكتابة نوعان: مرسومة نعني بالمرسومة أن يكون مصدرا و معنونا

مثل ما يكتب إلى الغائب (إلى قوله) وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة.(ردالمحتار :۲۴۶/۳ مطلب في الطلاق بالكناية)

انٹرنیٹ اور ای میل پر طلاق

انٹرنیٹ ای میل پر طلاق لکھنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، چاہے لکھنے کے بعد مٹادے یا نہ مٹائے بیوی کے پاس بھیج دے، اس کو پہنچے یا نہ پہنچے ہر صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، البتہ اگر اس طرح لکھے کہ جب یہ طلاق نامہ تیرے پاس پہنچے تو تجھے طلاق اس صورت میں اگر طلاق نامہ نہ پہنچے تو طلاق واقع نہ ہوگی، اگر بیوی کے پاس پہنچ گیا تو پہنچتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی۔(ردالمحتار :۲۴۶ مطلب فی الطلاق بالکتابة)

طلاق کے گواہاں اور شوہر میں اختلاف

اگر دو معتبر عادل گواہ طلاق کی گواہی دے اور شوہر طلاق سے انکار کرتا ہو تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، شوہر کا انکار معتبر نہیں۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين.

(شرح البداية ۱۵۴/۲)

فصل فی الطلاق بالکنایۃ

کنایاتِ طلاق سے مراد، وہ الفاظ جو عرف اور اصطلاح میں طلاق کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے خاص نہ ہو، البتہ جدائی اور دوری کے معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے، ان الفاظ سے طلاق کا معنی مراد لینا یا اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لینا دونوں باتوں کا احتمال ہو، لہٰذا الفاظ کنائی سے طلاق واقع ہونے کے لیے طلاق کی نیت یا طلاق کا کوئی قرینہ دلالت حال یا محل کی صورت میں پایا جانا ضروری ہے، اور الفاظ کنائی سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، عدت کے دوران بھی رجوع کرنے کی گنجائش نہیں رہتی ہے، البتہ ایک یا دو طلاق کی صورت میں طرفین آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور تین طلاقوں کی صورت میں بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں رہتی بلکہ مغلظہ ہو کر حرام ہو جاتی ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: كنايته عند الفقهاء مالم يوضع له أي الطلاق واحتمله وغيره فالكنايات لا تطلق بها قضاء إلا بنية أو دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۲۹۷/۳ باب الكنايات)

بیوی کو ''ماں بہن'' کہنے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو لڑائی اور غصہ کے وقت کہتا ہے تو میری ''ماں بہن'' ہے آیا اس لفظ سے کوئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ ماں بہن کے ساتھ تشبیہ کی صورت میں تو ظہار کا حکم ہوتا ہے، جبکہ یہاں کوئی حرف تشبیہ موجود نہیں اس مسئلہ میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

کیونکہ غصہ کی حالت نیت طلاق کا قرینہ ہے، ان کی پوری تحقیق انہی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہے:

ایک آدمی نے اپنی عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے، یا تو میری بہن ہے، (انت امی او انت اختی) اور حروف تشبیہ میں سے کوئی حرف ذکر نہیں کیا، آیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

❁

طلاق واقع ہوجائے گی۔

قال في شرح التنوير إلا ينو شيئا أو حذف الكاف لغا، وفي الشامية (قوله لغا) لأنه مجمل في حق التشبيه فما لم يتعين مراد مخصوص لا يحكم بشيء فتح. (ردالمحتار ۶۲۶/۲)

اس سے ثابت ہوا کہ تعیّن ارادہ طلاق کی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر سے نقل فرماتے ہیں:

" وفيه حديث رواه أبو داؤد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول لامرأته ياأخية فكره ذلك ونهى عنه ومعنى النهي قربه من لفظ التشبيه ولو لا هذا الحديث لأمكن أن يقال هو ظهار لأن التشبيه في أنت أمي أقوى منه مع ذكر الأداة ولفظ ياأخية استعارة بلا شك وهي مبنية على التشبيه لكن الحديث أفاد كونه ليس ظهارا حيث لم يبين فيه حكما سوى الكراهة والنهي فعلم أنه لا بد في كونه ليس ظهارا من التصريح بأداة التشبيه شرعا.

(ردالمحتار ۶۲۶/۲)

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بمقتضائے قیاس بطریق اولیٰ وقوع طلاق یا ظہار کا حکم ہونا چاہیے، مگر حدیث کی وجہ سے قیاس کے مطابق حکم نہیں لگایا جائے گا، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں قرائن سے یہ علم تھا کہ اس نے یہ الفاظ بنیت طلاق نہیں کہے اور اس وقت ان الفاظ سے طلاق کا عرف عام بھی نہیں تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم نہیں فرمایا، طلاق کی نیت یا عرف کی صورت میں حدیث سے عدم وقوع ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا بمقتضائے قیاس تشبیہ بلیغ سے بطریق اولیٰ طلاق بائن واقع ہوگی۔

كما يدل عليه ما نقلنا عن الشامية عن قول ابن الهمام نفسه فما لم يتعين مراد مخصوص لا يحكم بشيء اهـ، قال الشيخ الأنور رحمه

الله تعالیٰ قال العلماء لا بد في الظهار من التشبيه وإذا قال أنت أمي لا يكون ظهارا بل لغو، أقول لا بد من أن يكون طلاقا بائنا عند النية وقد روي عن أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ في العمدة (العرف الشذي ۳۸۰) وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالیٰ تحت باب إذا قال لامرأته وهو مكره هذا أختي فلا شيئ عليه، قال ابن بطال أراد البخاري رحمه الله تعالیٰ بهذا التبويب رد قول من نهى أن يقول الرجل لامرأته، يا أختي فمن قال لامرأته كذلك وهو ينوي مانواه إبراهيم عليه الصلاة والسلام فلا يضره شيئ.

قال أبو يوسف رحمه الله تعالیٰ إن لم يكن له نية فهو تحريم وقال محمد بن الحسن هو ظهار إذا لم يكن له نية ذكره الخطابي. (عمدة القاري ۲۰/۲۵۰)

وقال أيضا في باب الظهار إعلم أن الألفاظ التي يصير بها المرأ مظاهرا على نوعين: صريح نحو أنت علي كظهر أمي أو أنت عندي كظهر أمي وكناية نحو أن يقول أنت علي كأمي و مثل أمي أو نحوهما يعتبر فيه نيته فإن أراد ظهارا كان ظهارا وإن لم ينو لايصير ظهارا وعند محمد بن الحسن رحمه الله تعالیٰ هو ظهار وعند أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ هو مثله إن كان في الغضب وعنه أن يكون إيلاء وإن نوى طلاقا كان طلاقا بائنا. (عمدة القاري ۲۰/۲۸۱)

عمدۃ القاری کی عبارت اولیٰ میں اداۃ تشبیہ محذوف ہے، اور عبارت ثانیہ میں مذکور ہے، معہذا دونوں میں حکم واحد ہے، اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دونوں صورتوں میں حرمت تحریر فرمائی ہے:

ونصه تحت قوله تعالیٰ: (وإن الله لعفو غفور) أي عما كان منكم في حال الجاهلية وهكذا أيضا عما خرج من سبق اللسان ولم يقصد إليه المتكلم كما رواه أبو داؤد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول لامرأته ياأختي فقال أختك هي؟ فهذا إنكار ولكن لم يحرمها بمجرد ذلك لأنه لم يقصده ولو قصده لحرمت عليه لأنه لا

فرق علی الصحیح بین الأم وبین غیرها من سائر المحارم من أخت وعمة وخالة وما أشبه ذلك.

(تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٣٢١)

غرضیکہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بھی نیت یا عرف طلاق سے طلاق بائن ہوجاتی ہے، آج کل عرف عام میں یہ الفاظ صرف طلاق ہی کے لیے متعین ہیں، لہٰذا بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہوجائے گی، بلکہ زوج کوئی دوسری نیت بتائے تو بھی طلاق ہی کا حکم دیا جائے گا، اس کا قول خلاف ظاہر ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

العبارات المزیدة:

(۱) قال الحافظ رحمه الله تعالیٰ تحت قوله باب إذا قال لامرأته وهو مكره هذا أختي فلا شيء عليه إلخ قال ابن بطال أراد بذلك رد من كره أن يقول لامرأته يا أختي وقد روي عبدالرزاق من طريق أبي تميمة العجمي مر النبي صلى الله عليه وسلم على رجل وهو يقول لامرأته ياأختية فزجره قال ابن بطال ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهرا إذا قصد ذلك فأرشده النبي صلى الله عليه وسلم إلى اجتناب اللفظ المشكل. (فتح الباري شرح صحيح البخاري ٩/ ٣٤٠)

(۲) وقال الشيخ محمد زكريا رحمه الله تعالیٰ وقال الباجي إن قال أنت علي كأمي فقد قال مالك وهو مظاهر قال أبو القاسم كانت له نية او لا قال ابن القاسم وكذلك إن قال أنت أمي خلافا لأبي حنيفة والشافعي في قوليهما إن لم ينو الظهار فهو محمول على البر والكرامة إنتهى. (أوجز المسالك ١٠/ ٥٧)

(۳) وقال العلامة أبو الوليد الباجي رحمه الله تعالیٰ وان أثبت للجملة حكم الجملة فقال أنت علي كأمي فقد قال مالك رحمه الله تعالیٰ هو مظاهر قال الشيخ أبو القاسم كانت له نية أو لم تكن قال ابن القاسم وكذلك إذا قال له أنت أمي قال القاضي أبو محمد خلافا لأبي حنيفة والشافعي رحمهما الله في قوليهما إن لم ينو الظهار

فإنه محمول على البر والكرامة وهذا يقتضي أن يكون مظاهرا إن لم تكن له نية جملة وأما إن كانت له نية الإكرام أو البر فيجب أن لا يكون مظاهرا. (المنتقى ٤/٣٨)

(٤) وقال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالىٰ تحت "باب في الرجل يقول لامرأته يا أختي" ويحتمل أن يكون النهي عنه والكراهة سدا للباب فإنه يحتمل أنه إذا لم ينبه على ذلك يعتدون فيه ويمكن أن يتكلموا بلفظ يؤدي إلى الظهار فتحرم عليه وتجب الكفارة أو الفرق إذا نوى الظهار ، قال الحافظ قال ابن بطال ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهرا إذا قصد ذلك فأرشده النبي صلى الله عليه وسلم إلى اجتناب اللفظ المشكل، قال وليس بين هذا الحديث وبين قصة إبراهيم معارضة لأن إبراهيم عليه السلام إنما أراد بها أنها أخته في الدين فمن قال ذلك ونوى أخوة الدين لم يضره. (بذل المجهود ٤/٧٧)

فقط ۲۱ محرم ۹۹ھ

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی رائے یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی، چنانچہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میرے ساتھ نہیں آ ؤ گی اپنے گاؤں چھوڑ کر نہیں آ ؤ گی، تو میری ماں اور بہن ہے، اتنا کہہ کر مرد چلا گیا اب اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: تو میری ماں بہن ہے کہنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی یہ جملہ لغو ہے، صورتِ مسئولہ میں عورت بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے، اگر علیحدگی مقصود ہو تو شوہر کو صریح الفاظ سے طلاق دینی چاہیے۔

لما في الدر المختار: وإن نوى بانت علي مثل أمي أو كأمي إلى قوله برا وظهارا أو طلاقا صحت نيته ووقع مانواه. لأنه كناية وإلا ينو شيئا أو حذف الكاف لغا وتعين الأدنىٰ.

(شامية كتاب الطلاق باب الظهار ٣/٤٧٠ سعيد)فتاوىٰ عثماني ٢/٣٦٨)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا

کہ اگر بیوی سے کہے کہ ”تو میری ماں ہے“ یہ جملہ لغو ہے اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔(امداد الفتاویٰ ۴/۴۷۵ باب الظہار) نیز دیکھیے امداد المفتین ۶۲۵

اس دور میں لوگ عموماً اس جملہ سے طلاق ہی مراد لینے لگے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی رائے وقیع معلوم ہوتی ہے، اور دلائل کے اعتبار سے بھی دوسرے اقوال کے مقابلہ میں قوی ہے، قرینہ موجود ہونے کے وقت اس جملہ سے طلاق بائن واقع ہونے کا قول ہی راجح ہے، لہٰذا فتویٰ کے لیے اس قول کو اختیار کیا جائے۔ فقط ابن شافع عفا اللہ عنہ۔

لفظ ”حرام“ صریح بائن ہے

کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے ”تو مجھ پر حرام ہے۔“ یا تجھے اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔“ یہ صریح بائن ہے۔ اس سے بدونِ نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، یہ جملہ ایک دفعہ استعمال کرے تو ایک طلاق بائن ہوگی۔

اس پر سب کا اتفاق ہے، لیکن اگر اس جملہ کو شوہر بیوی کے حق میں تین دفعہ استعمال کرے تو بقیہ دونوں طلاقیں واقع ہو کر بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی، یا ایک طلاق بائن واقع ہونے کے بعد بقیہ دو دفعہ سے کوئی مزید طلاق واقع نہ ہوگی اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ چنانچہ احسن الفتاویٰ: ۱۸۲/۵ میں مذکور ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے، حرام کا لفظ تین بار کہا تو کیا اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟

جواب: لفظ ”حرام“ طلاق صریح بائن ہے، اس سے بدونِ نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اب اس بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔

قال في التنوير: قال لامرأته أنت علي حرام (إلى قوله) ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينو وفي الشرع لغلبة العرف. (ردالمحتار: ۴۳۳/۳ مطبوعه سعيد)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے، لفظ حرام تین دفعہ استعمال کرنے سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، چنانچہ امداد المفتیین ص ۶۲۵ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ لفظ حرام پہلی دفعہ کہنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگئی تو پھر دوسری اور تیسری دفعہ جوان لفظوں کو استعمال کیا تو اس سے دوسری طلاقیں واقع نہیں ہوں گی اب عدت کے اندر اور عدت کے بعد جب چاہیں بتراضی طرفین نکاح جدید کر سکتے ہیں حلالہ کی ضرورت نہیں۔

والدليل على ما في الشامي من كناية الطلاق وقد صرح في الشامي أولا بأن حلال الله عليه حرام بالعربية أو بالفارسية لا يحتاج إليه نية إلى قوله وهو الصحيح المفتى به للعرف وأنه يقع به البائن لأنه المتعارف شامي ٤٨٦/٢ وأيضا في الشامي من الطلاق وإذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها في عدتها أنت علي حرام أو برية (إلى قوله) وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شيء شامي مصر ٤٨٣/٢ وأيضا قال في الشامي تحت قول الدر المختار والصريح يلحق البائن ثم قوله والصريح لايحتاج إلى النية ولا يرد أنت علي حرام على المفتى به من عدم توقفه على النية مع أنه لا يلحق البائن ولا يلحقه البائن لكونه بائنا لما أن عدم توقفه على النية أمر عرض له لابحسب أصل وضعه. (شامي: ٤٨١/٢)

البائن لايلحق بالبائن

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ لفظ حرام اصل وضع کے اعتبار سے طلاق کے صریح الفاظ میں سے نہیں، بلکہ الفاظ بائن میں سے ہے، عرف میں طلاق کے لیے بکثرت استعمال ہونے کی وجہ سے صریح بن گیا، اس لیے بیوی کے حق میں لفظ حرام متعدد بار استعمال کرنے کی صورت میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور بقیہ الفاظ لغو شمار ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ان کا مفصل فتویٰ سوال وجواب کی صورت میں نقل کیا جاتا ہے:

سوال:۔ بخدمت شیخی واستاذی مدظلکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ نے حضرت والا کی خدمت میں ایک فقہی سوال لکھا تھا، حضرت والا نے اس کا

جواب یوں تحریر فرمایا:

اس کے لیے مراجعت کرنی ہوگی، اور وقت بھی درکار ہے لہٰذا اگر یہ سوال الگ ارسال فرمادیں تو اس کی مستقل تحقیق کرلی جائے۔

حضرت والا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بندہ الگ سے اس سوال کو دوبارہ مزید منقح کرکے لکھ رہا ہے۔

سوال: وہ طلاق بائن جو عرف کی وجہ سے صریح بن گئی ہے، اس سے بلانیت کے بھی طلاق ہو جاتی ہے (مثلاً تو مجھ پر حرام ہے، تو آزاد ہے، وغیرہ) کیا وہ طلاق سابق (خواہ وہ صریح ہو یا کنایہ) کی عدت کے دوران لاحق ہو جائے گی؟

ردالمحتار ۳/۳۰۸ کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لاحق نہیں ہوگی:

قال ح: ولا يرد أنت علي حرام على المفتى به من عد توقفه على النية مع أنه لايلحق البائن، ولا يلحقه البائن لكونه بائنا لما أن عدم توقفه على النية أمر عرض له لا بحسب أصل وضعه.

اسی عبارت کے مطابق امداد المفتین ص ۱۴۲ میں عدم لحوق کا فتویٰ مذکور ہے۔ مگر ردالمحتار ۳/۳۰۸ کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لاحق ہونی چاہیے۔

(قوله يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية لأنه هو الذي ليس ظاهرا في انشاء الطلاق كذا في الفتح."

اس عبارت میں طلاق بائن بالکنایہ (ثانی) کے عدم لحوق کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ انشاء طلاق میں ظاہر نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو طلاق انشاء طلاق میں ظاہر ہو اس کو لاحق ہونا چاہیے، اور طلاق بائن صریح (مثلاً تو مجھ پر حرام ہے، تو آزاد ہے وغیرہ) تو انشاء طلاق میں ظاہر ہے لہٰذا اس کو بھی طلاق سابق سے لاحق ہونا چاہیے۔

احسن الفتاویٰ ۵/۱۸۳ میں اسی کے مطابق لحوق کا فتویٰ مذکور ہے۔

اس بارے میں صحیح بات کیا ہے؟

سائل: مولانا محمد عامر صاحب

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

جواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ردالمحتار میں لحوق کی بحث تفصیل سے پڑھی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاقِ ثانی لاحق نہیں ہوگی، جیسا کہ امداد المفتین میں مذکور ہے اور اس میں جو حوالہ دیا ہے وہ بھی اس پر صریح ہے، علامہ شامی کی جس عبارت سے آپ کو اشکال ہوا ہے یعنی: **لأنه هو الذي ليس ظاهرا في انشاء الطلاق** " اس کا مطلب ہے "**ليس ظاهرا باعتبار أصله**" چنانچہ خود انہوں نے اگلے صفحے پر "**قوله او ابنتك بتطليقة**" کے تحت اس کی تقریبا صراحت کر دی ہے، فرماتے ہیں:

وأشار به إلى أنه لا يشترط اتحاد اللفظين، فشمل ماإذا كان الأول بلفظ الكناية البائنة... بعد كون الثاني بلفظ الكناية كالخلع ونحوه مما يتوقف على النية، ولو باعتبار الأصل كانت حرام.

صورت مسئولہ میں عدمِ لحوق پر کچھ مزید دلائل مزید ہیں:

۱۔ بائن کے بائن کو لاحق نہ ہونے کی علت تمام کتب فقہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ثانی کو اخبار عن الاول قرار دینا ممکن ہوتا ہے، اسی لیے درمختار میں فرمایا: إذا أمكن جعله إخبارا عن الأول. اور "أنت حرام" میں ایسا ہی ہے۔

۲۔ کافی حاکم سے علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

"**وإذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها في عدتها أنت علي حرام... وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شيء، لأنه صادق في قوله هي علي حرام. اهـ.**

علامہ شامی اس پر لکھتے ہیں: "أي لأنه يمكن جعل الثاني خبرا عن الأول" یہاں علت وقوع طلاق کے موقوف علی النیہ ہونے کو قرار نہیں دیا، بلکہ اس بات کو علت قرار دیا ہے کہ ثانی کو اخبار عن الاول بنانا ممکن ہے، اور عرف سے توقف علی النیہ ختم ہوا ہے، احتمال الاخبار ختم نہیں ہوا۔

۳۔ علامہ شامی نے نہایت مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ البائن یلحق الصریح میں صریح سے مراد صریحِ رجعی ہے، صریحِ بائن نہیں، لہٰذا صریح بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی، اور "أنت علي حرام" صریح ہونے کے باوجود بائن ہے، شامی میں پوری بحث غور سے پڑھنے پر امید ہے کہ آپ کو کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

احسن الفتاویٰ: ۵/۱۸۳ میں لحوق کے مسئلے سے بحث نہیں فرمائی گئی صرف حرام کے صریح ہونے کا ذکر ہے، البتہ قوسین میں لکھا ہے کہ اس پر اشکال وجواب تتمہ میں ہے یہ تتمہ مجھے نہیں ملا، لیکن ردالمحتار کی پوری بحث پڑھنے کے بعد کم ازکم بندے کو کوئی اِشکال نہیں کہ یہ طلاق لاحق نہیں ہوگی۔ n

بندہ محمد تقی عثمانی ۶ شوال ۱۴۲۳ھ (فتاوىٰ عثماني: ۲/۲۷۶)

بہر حال چونکہ بیوی کو نکاح سے جدا کرنے کے لیے ہر علاقہ میں لفظ حرام بکثرت استعمال ہوتا ہے جیسے صریح طلاق کا استعمال ہوتا ہے بعینہ اسی طرح حرام کا لفظ استعمال ہوتا ہے، البتہ لفظ حرام میں شدت کا معنی پایا جاتا ہے، یعنی بیوی کو مستقل طور پر نکاح سے جدا کرنے کے لیے، اس لیے اس لفظ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اب جبکہ عرف کی وجہ سے اس کے صریح ہونے میں کوئی تردد باقی نہیں رہا تو اس لفظ حرام سے ہر دفعہ مستقل طلاق واقع ہونے میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

تاہم اگر کوئی دیانۃ دوسرے اہل علم حضرات کی رائے کو صحیح سمجھے اور ان کے قول پر عمل کرے تو فیما بینہ وبین اللہ ان کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احسان اللہ شائق عفا اللہ عنہ

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

سندھ میں ''چھٹی کیم'' طلاق صریح بائن ہے

سندھی زبان میں ''چھٹی کیم'' چھوڑ دی کے معنی میں مستعمل ہے، جو کہ طلاقِ صریح ہے، مزید اس میں چھوڑ دی کے مفہوم کے ساتھ وصف شدت بھی ہے، چھٹی کیم کا صحیح ترجمہ ''پھینک دی'' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ''تحقیر کے ساتھ پھینک دی'' شدت اور مبالغہ کی وجہ سے لفظ حرام کی طرح اس سے بھی طلاق بائن واقع ہوگی، صریح ہونے کی وجہ سے نیت کی حاجت نہیں، اگر کوئی اس کو ایک دفعہ کہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور تین دفعہ کہے تو تین طلاقوں سے عورت مغلظہ ہو جائے گی۔

قال في الشامية: تحت قوله حرام وسيأتي وقوع البائن به بلانية في زماننا للتعارف فإن صرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب

استعماله في الصريح فإذا قال: "رها كردم" اي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية ايضا وما ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من اي لغة كانت.

(ردالمحتار باب الكنايات: ۳/۲۹۹)

نیز دیکھئے احسن الفتاوی ۵/۱۳۰

''رشتہ ختم ہو چکا'' کہنے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ میرا تمہارا رشتہ ختم ہو چکا ہے یہ طلاق کے الفاظ بائن میں سے ہے، اگر شوہر طلاق کی نیت سے کہے یا مذاکرہ طلاق یعنی طلاق کا قرینہ موجود ہو تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

ولو قال لها لانكاح بيني وبينك أو قال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق إذانوى. (عالمگیریہ: ۱/۳۷۵ مکتبہ حمادیہ)

''جواب دیدیا'' کا حکم

اگر کسی شخص نے اپنی کو کہا تجھے جواب دیدیا یا کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو جواب دیدیا دونوں صورتوں میں اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ لفظ کہ ''میری طرف سے جواب ہے'' عرفاً کنایہ ہے طلاق سے جیسا کہ اہل زبان پر مخفی نہیں ہے، اور یہ کنایہ کی اقسام میں سے وہ قسم ہے جس میں رد اور سب کا احتمال نہیں بلکہ محض جواب میں مستعمل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ صرف حالت رضاء میں نیت شرط ہے دلالۃ حال یعنی غضب اور مذاکرہ میں شرط نہیں۔ کما صرح به الفقهاء (الی قوله) اور چونکہ اس لفظ کو اہل عرف قطعی فیصلہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور قطعی فیصلہ کا اثر ہے اور وہ مخصوص ہے بائن کے ساتھ اس لیے طلاق بائن ہوگی۔

كما حقق العلامة الشامي تحت قول الدر المختار (حرام) وقال بعد البحث الطويل والحاصل أنه لما تعورف به (أي بحرام) الطلاق صار

معناه تحريم الزوجة وتحريمها لا يكون إلا بالبائن. (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے امداد الفتاویٰ ۲/۴۴۴ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ کے اسی مسئلہ کی تائید اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے جواب ہے "یہ لفظ عرفاً کنایہ ہے، جبکہ بیوی کے حق میں بولا جائے اس سے طلاق بائن ہوگی، اب رہ گئی یہ بات کہ اس لفظ کے تین دفعہ بولنے پر بھی تین طلاق کیوں واقع نہیں ہوگی تو اس کی وجہ درمختار میں موجود ہے:

البائن لایلحق البائن اھـ. (الدر المختار كتاب الطلاق وباب الكنايات ۳/۳۰۸)

جب ایک طلاق بائن واقع ہو جائے تو اسکے بعد طلاق بائن لاحق نہیں ہوتی، لفظ کنایہ کو مکرر کہنے سے بھی ایک ہی طلاق ہوگی۔

(فتاویٰ محمودیہ محشی ۱۲/۵۸۰ مکتبہ فاروقیہ کراچی)

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ "جواب دیدیا" سے طلاق رجعی واقع ہوگی چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جواب دیدیا" عرف میں طلاق کے لیے مستعمل ہے اس لیے اگر دو معتبر گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ لڑکے نے جواب دینے کا اقرار کیا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ (احسن الفتاوی ۵/۱۹۲)

بندہ کی رائے میں احتیاط اسی میں ہے کہ پہلے قول پر عمل کیا جائے۔ اگر بیوی کے حق میں یہ لفظ استعمال کیا جائے تو عدت کے دوران یا عدت کے بعد تجدید نکاح کرلیا جائے، اس کے بغیر میاں بیوی والا تعلق نہ رکھا جائے۔ (ابن شائق عفا اللہ عنہ)

غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنے غیر مدخول بہا عورت کو تین لفظوں سے تین طلاقیں دے تو اس سے اس عورت پر صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی، بقیہ دونوں لفظ محل موجود نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہوں گے۔ اور اگر اس کو بیک لفظ تین طلاقیں دیدے (مثلاً کہ تجھے تین طلاق) تو اس سے عورت تین طلاقوں کے ساتھ مغلظہ ہو جائے گی۔

وإن فرق بانت بالأولىٰ ولم تقع الثانية وفي الشرح (بانت بالأولىٰ) لا إلى عدة فلذا لم يقع الثانية بخلاف الموطؤة حيث يقع الكل.

(الدرالمختار على هامش ردالمحتار ۳/۳۸٤ باب الطلاق غير المدخول بها)

صرف مٹی کے ڈھیلے سے دینے سے طلاق نہیں ہوتی

بعض علاقوں میں دستور ہے کہ عورت کو جھگڑے کی صورت میں مٹی کے ڈھیلے دیتے ہیں، آیا اس سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اس بارے میں حکم یہ ہے کہ زبان سے طلاق کے تلفظ کے بغیر صرف مٹی کے ڈھیلے دینے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(قال في الشامية تحت قوله وركنه لفظ مخصوص) وبه ظهر أنه من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا لا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به خير الرملي وغيره إلخ.

(ردالمحتار ۳/۲۳۰ كتاب الطلاق)

بیوی کو "چلی جاؤ" کہنے کا حکم

اگر کوئی شخص بیوی سے کہے: اپنے میکے چلی جاؤ اگر اس نے یہ طلاق کی نیت سے کہا تو طلاق بائن ہوگی اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اگر بیوی کا دعوی ہو کہ شوہر نے طلاق کی نیت سے کہا ہے، جبکہ شوہر نیت طلاق سے انکاری ہو تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

قسم کے بغیر معتبر نہ ہوگا، اگر قسم کھالے تو ٹھیک ہے، ورنہ عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور قاضی اس سے قسم طلب کرے اگر وہاں قسم سے انکار کرنے تو قاضی ان میں تفریق کردے، البتہ اگر بیوی کو اس کے صدق کا ظن غالب ہو قسم کا مطالبہ کرنا ضروری نہیں۔

قال في التنوير: وتقع رجعية بقوله اعتدي واستبرى رحمك وأنت واحدة وبباقيها البائن.

(ردالمحتار ۳/۳۰۲ باب الكنايات)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: والقول بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفها له في منزله فإن أبي رفعته للحاكم فإن نكل فرق

بینھما (ردالمحتار ۳/ ۳۰۰ باب الکنایات)

طلاق دینے کے بعد عدد طلاق میں شک ہونے کا حکم

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی مگر یہ یاد نہیں رہا کہ تین طلاق دی ہے یا دو اور کسی جانب رجحان بھی نہیں، تو ایسی صورت میں چونکہ دو طلاقیں یقینی ہے اس لیے دو طلاقیں مانی جائے گی، لیکن اگر عورت کو تین میں شک نہ ہو بلکہ یقین ہو کہ شوہر نے تین طلاقیں ہی دی ہیں، تو اس کے لیے شوہر کے پاس رہنا اور میاں بیوی کا تعلق رکھنا جائز نہیں، بلکہ جس طرح ممکن ہو سکے شوہر سے جدائی اختیار کر لینا ضروری ہے اور اگر اس کو بھی دو یا تین کی عدد یاد نہ رہا ہے بلکہ شک ہے تو اس کے لیے شوہر کے پاس رہنا جائز ہے۔

قال في الخلاصة: رجل حلف بالطلاق وشك الرجل أنه طلق واحدة أو ثلاثا فهي واحدة حتى يستيقن أو يكون أكثر ظنه على خلافه.

(۲/ ۱۲۰ ھکذا في امداد الأحكام ۲/ ۳۸۷)

باب التعلیق

بعض دفعہ معلق طلاق دی جاتی ہے، مثلاً اگر فلاں کے گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک فلاں کے گھر نہیں جائے گی اس وقت تک طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن جب اس شرط کے بعد فلاں کے گھر جائے گی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق وإلا لا.

(الدرالمختار على هامش ردالمحتار : ۳۵۵/۳ ایم سعید)

وفي التتارخانيه(۳/ ۵۰۳) قال لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق فدخلت امرأته وقع الطلاق لوجود الشرط.

تعلیق بعدم اداءِ قرض

اگر طلاق کو کسی امرِ ممکن کے ساتھ معلق کیا لیکن شرط مکمل ہونے سے قبل کوئی عذر لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے شرط مکمل نہیں ہوسکی، اب طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سوال کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے کل تک تمہارا قرض ادا نہیں کیا تو میری منکوحہ مغلظہ ہوجائے گی۔

امر مطلوب یہ ہے کہ اگر خالد کل صبح فوت ہوگیا یا لاپتہ ہوگیا یا کہیں چلا گیا یا کسی ظالم نے اسے گم کردیا یا حکومت نے کسی جرم کے تحت اسے قید کرلیا کہ وہاں تک زید عادۃً نہیں پہنچ سکتا، پس ان سب صورتوں میں کہ زید نے خالد کو میعادِ مقرر پر قرض ادا نہیں کیا زید کی منکوحہ مغلظہ ہوجائے گی یا نہیں ہوگی؟

اس مسئلہ سے متعلق مختلف جزئیات ارسالِ خدمت ہیں ان میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہوگی؟

في الهندية: رجل قال لغيره إن لم آتك غدا إن

استطعت فامرأته طالق ولم يمرض ولم يمنعه سلطان ولا غيره ولم يجئ امر لا يقدر معه على إتيانه فلم يأت حنث في يمينه وهذا إذا لم تكن له نية إلخ. (۱/ ۴۳۰)

وفيها :لو قال إن لم أخرج من هذا الدار اليوم فامرأته طالق فقيد الحالف ومنع من الخروج أياما بحنث الحالف وهو الصحيح (۱/ ۴۳۰)

وفيها لو حلف أن لا يسكن هذه الدار فقيد ومنع من الخروج لا يحنث كذا في خزانة المفتين . (۱/ ۴۳۰)

وفي البدائع ولو قال لامرأته أنت طالق ثلاثا أو والله لأضربن فلانة فماتت فلانة قبل أن يضربها فقد حنث في يمينه وهو مخير إن شاء ألزم نفسه الطلاق وإن شاء الكفارة لأن شرط البرفات بموتها فحنث في إحدى اليمينين. (۳/ ۳۰) بينوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصواب

بصورتِ موتِ خالد کے ورثہ اس کے قائم مقام ہیں، لہٰذا زید نے ان کو اس روز قرض ادا کردیا تو حانث نہ ہوگا، بقیہ سب صورتوں میں اور بصورتِ موت ورثہ کے عدمِ علم کی حالت میں زید نے خالد کا قرض اس روز قاضی کے سپرد کردیا تو حانث نہ ہوگا، اگر قاضی کے سپرد نہ کیا وہاں قاضی نہیں تھا تو حانث ہوجائے گا۔

قال في العلائية يبر المديون في حلفه لرب الدين لأقضين مالك اليوم فجاء به فلم يجده ودفع للقاضي ولو في موضع لا قاضي له حنث به يفتى منية المفتي. (ردالمحتار ۳/ ۱۳۷)

اس سے ثابت ہوا کہ رب الدین کے قائم مقام کو ادا کردینے سے حانث نہیں ہوتا، اور بصورتِ موتِ رب الدین کے ورثہ اس کے قائمقام ہیں، لہٰذا ان کو دینے سے حانث نہ ہوگا، سوال کے ساتھ مندرجہ جزئیات کی توضیح درج ذیل ہے:

جزئیہ اولیٰ میں ان استطعت کی قید ہے اس لیے بصورت عدم استطاعت حانث نہیں ہوتا۔

جزئیہ ثانیہ میں بر کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی، اس لیے حانث ہوگیا، بخلاف مسئلہ زیر

نظر کے کہ اس میں بطریق الاداالی الورثہ او القاضی بر ممکن ہے، لہٰذا بصورت ادا حانث نہ ہوگا۔

جزئیہ ثالثہ میں شرط بر یعنی خروج نہیں پایا گیا اس لیے حانث ہوگیا۔

جزئیہ رابعہ میں شرط بر عدم سکونت ہے اور عرفاً صرف اختیاری رہائش کو سکونت کہا جاتا ہے، جو یہاں مفقود ہے اور شرط بر یعنی عدم سکونت اختیاری متحقق ہے۔

اس لیے حانث نہیں ہوا۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۲۰۰)

کسی کو قتل کرنے پر طلاق کو معلق کرنا

ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے تم کو قتل نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہوگی، بعد میں اس شخص نے قتل نہیں کیا حالانکہ قتل کرنا اس کے لیے ممکن تھا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ طلاق کو عدم قتل سے معلق کرنا ممکن الوقوع ہے اس لیے یہ قسم اپنی جگہ منعقد ہے، تاہم اس شخص پر علی الفور حنث لازم نہیں، جس سے اس شخص کی بیوی پر طلاق ہو، البتہ متعلقہ شخص اپنی موت مر جائے، یا قسم کھانے والا اس کو قتل کیے بغیر مر جائے تو ایسی حالت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی۔ اگر معلق ایک طلاق تھی تو ایک اگر تین طلاقیں معلق کیں تو تین واقع ہوں گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : لوحلف ليفعلنه بر بمرة وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت هذا القول وإذا لم يفعل لا يحكم بوقوع الحنث حتى يقع اليأس عن الفعل وذلك بموت الحالف، أو بفوت محل الفعل

(ردالمحتار ۳/۱۴۸ باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك).

جبراً خلاف ورزی کروانے کا حکم

اگر کسی شرط کے ساتھ معلق طلاق دی، تو اپنے اختیار سے شرط کی خلاف ورزی کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن اگر اپنی مرضی اور خوشی سے خلاف ورزی نہ کرے بلکہ جبراً اس سے خلاف ورزی کروائی جائے تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں گھر آ گیا تو تجھے طلاق ہے اس کے بعد یہ شخص اپنی مرضی سے تو گھر نہیں آیا لیکن لوگوں نے اس کو زبردستی اٹھا کر اس کے گھر میں داخل کردیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما في الهندية: قال احتمله غيره فادخله بغير أمره لم يحنث سواء كان راضيا بذلك بقلبه أو ساخطا وسواء كان قادرا على الامتناع أو

لم يكن.

(الفتاوى الهندية: ۲/ ٦٨ الباب الثالث في اليمين على الدخول والسكنى)

قال قاضيخان: ولو حلف أن لا يدخل... وإن احتمله إنسان وأدخله فيها فإن كان الحالف لايقدر على الامتناع لا يحنث في قولهم وإن كان يقدر ولم يمتنع وهو راض بقلبه اختلفوا فيه والصحيح أنه لايحنث.

(فتاوى قاضيخان: ۲/ ۳۱۸ فصل في الدخول كتاب الإيمان)

طلاق کے ساتھ ''انشاء اللہ'' کہنے کا حکم

اگر کسی شخص نے بیوی کو اس طرح طلاق دی ہے کہ ساتھ ان شاء اللہ بھی کہا مثلاً تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ۔

تو الفاظِ طلاق کے ساتھ ملا کر ان شاء اللہ کہنے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ ان شاء اللہ کے معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کا بندوں کو علم نہیں ہوسکتا ہے اس لیے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وإذا قال لامرأته أنت طالق إن شاء الله تعالىٰ متصلا لم يقع الطلاق.

(شرح البدايه باب الأيمان في الطلاق ۲/ ۳۸۹ شركت علميه ملتان)
وهكذا في الدرالمختار باب التعليق ۳/ ۳٦٦ سعيد)

کیا طلاق معلق میں شرط ختم ہوسکتی ہے

جو طلاق کسی شرط کے ساتھ معلق ہو وہ شرط ختم نہیں ہوسکتی ہے، مثلاً لڑائی کے دوران کہا اگر باپ کے گھر گئی تو تجھے طلاق ہے'' اب اگر کچھ عرصہ کے بعد لڑائی ختم ہوگئی اور شوہر چاہتا ہے کہ بیوی کو میکے جانے کی اجازت دیدے، اور یہ شرط ختم ہو جائے طلاق واقع نہ ہو تو شرعاً ایسی کوئی صورت نہیں ہے بلکہ شرط پائی جانے کی صورت میں فوراً طلاق واقع ہو جائے گی، لہٰذا طلاق سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ عورت کو میکے جانے کی اجازت نہ دے اگر شوہر بیوی کو میکے جانے کی اجازت دیدے اور بیوی چلی جائے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، اس کے بعد بیوی کو

روکنا چاہے تو عدت کے بعد دوران رجوع کرلے، اگر عدت کے دوران رجوع نہیں کیا تو عدت پوری ہونے کے نکاح بھی ختم ہوجائے گا اب تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی، دونوں صورتوں میں شوہر آیندہ صرف دو طلاق کا مالک رہے گا۔

یعنی مزید دو طلاقیں دینے سے بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق.

(الفتاوى الهندية الباب الرابع في الطلاق بالشرط ۱/۴۲۰ مكتبه ماجديه كوئٹه)

تعلیق کو ختم کرنے کی تدبیر

کسی شرط کے ساتھ ایک طلاق معلق کرنے کا حکم اوپر مذکور ہوا کہ اس شرط کو ختم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ شرط پائی جائے تو طلاق واقع ہوگی۔ البتہ کسی شرط کے ساتھ تین طلاقوں کو معلق کیا جائے مثلاً کہا: ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا اس شرط کو ختم کرنے کی تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ ایک طلاق صریح لفظوں میں دیدے، مثلاً تجھے طلاق ہے دیدیے، عدت گزرنے کے بعد عورت گھر میں داخل ہو اس سے تعلیق ختم ہوجائے گی، پھر اس عورت سے دوبارہ نکاح کرے، اس کے بعد دوبارہ گھر میں داخل ہونے سے اس شرط کی وجہ سے کوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

وفي العلائية قال: وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت وإلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها.

(ردالمحتار ۳/۳۵۵ باب التعليق)

”کلما طلاق کی قسم یہ کام نہیں کروں گا“

بعض علاقوں میں کلما طلاق کی قسم کھانے کا عرف ہے، اگر کسی غیر شادی شدہ شخص نے یوں کہا مجھے کلما طلاق کی قسم فلاں فلاں کام نہیں کروں گا، وہ کام کرلیا تو پھر وہ شخص نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نکاح کرے تو اس قسم کی وجہ سے طلاق نہیں ہوگی کیونکہ تعلیق طلاق صحیح ہونے کے لیے اضافت الی الملک یا الی السبب کا ہونا ضروری ہے جو یہاں نہیں پایا گیا۔

قال ابن همام رحمه الله : ولا بد من التصريح بالسبب في المحيط لو قال كل امرأة اجتمع معها في فراش فهي طالق فتزوج امرأة لا تطلق . وفي مجموعة رسائل ابن عابدين، أما الزيادة على شرط الحالف بدلالة العرف لا تجوز لأنه لاتأثير لها في جعل ما ليس بملفوظ ملفوظا ولهذا لو قال لأجنبية إن دخلت الدار فأنت طالق كان لغوا ولا يراد الملك في لفظه بالعرف ليصير كأنه قال إن دخلت الدار وأنت في نكاحي فأنت طالق ، وإن كان المتعارف فيما بين الناس لأن الملك ليس بمذكور في لفظه ولا تأثير للعرف في جعل ما ليس بملفوظ ملفوظا. (فتح القدير شرح هدايه ۳۳۲/۳ مكتبه رشيديه كوئته)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

جواب: ان الفاظ کا کوئی صریح حکم کتب میں نہیں ملا، البتہ قواعد کا مقتضا یہ ہے کہ صورت مسؤلہ میں نکاح کرنے سے طلاق واقع نہ ہو۔

قال الشامي في ردالمحتار نقلا عن الفتح وقد تعورف في عرفنا في الحلف: الطلاق يلزمني لا أفعل كذا يريد إن فعلته لزم الطلاق ووقع فيجب أن يجرى عليهم لأنه صار بمنزلة قوله إن فعلت فأنت طالق ، وكذا تعارف أهل الأرياف الحلف بقوله على الطلاق لا أفعل ١هـ وهذا صريح في أنه تعليق في المعنى على فعل المحلوف عليه بغلبة العرف وإن لم يكن فيه أداة تعليق صريحا. (شامي: ٤٣٣/٢ مطبوعه سعيد ٢٥٣/٣)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کلام میں صریح الفاظِ تعلیق موجود نہ ہوں تو اعتبار عرف کا ہوتا ہے، جن صورتوں میں فقہاء نے وقوع طلاق کا حکم دیا ہے، وہ سب شادی شدہ شخص سے متعلق ہے، کیونکہ شادی شدہ شخص ایسے الفاظ استعمال کرے تو عرفا ان کا مطلب تعلیق طلاق ہی ہوتا ہے، لیکن غیر شادی شدہ کا یہ کہنا کہ مجھے طلاق کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا، یہ تعلیق مضاف الی الملک میں متعارف نہیں ہے۔

خاص طور پر "کلما طلاق کی قسم" الفاظ متعارف تو کیا، عوام کی سمجھ سے بھی باہر ہیں اور جب عرف میں ان الفاظ کو تعلیق طلاق مضاف الی الملک نہیں سمجھا جاتا تو ان سے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ لأن مبنى الأيمان على العرف۔

(شامیہ ۳/۷۴۳ طبع سعید)

البتہ احتیاط کا تقاضایہ ہے کہ مذکورہ شخص اپنا نکاح خود نہ کرے، بلکہ کوئی فضولی اس کے حکم کے بغیر اس کا نکاح کردے اور پھر وہ اسے اپنے عمل سے، مثلاً مہر ادا کر کے نافذ قرار دیدے، اس طرح نکاح دُرست ہوجائے گا، اور بلاشبہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/۳۸۷)

طلاق کلما سے بچنے کی تدبیر

اگر لفظ کلما سے قسم اس طرح کھائے کہ ملک یا سبب ملک کی طرف اضافت پایا جائے تو مثلاً ایک شخص نے کہا کہ جب میں کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ مطلقہ ثلاثہ ہوگی اب اس شخص کے لیے اپنے نکاح میں کسی عورت کو لانے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ تو عبارات فقہیہ پر غور کرنے سے اس کے لیے گنجائش کی یہ صورت نکل سکتی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اجنبی شخص اس کا نکاح کرادے، پھر جب اس کو نکاح کی خبر پہنچے تو زبان سے اجازت نہ دے، ورنہ تین طلاقیں ہوجائیں گی، خبر سن کر بالکل خاموش رہے، پھر تحریراً اجازت دیدے یا مہر کل یا اس کا کچھ حصہ بیوی کی طرف بھیج دے، تحریری اجازت بیوی کو بھیجنا ضروری نہیں اپنے ہی طور پر کسی کاغذ پر اس نکاح کی اجازت لکھ لینے سے نکاح نافذ ہوجائے گا اور طلاقیں واقع نہ ہوں گی، تحریری اجازت یا مہر بھیجنے سے قبل اگر کسی نے نکاح کی مبارکباد دی اس پر سکوت بھی زبانی اجازت کے حکم میں ہے، یعنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی، ایسے ابتلاء کے وقت یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ مبارکباد دینے والے کو یوں جواب دے کہ میں ابھی اس پر غور کروں گا۔

قال في العلائية: حلف لا يتزوج فزوجه فضولي فأجاز بالقول حنث، وبالفعل ومنه الكتابة خلافا لابن سماعة لا يحنث به يفتى. (خانية)

وفي الشامية (قوله فأجاز بالقول) كرضيت وقبلت نهر، وفي حاوى الزاهدي لو هناه الناس بنكاح الفضولي فسكت فهو إجازة (قوله وبالفعل) كبعث المهر أو بعضه بشرط أن يصل إليها وقيل الوصول ليس بشرط نهر ، وكتقبيلها بشهوة أو جماعها لكن يكره تحريما

لقرب نفوذ العقد من المحرم بحر، قلت فلو بعث المهر أولا لم يكره التقبيل والجماع لحصول الإجازة قبله (قوله ومنه الكتابة أي من الفعل مالو أجاز بالكتابة لما في الجامع حلف لايكلم فلانا أو لا يقول له شيئا فكتب إليه كتابا يحنث وذكر ابن سماعة أنه يحنث نهر (قوله به يفتى) مقابله ما في جامع الفصولين من أنه لا يحنث بالقول كما مر فكأن المناسب ذكره قبل قوله وبالفعل أفاده . (الدر المحتار على هامش ردالمحتار /٣/٦٤٦٨) مطبوعه سعيد.

(ملخص از احسن الفتاوی: ٥)

اہل حدیث شوہر نے حنفی بیوی کو تین طلاق دی

ایک اہل حدیث شوہر نے اپنی حنفی بیوی کو تین طلاق دی تو وہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ مغلظہ ہو جائے گی، عدت گزرنے کے بعد وہ دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے، اگر شوہر اس کا مدعی ہو کہ ہمارے ہاں ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے اس لیے مجھے رجوع کا حق حاصل ہے تو اس کا قول غیر معتبر ہے، حنفی بیوی کے لیے تین طلاقوں کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ اس سے جان چھڑانا فرض ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ا/۳۴۰)

فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره الآية.

قال الإمام النووي رحمه الله في شرح مسلم: وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وأبو حنيفة وأحمد وجماهر العلماء من السف والخلف يقع الثلث واحتج الجمهور لقوله تعالىٰ ومن يتعد حدودا لله فقد ظلم نفسه الآية لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا قالوا معناه أن المطلق قد يحدث له ندم فلايمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لم يقع لم يقع طلاقه هذا إلا رجعيا فلا يندم.

(صحيح مسلم ١/٤٧٨ كتاب الطلاق باب الثلاث)

طلاقِ مغلظہ کے بعد غیر مقلد سے فتویٰ لینا جائز نہیں

آج کل یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ غصہ میں آکر لوگ تین طلاقیں بیک وقت دیدیتے ہیں اس کے بعد پریشان ہوکر اہل فتویٰ کی طرف بھاگتے ہیں جب کہیں سے بھی کوئی حل نہیں ملتا تو کسی غیر مقلد سے حلت کا فتوی لیکر بیوی کو اپنے گھر میں بسا لیتے ہیں یہ فعل شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس سے بیوی حلال نہیں ہوگی، یہ بات ہم نے شروع میں بھی ذکر کردی ہے، اس کی مزید وضاحت کے لیے حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ نقل کیا جاتا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا دینِ اسلام کا مذاق اڑانا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے، دنیا کی چند روزہ راحت وعیش کی خاطر مالک کو ناراض کرنا اور عذاب جہنم کا سامان کرنا بہت بڑی حماقت و ناعاقبت اندیشی ہے، اس لیے اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نفسانی خواہش کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو لینا حرام ہے، خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ نے اس کی حرمت پر اجماعِ امت تحریر کیا ہے:

حیث قال فیمن نکح عند شهود فسقة ثم طلقها ثلاثا فأراد التخلص من المحرمة بأن النكاح كان فاسدا في الأصل على مذهب الشافعي رحمه الله تعالیٰ فلم يقع الطلاق مانصه وهذا القول يخالف إجماع المسلمين فإنه متفقون على من اعتقد حل الشيى كان عليه أن يعتقد ذلك سواء وافق غرضه أو خالف ومن اعتقد تحريمه كان عليه أن يعتقد ذلك في الحالين وهؤلاء المطلقون لا يقولون بفساد النكاح بفسق الولي إلا عند الطلاق الثلاث لا عند الاستماع والتوارث يكونون في وقت يقلدون من يفسده وفي وقت يلقدون من يصححه بحسب الغرض والهوى ومثل هذا لايجوزباتفاق الأمة ثم قال بعد ثلاثة أسطر) ونظيرها أن يعتقدالرجل ثبوت شفعة لجوار إذا كان طالبا لها وعدم ثبوتها إذا كان مشتريا فإن هذا لا يجوز بالاجماع وكذا من بنى على صحة ولاية الفاسق في حال نكاحه وبنى على

فساد ولايته حال طلاقه لم يجز ذلك بإجماع المسلمين ولو قال المستفتي المعين أنا لم أكن اعرف ذلك وأنا اليوم التزم ذلك له لأن ذلك لم يكن من ذلك يفتح بباب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة إلى أن يكون التحليل والتحريم بحسب الأهواء.

(فتاوى ابن تيمية: ۲/۲٤۰)

حاصل یہ کہ تین طلاقوں کے بعد کسی غیر مقلد سے فتویٰ لینا باجماع امت حرام ہے اور خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ اس کی حرمت پر اجماع امت کے قائل ہیں، غیر ملقد سے فتویٰ لینے سے بیوی حلال نہیں ہوئی، یہ مرد اور عورت دونوں عمر بھر بدکاری کے گناہ میں مبتلا رہیں گے، عذاب آخرت کے علاوہ دنیوی وبال الگ۔

اہلِ اثر مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان میں تفریق کرائیں اور جب تک وہ اس حرام کاری سے باز نہیں آتے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں، ورنہ دنیوی وبال واخری عذاب میں ان کے ساتھ وہ سب لوگ بھی شریک ہوں گے جو ان سے قطع تعلق نہیں کرتے، اوران کو حرامکاری سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ۵/۱۹۸)

باپ کے گھر جانے کے ساتھ طلاق معلق کی اور باپ کا انتقال ہو گیا

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جائے گی تو تجھے طلاق ہوگی، اس کے بعد باپ کی زندگی میں باپ کے گھر نہیں گئی لیکن باپ کے انتقال کے بعد اس گھر میں گئی تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ نہ باپ زندہ رہا نہ ہی یہ گھر باپ کا گھر رہا، کیونکہ گھر کو باپ کی طرف منسوب کیا اور موت کی وجہ سے یہ نسبت ختم ہوگئی۔

قال في الشامية لو مات مالك الدار (فيما إذا حلف لايدخل دار زيد) فدخل لايحنث لانتقالها للورثة ولو كان عليه دين مستغرق قال محمد بن مسلمة يحنث وقال أبو الليث (وعليه الفتوى لأنها وإن لم يملكها الورثة وبقت على حكم ملك الميت ولكن لم تكن مملوكة له من كل وجه. (۳/۱۲۸)

تفویضِ طلاق کا حکم

بے دینی اور غلبہ شر وفساد کے اس دور میں ظالم مردوں کی طرف سے عورتوں پر سخت مظالم کے واقعات مسلسل روز کا معمول بن گئے ہیں، کوئی شادی کے بعد بیوی کو چند روز رکھ کر لاپتہ ہو جاتا ہے، کوئی نہ بساتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے کوئی نان نفقہ نہیں دیتا کوئی مار پٹائی کے ذریعہ ظلم کرتا ہے، کوئی معاذ اللہ اسلام ہی سے برگشتہ ہو جاتا ہے، ان مظالم سے بچنے کے لیے اگر عورت یا اس کے اولیاء شوہر سے نکاح سے قبل حقِ طلاق لکھوانا چاہیں، تاکہ بوقت ضرورت اس کی رو سے عورت اپنے نفس پر طلاق واقع کر کے ظالم شوہر کے پنجہ سے نجات حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تفویضِ طلاق زبانی یا تحریری نکاح سے قبل ہو، اس میں نکاح کی طرف نسبت کرنا شرط ہے، مثلاً یوں کہے کہ ''میرا نکاح فلاں سے ہونے کے بعد اگر میں فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کروں تو اس کو طلاقِ بائن کا اختیار ہوگا'' اس صورت میں بیوی کا خیارِ طلاق خلاف ورزی کا علم ہونے کی مجلس کے ساتھ خاص ہوگا، اسی مجلس میں اس نے طلاق بائن واقع کر لی تو ہو جائے گی، اس مجلس کے بعد خیار باطل ہو جائے گا اور اگر شوہر نے یوں کہا کہ ''خلافِ ورزی کی صورت میں جب چاہے طلاق بائن واقع کر لے، تو مجلسِ علم کے بعد بھی عورت کو خیار رہے گا۔

اگر تفویض کی اس صورت میں نکاح کی نسبت نہ کی تو یہ لغو ہے، اس سے عورت کے لیے خیار ثابت نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے قبل لکھی گئی مگر اس پر شوہر نے دستخط نکاح کے بعد کیے تو یہ تفویض صحیح ہو جائے گی۔

قال في التنوير في باب التعليق وشرطه الملك كقوله لمنكوحته إن ذهبتِ فأنتِ طالق أو الإضافة إليه كأن نكحتك فأنت طالق ثلثا قوله لأجنبية إن زرت زيدا فأنت طالق فنكحها فزارت . (ردالمحتار ۳: ۳٤٤)

کابین نامہ کے ذریعہ تفویضِ طلاق

نکاح نامہ یا مستقل کابین نامہ کے ذریعہ شوہر سے عورت کے لیے طلاق کا اختیار حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن طریقہ کار سے ناواقفیت کی وجہ سے اکثر وہ شرائط کام نہیں دیتیں اس کی صحیح

صورت کو سمجھنے کے لیئے میں ایک سوال جواب پیش کیا جاتا ہے:

سوال: ایک شخص نے مذکورہ ذیل شرائط پر نکاح کیا:

۱- میں اپنی منکوحہ بنت فلاں کو نان ونفقہ ماہوار حسب دستور ادا کروں گا۔

۲- اگر سفر درپیش ہو تو چھ مہینے سے زائد نہیں ٹھہروں گا۔

۳- موصوفہ کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کروں گا۔

۴- خدانخواستہ کہیں لاپتہ یا مجنون یا محبوس یا عنین ہو جاؤں تو موصوفہ کو دیندار پنچایت کے فیصلہ پر دو طلاق بائن کا اختیار ہے۔

اب شخص مذکورہ چھ مہینہ سے لاپتہ ہے، نہ خط وکتابت ہے اور نہ نان ونفقہ بیوی کو پہنچاتا ہے، اس کی بیوی کو کھانے پینے کی انتہائی تکلیف ہو رہی ہے، تو کیا بناء بر شرائط بالا اس کو اختیار مل سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرقومہ شرائط اگر نکاح سے پہلے لکھی گئی ہیں تو سب شرائط باطل ہیں، اس لیے ان کے خلاف کرنے سے بیوی کے لیے خیار ثابت نہ ہوگا، صحتِ تعلیق کے لیے نکاح یا اضافۃ إلی النکاح شرط ہے، مثلاً یوں کہے کہ ''اگر میں نے فلانہ بنت فلاں کے ساتھ نکاح کے بعد شرائط کے خلاف کیا تو اس کو اختیار ہوگا۔

اگر یہ شرائط نکاح کے بعد لکھی ہیں تو بجز آخری شرط کے باقی سب وعدے ہیں، ان کی خلاف ورزی سے طلاق کا اختیار نہیں ہوگا، البتہ آخری شرط کے مطابق یہ مقدمہ دیندار پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے وہ اس کے شوہر کی تحقیق کرے کہ کہاں ہے؟ اگر پنچایت شرعی تحقیق کے بعد شوہر کے مجنون یا محبوس یا بالکل لاپتہ ہونے کا فیصلہ کر دے تو بیوی کو دو طلاق بائن کا اختیار ہوگا، فیصلہ کی مجلس ہی میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرلے، مجلس بدلنے سے خیار باطل ہو جائے گا۔

(ماخوذ از احسن الفتاوی: ۱۷۷/۵)

لہٰذا جہاں عورت کے لیے طلاق کا اختیار حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو کسی مستند مفتی/ عالم کے مشورہ سے اس کا طریقہ کار طے کر کے پھر شرائط لکھی جائیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں۔

تفویض طلاق کے بعد اختیار واپس نہیں لے سکتا

اگر زبانی یا کابین نامہ کے ذریعہ شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دیدیا بعد میں خیال ہوا یہ اختیار واپس لے لیا جائے تو شوہر کو یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ باقی جن شرائط کے تحت اختیار تفویض کیا اگر شوہر شرائط کی خلاف ورزی کرے تو عورت کو خلاف ورزی کا علم ہوتے ہی اسی مجلس میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کے بعد اختیار باطل ہوجائے گا۔ اگر مطلقاً اختیار نامہ دیا کہ شرائط کے خلاف ورزی کی صورت میں عورت جب چاہے اپنے اوپر طلاق اختیار کرسکتی ہے'' تو اختیار مجلس علم کے ساتھ مقید نہ ہوگا بلکہ اس معاملہ میں عورت آزاد ہوگی مناسب وقت پر اپنے اوپر طلاق واقع کرے۔

قال لها اختاري أو أمرك بيدك ينوي (تفويض) الطلاق. أو طلقي نفسك فلها أن تطلق في مجلس علمها وإن طال مالم تقم أو تعمل ما يقطعه لا بعده إلا إذا زاد متى شئت أو إذا شئت أو إذا ما شئت ولم يصح رجوعه إلخ.

(الدر المحتار علی هامش ردالمحتار:۳/۳۱۶ باب التفویض)

❁❁❁❁❁

باب الایلاء

فقہاء کی اصطلاح میں ایلاء کا مطلب ہوتا ہے کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ ”اللہ کی قسم اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کروں گا“ اگر اس کی مدت چار ماہ سے کم ہو تو اس کو ایلاء لغوی کہا جاتا ہے، مثلاً دو ماہ تین ماہ حتی کہ چار ماہ سے ایک دن کم تک کی مدت مقرر کرنے کی صورت میں بھی ایلاء لغوی ہی کہلائے گا۔

ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پوری کی تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں کوئی اور حکم بھی لاگو نہ ہوگا۔ اور اگر قسم پوری نہیں کی تو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

ایلاء کے احکام

اگر چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک یا ہمیشہ کے لیے بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس کو ایلاء شرعی کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کھانے کے بعد چار ماہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے جماع کر لے تو ایلاء ختم ہو جائے گا، شوہر کے ذمہ قسم کا کفارہ لازم ہوگا، اور اگر چار ماہ تک ہمبستری نہیں کی تو چار ماہ کی مدت پوری ہوتے ہی اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۲۷)

”جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم کھالیں ان کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے اگر (اس عرصہ میں قسم سے) رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کا ارادہ کریں تو بھی اللہ سنتا (اور) جانتا ہے۔“

والإيلاء منع النفس عن قربان المنكوحة منعا مؤكدا باليمين بالله أو غيره من طلاق أو عتاق أو صوم أو حج أو نحو ذلك مطلقا أو مؤقتا بأربعة أشهر في الحرائر وشهرين في الاماء من غير أن يتخللها وقت يمكنه

قربانها فيه من غير حنث كذا في فتاوىٰ قاضيخان فإن قربها في المدة حنث وتجب الكفارة إلى قوله وإن لم يقربها في المدة بانت بواحدة كذا في البرجندي شرح النقاية. (عالمگیریہ: ۱/۵۰۹ باب الإيلاء)

بیوی سے چار ماہ تک بات نہ کی

اگر غصہ میں آکر بیوی سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ بات چیت نہیں کی ہمبستری بھی نہیں کی لیکن ہمبستری نہ کرنے کی کوئی قسم نہیں کھائی، ایسی صورت میں یہ ایلاء نہ ہوگا، کیونکہ ایلاء کے لیے ضروری ہے جماع نہ کرنے کی صراحۃ قسم کھائے یا ایسا کوئی لفظ کہے تو حرمتِ جماع پر دلالت کرتا ہو۔

قال في التنوير: هو الحلف على ترك قربانها (إلى قوله) وحكمه وقوع طلقة بائنة إن بر والكفارة والجزاء إن حنث وأقلها للحرة أربعة أشهر إلخ.

(الدرالمختار على هامش ردالمحتار ۳/۴۲۲ باب الإيلاء مطبوعه سعيد)

ایلاء معلق کا حکم

اگر یوں قسم کھائی، اگر تجھ سے جماع کروں تو تجھے طلاق تو یہ بھی ایلا ہے، اگر صحبت کرے گا تو طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، قسم کا کفارہ لازم نہ ہوگا، اور اگر صحبت نہیں کی تو چار مہینے کے بعد طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور اگر یوں قسم کھائی کہ اگر میں نے صحبت کی تو تجھے تین طلاق تو صحبت کرنے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اگر صحبت نہیں کی اور چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔

ولو حلف بحج أو صوم أو بصدقة أو عتق أو طلاق فهو مول لتحقق المنع باليمين وهو ذكر الشرط والجزاء وهذه الأجزية مانعة لما فيها من المشقة. (شرح البداية: ۲/۴۱۲ باب الإيلاء)

ایلاء سے رجوع کرنے کا طریقہ

اگر بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر جماع کرنے پر قدرت حاصل ہو تو جماع کر لے، قسم ختم ہو جائے گی اور قسم کا

کفارہ لازم ہوگا اور اگر بیوی سے مدت مسافت ہونے کی وجہ سے یا شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک کے ایسی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جس سے جماع پر قدرت نہ ہو جماع نہیں کرسکتا ہے تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے قسم سے رجوع کرلیا، لیکن اس صورت میں اگر مدت ایلاء کے دوران قدرت حاصل ہو جائے تو زبانی رجوع باطل ہو جائے گا بلکہ جماع کرنا لازم ہوگا۔

وإن كان المولى مريضا لايقدر على الجماع أو كانت مريضة (إلى قوله) ففيئه أن يقول بلسانه فئت إليها في مدة الإيلاء إلخ.

(هدايه ٢/٤١٢ باب الإيلاء)

''ایلا کرتا ہوں'' ایلا ہو جاتا ہے

اوپر مذکور ہوا کہ ایلاء کے مطلب بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھانا، چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک ہمبستری نہیں کروں گا، لہٰذا اگر کوئی شخص قسم نہ کھائے اس کی بجائے بیوی سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایلا کرتا ہوں، اس سے بھی ایلا ہو جائے گا کیونکہ ایلاء کے معنی ہی قسم کے ہیں، لہٰذا ان الفاظ سے ایلاء ہو جائے گا۔

قال ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ وهو لغة اليمين وشرعا قوله هو الحلف على ترك قربانها أربعة أشهر أو أكثر اي الزوجة وهو تعريف لا حد فسمي الإيلاء الحقيقي وهو مااشتمل على القسم كقوله اليت أن لا أقربك أو حلفت أو والله أو ما يؤل إليه كقوله أنا منك مول قاصدا به الإيجاب أو أنت مثل امرأة فلان وقد كان فلان الي من امرأته لأن معناه أنا منك حالف.

(البحر الرائق: ٤/٦٠)

باب الخلع

اگر میاں بیوی میں کسی طرح نباہ نہ ہوسکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کے لیے جائز ہے کہ کچھ مال دے کر یا اپنا مہر دے کر مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لیکر میری جان چھوڑ دو، یا یوں کہے جو میرا مہر تیرے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو، اس کے جواب میں مرد کہے میں نے چھوڑ دیا، تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ مرد کو اس میں رجوع کا اختیار نہیں البتہ اگر مرد نے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب نہیں دیا بلکہ اس جگہ سے اٹھ گیا یا مرد تو نہیں اٹھا عورت اٹھ گئی، پھر مرد نے کہا میں نے چھوڑ دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوا۔ جواب وسوال دونوں ایک ہی جگہ ہونی چاہیے۔ اس طرح نکاح ختم کر کے جان چھڑانے کو ''خلع'' کہتے ہیں۔

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرة: ٢٢٩)

اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکو اس میں سے کچھ واپس لے لو ہاں اگر میاں بیوی کو خوف ہو اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے باہر نکل جائیں گے وہ گناہگار ہوں گے۔

ناچاقی کی صورت میں خلع بہتر ہے

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ نہ ہو ہر وقت ناچاقی رہتی ہو میاں بیوی سے ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں اکٹھے رہنے کی بجائے بذریعہ خلع علیحدہ ہو جانا بہتر ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وإذا تشاقا الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا باس بأن تفتدي نفسها منه بما يخلعها به.

(الهداية: ٣٨٣/٢ كتاب الطلاق ، باب الخلع)

بدلِ خلع کی مقدار

بدلِ خلع کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہیں میاں بیوی کا باہمی رضامندی سے جس مقدار پر بھی اتفاق ہوجائے اس کے عوض خلع کرلے، اس سے بیوی آزاد ہوجائے گی۔ البتہ جدائی کا اصل سبب شوہر کا ناقابل برداشت ظلم وستم اور معاوندانہ رویہ ہو جس سے مجبور ہوکر عورت خلع کے لیے آمادہ ہوئی ہو تو ایسی صورت میں شوہر کے لیے کچھ معاوضہ لینا حرام ہے، اور اگر قصور بیوی کا ہے یا میاں بیوی دونوں قصور وار ہوں تو معاوضہ لینا جائز ہے، البتہ شوہر نے جو کچھ بطور حق مہر کے دیا اس سے زیادہ لینا خلاف اولیٰ ہے، تاہم اگر اس سے زیادہ لے لیا تو قضاء جائز ہوجائے گا اس کا استعمال شوہر کے لیے حلال ہے۔

وفي "شرح التنوير": قال: وكره تحريما أخذ شيئ ويلحق به الإبراء عمالها عليه إن نشز وإن نشزت لا ولو منه نشوزا أيضا ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه إلخ.

(الدر علی ھامش ردالمحتار :۳/۴۴۵ مطبوعه سعید)

اجنبی شخص کے خلع کا حکم

خلع تو میاں بیوی کی رضامندی سے ہوتا ہے، اب بیوی کی بجائے کسی اور شخص نے شوہر سے خلع کرلیا اس میں بیوی کی اجازت شامل نہیں تھی، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اجنبی اپنے مال سے خلع کرے یا خود ضامن بنے تو خلع صحیح ہوگیا اور مال اس پر لازم ہوگیا اور اگر عورت کے مال پر خلع کیا یا کسی کا بھی مال معیّن نہ کیا اور خود ضامن بھی نہ ہوا، تو یہ خلع بیوی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر اس نے اجازت نہ دی تو مال واجب نہ ہوگا، طلاق ہوجائے گی، خلع میں بائن اور طلاق علی مال میں رجعی ہوگی۔

قال في الشامية: تحت (قوله وكذا الكبيرة إلخ) وفي الفصولين إذا ضمنه الأب أو الأجنبي وقع الخلع ثم إن أجازت نفذ عليها (إلى قوله) وإن لم يضمن توقف الخلع على إجازتها فإن أجازت جاز وبرئ الزوج عن المهر وإلا لم يجز، قال في الذخيرة ولا تطلق وقال غيره ينبغي أن تطلق لأنه معلق بالقبول وقد وجدا هـ أي بقبول

المخالع وفي البزازية وإن لم يضمن توقف على قبولها في حق المال قال وهذا دليل على أن الطلاق واقع وقيل لا يقع إلا بإجازتها ١ هـ.
(ردالمحتار ٢/٦١٧)

وفي الدر لو كان بلفظ الطلاق يقع رجعيا. (ردالمحتار ٢/٦١٨)

(ماخوذ از احسن الفتاوی: ٥/٣٧٥)

خلع کے بعد صریح الفاظ سے طلاق کا حکم

خلع کے بعد عدت کے دوران صریح الفاظ سے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔لہٰذا اگر میاں بیوی کی رضامندی سے خلع ہوا تو خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوئی، اس کے بعد عدت کے دوران تین دینے سے عورت مغلظہ ہوجائے گی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ويلحق البائن) كما لو قال أنت بائن أو خالعها على مال ثم قال أنت طالق أو هذه طالق بحر عن البزازية. (ردالمحتار: ٣/٣١٠ ایچ ایم سعید)

ثم قال بعد ورقتين تحت (قوله ويستثنى إلخ) قال في النهر في المنصوري شرح المسعودي المختلعة يلحقها صريح الطلاق إذا كانت في العدة ١ هـ. (ردالمحتار: ٣/٣١٢ مطبوعه سعید)

خلع میں قبول ورجوع کی تفصیل

زوجین میں سے کسی ایک نے خلع کا ایجاب کیا تو دوسری جانب سے قبول اسی مجلس میں ہونا لازم ہے یا کہ مجلس بدلنے کے بعد بھی قبول کرنا صحیح ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلع جانبِ زوجین میں نذر یعنی طلاق معلق ہے، اس لیے اگر ایجاب جانبِ زوج سے ہوگا، اور جانبِ زوجہ میں خلع بیع وشراء وغیرہ کی طرح معاوضہ ہے، اس لیے اس کی طرف سے قبول میں یہ شرط ہے کہ بوقتِ ایجاب حاضر تھی تو اپنی اسی مجلس میں قبول کرے، اور غائب تھی تو مجلسِ علم کے اندر قبول کرے، اور اس کی مجلس بدلنے سے خلع باطل ہوجائے گا، البتہ اگر زوج نے قبولِ زوجہ کے لیے کوئی مدت معین کردی تو اس مدت کے اندر اس کو قبول کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر ایجاب زوجہ کی طرف سے ہو تو وہ قبول زوج سے قبل رجوع کر سکتی ہے، اور قبولِ زوج سے قبل زوجین میں سے کسی ایک کی مجلس بدل گئی تو خلع باطل ہو گیا اور زوج کو قبول کا حق نہ رہا۔

قال في شرح التنوير: هو يمين في جانبه لأنه تعليق الطلاق بقبول المال فلايصح رجوعه عنه قبل قبولها ولايصح شرط الخيار له ولا يقتصر على المجلس أي مجلسه ويقتصر قبولها على مجلس علمها وفي جانبها معاوضة بمال فصح رجوعها قبل قبوله وصح شرط الخيار لها ولو أكثر من ثلاثة أيام. (بحر) ويقتصر على المجلس كالبيع.

وفي الشامية (قوله فصح رجوعها) أي إذا كان الابتداء منها بأن قالت اختلعت نفسي منك بكذا فلها أن ترجع عنه قبل قبول الزوج ويبطل بقيامها عن المجلس وبقيامه أيضا ولا يتوقف على ماوراء المجلس بأن كان الزوج غائبا حتى لو بلغه وقبل لم يصح ولا يصح تعليقه ولاإضافته. (بدائع) (ردالمحتار: ۶۰۷/۲)

خلع میں زمانہ عدت کے نفقہ و سکنیٰ کا حکم

اگر خلع میں ایامِ عدت کے نفقہ و سکنیٰ کا ذکر نہ آیا ہو تو یہ دونوں ساقط نہ ہوں گے، اور اگر ان دونوں کے سقوط کی تصریح ہو تو دونوں ساقط ہو جائیں گے، مگر چونکہ عدت اسی مکان میں گزارنا واجب ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اس لیے اگر بوقت طلاق زوج کے مکان میں سکونت تھی تو عدت گزرنے تک وہاں سے نکلنا جائز نہیں، بلکہ اسقاطِ سکنیٰ کی وجہ سے زوج کو مکان کا کرایہ ادا کرے۔

قال في "شرح التنوير": إلا نفقة العدة وسكناها فلا يسقطان إلا إذا نص عليهما فتسقط النفقة لا السكنى لأنها حق الشرع إلا إذا ابرأته عن مؤنة السكنى فيصح. (فتح)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله إلا إذا أبرأته عن مؤنة السكنى) بأن كانت ساكنة في بيت نفسها أو تعطي الأجرة من مالها

فيصح التزامها ذلك. (فتح)

لكن مقتضى هذا أنه لا بد من التصريح بمؤنة السكنى مع أنه ذكر في الفتح وغيره في فصل الأحداد ولو اختلعت على أن لا سكنىٰ لها فإن مؤنة السكنى تسقط عن الزوج ويلزمها أن تكترى بيت الزوج ولايحل لها أن تخرج منه ١هـ تأمل.

(ردالمحتار: ۲/۶۱۵)

لفظِ خلع طلاق صریح بائن ہے

لفظِ خلع صریح بائن ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بیوی کو مخاطب کر کے خلع کا لفظ اس طرح استعمال کرے کہ میں نے تجھے خلع دیدیا، میں نے تجھے خلع دیدیا، میں نے تجھے خلع دیدیا، تو اس سے بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور بیوی مغلظہ ہوکر حرام ہوجائے گی، اس کی تفصیل احسن الفتاویٰ: ۵/۳۸۰ میں اس طرح مذکور ہے:

لفظِ خلع عرفاً صرف طلاق کے لیے مستعمل ہے، اس لیے اس سے بلانیت بھی طلاق صریح بائن واقع ہوجاتی ہے اور صریح بائن کے بعد دوسری صریح بائن واقع ہوسکتی ہے، اس لیے سوال میں تین بار لفظ خلع کہلانے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب رجوع کی کوئی صورت نہیں، تجدیدِ نکاح کی بھی گنجائش نہیں، خلع سے بسبب نکاح واجب ہونے والے حقوق مالیہ حالیہ جانبین سے ساقط ہوجاتے ہیں، اس لیے بیوی نے مہر لے لیا ہے تو شوہر واپس نہیں لے سکتا، اور اگر بیوی نے تاحال مہر نہیں لیا تو ساقط ہوگیا، شوہر سے مطالبہ نہیں کرسکتی، البتہ ایامِ عدت کا نفقہ و سکنیٰ شوہر کے ذمہ ہے، اس لیے کہ یہ بوقتِ خلع واجب نہ تھا، بعد میں واجب ہوا ہے، اور خلع سے صرف حقوق حالیہ معاف ہوتے ہیں۔

في خلع : "التنوير" : وهو من الكنايات فيعتبر فيه ما يعتبر فيها ، وفي الشرح فيه إشارة إلى اشتراط النية وهو ظاهر الرواية إلا أن المشايخ قالوا لا تشترط النية ههنا لأنه بحكم غلبة الاستعمال صار كالصريح كما في القهستاني عن متفرقات طلاق المحيط . وفي الشامية (قوله ههنا) أي في لفظ الخلع (إلى قوله) وفيه إشارة إلى أن المباراة لم يغلب استعمالها في الطلاق عرفا بخلاف الخلع فإنه مشتهر بين

الخاص و العام فافهم. (ردالمحتار /۲/۸ ۰ ٦)

شامیہ میں جامع الفصولین وخانیہ سے نقل ہے کہ اس صورت میں طلاق بلا بدل واقع ہوگی۔

ونفسها وأما أن يقول إخلعي ولم يزد عليه فخلعت فعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ لم يكن خلعا وعن محمد رحمه الله تعالىٰ تطلق بلا بدل وبه أخذ كثير من المشايخ. (ردالمحتار:۲/٥ ۰ ٦)

مگر اب لفظ خلع عرف عام میں بمعنی خلع شرعی ہی مستعمل ہے جو مسقطِ مہر ہے، اس لیے صورت سوال میں مہر ساقط ہو جائے گا۔

كما قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ بعنوان (تنبيه) في التتاتر خانية وغيرها مطلق لفظ الخلع محمول على الطلاق بعوض حتى لو قال لغيره إخلع امرأتي فخلع بلاعوض لايصح.

(ردالمحتار :۲/٥ ۰ ٦)

خلع کے بعد تجدیدِ نکاح صحیح ہے

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلع کیا بعد دوبارہ آپس میں رضامندی ہوگئی اور دونوں کے تجدیدِ نکاح کا ارادہ ہوا تو چونکہ احناف کے ہاں خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور طلاق بائن کے بعد تجدید نکاح صحیح ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر صرف خلع ہوا اس کے علاوہ مزید دو طلاقیں نہیں دیں تو تجدید نکاح جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: الواقع ولو بلا مال (وبالطلاق). الصريح على مال طلاق بائن.

(ردالمحتار ۳/ باب الخلع)

خلع کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ثابت بن قيس ما اعتب عليه في خلق ولا دين ولكني أكره الكفر في الإسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتر دين عليه حديقته قالت نعم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل الحديقة وطلقها تطليقة. رواه البخاري. (مشكوٰة باب الخلع والطلاق ۲/۲۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت بن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا، اور نہ میں ان کے عادات اور دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں، لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی کفرانِ نعمت یا گناہ) کو ناپسند کرتی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ثابت بن قیس کا باغ (جو انہوں نے مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کردوگی؟ ثابت کی بیوی نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) ثابت سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری)

ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی، حبیبہ یا جمیلہ نام کی تھی وہ شکل وصورت میں بہت خوبصورت جبکہ خود ثابت پس قد (ٹھگنے) بدشکل تھے اس لیے دونوں کا جوڑ ناموزوں تھا، تو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی مشکل تھی، چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کرکے جدائی کی راہ اختیار کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ خلع طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا کہ ایک طلاق بائن دی جائے تاکہ آئندہ چل کر دونوں تجدیدِ نکاح پر تیار ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکے۔

بلا عذر خلع چاہنے کی مذمت

جب تک کوئی قوی عذر نہ ہو مثلاً شوہر سے نفرت اور ناچاقی اس قدر بڑھ جائے کہ شرعی حدود پر قائم رہنا مشکل ہو تو اس وقت عورت کے لیے خلع کا مطالبہ کرنا، یا اس کے لیے کوشش کرنا شرعاً ایک ناپسندیدہ اور برا فعل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے عورت کی مذمت فرمائی ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال المنتزعات والمختلعات هن المنافقات. رواه النسائي. (مشكوٰة باب الخلع والطلاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے شوہر کی نافرمانی کرنے والی، اور اپنے خاوند سے خلع چاہنے والی عورتیں منافق ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بلا سبب قوی اپنے شوہروں سے طلاق کا مطالبہ کرنا، یا خلع چاہنا

جیسا کہ اس زمانہ میں مسلمان خواتین میں بھی یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے، یہ منافقانہ حرکت ہے، یہ گناہ کا عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایسی خواتین کو منافق قرار دیا ہے تو خلع والی خواتین کو اپنے بارے خوب سوچنا ہوگا کہ واقعۃً شوہر کے ظلم وستم سے مجبور ہوکر یہ اقدام کررہی ہے۔ یا نفس پرستی اور خواہش پرستی کی بنیاد پر۔

خلع کی عدالتی ڈگری کا حکم

اسلام میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی تاحیات ایک دوسرے کے ساتھ نبھائے اگر نکاح کے بعد کسی وجہ سے دونوں میں ناچاقی ہوجائے، اور وہ ناچاقی حد سے بڑھ جائے تو ایسی صورت میں شوہر کو اختیار دیا گیا کہ طلاق دے کر عقد نکاح کو ختم کردے۔ عورت چونکہ عموماً کم برداشت والی ہوتی ہے اس لیے طلاق کا اختیار اس کو نہیں دیا، البتہ مجبوری کے درجہ میں اس کو خلع کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور خلع میاں بیوی دونوں کی رضامندی پر موقوف ہے، اس میں یکطرفہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں۔ لہٰذا حاکم کسی کو خلع پر مجبور نہیں کرسکتا ہے، اس پر امت مسلمہ کے تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، اس کے برخلاف پاکستان میں جو خلع کا عدالتی نظام کہ اس میں عموماً یکطرفہ فیصلہ ہوتا ہے، شوہر کی رضامندی کا نہ انتظار کیا جاتا ہے، نہ اس کو اپنے خلاف لگائے گئے الزام کے دفاع کا موقع دیا جاتا ہے، اس لیے شرعی تقاضا پورا کیے بغیر عدالت کی طرف سے جاری کردہ خلع کی ڈگری شرعاً معتبر نہیں، اس سے میاں بیوی کا نکاح ختم نہ ہوگا، اور عدالتی ڈگری کی بنیاد پر عورت کے لیے دوسری جگہ نکاح حرام ہوگا۔ اِلا یہ کہ اس کے بعد شوہر طلاق دیدے تو شوہر کی طلاق کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

جبری، عدالتی خلع کے سلسلہ میں حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق پر مشتمل ایک سوال اور جواب نقل کیا جاتا ہے، تاکہ بات منقح اور واضح ہوجائے۔

سوال: ہفتۂ بیداری نسواں کے اختتام پر خواتین نے مطالبات پیش کیے ہیں، ان میں ایک مطالبہ خلع کا بھی ہے، جس کا حق حکومت اس معنی میں خواتین کو دینا چاہتی ہے کہ جو خاتون چاہے ہر وقت خلع کا حق رکھتی ہے، اور قاضی یا مجسٹریٹ کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ تحقیق کرے

کہ آیا اس خاتون کا مطالبہ حقائق پر مبنی ہے یا نہیں؟ بس یہ کافی ہے کہ خاتون خلع لینا چاہتی ہے لہٰذا اسے ملنا چاہیے، اس کو اسلام کے مطابق اور حق بجانب ثابت کرنے کے لیے مضامین لکھے جارہے ہیں، اس مسئلہ پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے کیونکہ یہ قانون کے طور پر اسمبلی میں پاس ہونے کے لیے پیش ہونے والا ہے، اس بارے میں آپ سے مفصل فیصلہ درکار ہے کہ آیا ان حالات میں خلع جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

❁❁

اس نوعیت کے جو سوالات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں خلع اور فسخِ نکاح کو ایسا خلط کردیا جاتا ہے کہ گویا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خلع اور فسخِ نکاح دونوں بالکل الگ ہیں۔

خلع ایک عقد ہے جو دوسرے عقود بیع، اجارہ اور نکاح وغیرہ کی طرح جانبین کی کامل رضامندی پر موقوف ہے، خلع کے لیے عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ زوجین اپنے طور پر اپنی صوابدید کے مطابق عوضِ خلع متعین کرکے معاملہ طے کرسکتے ہیں، یہ الگ بحث ہے کہ شوہر کے لیے کن صورتوں میں عوض لینا جائز ہے، اور عوض کی کتنی مقدار کا جواز ہے، اس تفصیل سے قطعِ نظر جس صورت میں بھی جتنی رقم پر بھی جانبین نے معاملہ طے کرلیا وہ نافذ ہوجائے گا، عدت گزرنے کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

فسخِ نکاح میں عوض نہیں ہوتا، اور اس کا اختیار صرف حکومت کو ہے، جو مندرجہ ذیل صورتوں میں منحصر ہے:

1 عنین: جبکہ شوہر نکاح سے پہلے ہی مکمل نامرد ہو، جماع پر ایک بار بھی قدرت نہ ہوئی ہو اور بیوی کو بوقت نکاح اس کا علم نہ ہو اور علم ہونے کے بعد اس کے ساتھ رہنے پر رضا کا کبھی اظہار نہ کیا ہو۔

2 متعنت: وہ شخص جو بیوی کو نفقہ دیتا ہو اور نہ ہی طلاق پر راضی ہو، حاکم کے کہنے پر بھی دونوں صورتوں میں سے کوئی قبول نہ کرے۔

3 غائب: وہ شخص جو نہ نفقہ دیتا ہو نہ طلاق، اور نہ ہی عدالت میں جواب دہی کے لیے حاضر ہو۔

4 معسر: جو تنگدستی کی وجہ سے نفقہ پر قادر نہ ہو اور طلاق بھی نہ دے۔

5 **مفقود:** ایسا لاپتہ کہ انتہائی تلاش اور تمام تر ذرائعِ جستجو استعمال کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سُراغ نہ لگ سکا ہو۔

6 **مجنون:** جبکہ وہ نفقہ پر قادر نہ ہو، یا اس سے قتل کا خوف ہو، یا اس کے ساتھ رہنا ناقابلِ برداشت ہو۔

ان صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں حکومت کو فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، ان صورتوں میں بھی صحتِ فسخ چند شرائط کے ساتھ مقید ہے، بعض شرائط صحتِ دعوی کی ہیں، بدون اُن کے عورت کا دعویٰ ناقابلِ سماع قرار دے کر خارج کر دیا جائے گا۔ اور بعض صحتِ قضاء کی شرائط ہیں۔ ان دونوں قسم کی شرائط میں سے اگر کوئی ایک شرط مفقود ہوئی تو حاکم کو فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، اگر بدونِ رعایتِ شرائط حاکم نے فسخِ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو وہ شرعاً غیر معتبر ہوگا، اس صورت میں عورت بدستور اسی شوہر کے نکاح میں رہے گی، اور اس کے لیے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا حرام اور بحکمِ زنا ہوگا، ان شرائط کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ [احسن الفتاویٰ کی اسی جلد میں باب خیار الفسخ میں ملاحظہ ہو۔ مرتب]

اس پر امتِ مسلمہ کے تمام مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ خلع زوجین کی باہمی رضا پر موقوف ہے، حاکم خلع پر مجبور نہیں کر سکتا، اس پر مذاہب اربعہ کے علاوہ اہلِ ظاہر کا بھی اتفاق ہے، ان مذاہب کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

1 قال شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى: فيحتمل الفسخ بالتراضي أيضاً وذلك بالخلع واعتبر هذه المعارضة المحتملة للفسخ بالبيع والشراء في جوازِ فسخها بالتراضي.
(مبسوط: ۱۷۱/۶)

2 وقال أيضاً: والخلع جائز عندالسلطان وغيره لأنه عقد يعتمد التراضي كسائر العقود. (مبسوط ۱۷۳/۶)

3 قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالىٰ وأما ركنه فهو الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول. (بدائع الصنائع :۱۴۵/۳)

4 قال الإمام الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: لا ولاية لأحدهما في الزام صاحبه بدون رضاه. (تبيين الحقائق:۲۷۱/۲)

5 نقل العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ أيضا عبارة الزيلعي المتقدمة بحت قول الشارح لأنه تعويض.

(ردالمحتار:۲/۱۱ ۶)

6 قال الإمام أبوبكر الجصاص الرازي رحمه الله تعالىٰ لو كان الخلع إلى السلطان شاء الزوجان أو أبيا إذا علم أنهما لا يقيمان حدود الله لم يسألهما النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك ولا خاطب الزوج بقوله إخلعها بل كان يخلعها منه ويرد عليه حديقته وإن أبيا أو واحدمنهما كما لما كانت فرقة المتلاعنين إلى الحاكم لم يقل للملا عن خل سبيلها بل فرق بينهما. (أحكام القرآن: ۱/۳۹۵)

مذہبِ مالکی:

1 قال العلامة أبو الوليد الباجي رحمه الله تعالىٰ في شرحه لمؤطا الإمام مالك رحمه الله تعالىٰ وتجبر على الرجوع إليه إن لم يرد فراقها بخلع أو غيره. (المنتقى ۷/۶۱)

2 قال العلامة ابن رشد رحمه الله تعالىٰ وأما ما يرجع إلى الحال التي يجوز فيها الخلع من التي لا يجوز فإن الجمهور على أن الخلع جائز مع التراضي إذا لم يكن سبب رضاها بما تعطيه إضراره بها.

(بداية المجتهد: ۲/۲۸)

علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت کے چند سطر بعد فرماتے ہیں:

والفقه أن الفداء إنما جعل للمرأة في مقابلة ما بيد الرجل من الطلاق فإنه لما جعل الطلاق بيد الرجل إذا فرك المرأة جعل الخلع بيد المرأة إذا فركت.

اس عبارت کے مفہوم کی تعیین کے لیے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسلوبِ بیان سمجھنا ضروری ہے، فقہاء کا دستور یہ ہے کہ وہ احکام اور ان کے علل بیان فرماتے ہیں، احکام کی حکمتیں و مصلحتیں نہیں بتاتے مگر کبھی شاذ و نادر لفظ "الفقه فيه" یا "السر فيه" کے تحت حکمت بھی بیان فرما دیتے ہیں، حکمت مدارِ حکم نہیں ہوتی، علت مدارِ حکم ہوتی ہے، حکمت کہیں کامل پائی جاتی ہے کہیں ناقص اور کہیں بالکل معدوم ہوتی ہے اس عبارت میں حکمِ خلع کی علت کا بیان نہیں بلکہ

حکمتِ ناقصہ کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی حدتک بیوی کے لیے بھی اختیار تفریق کی صورت موجود ہے، وہ یہ کہ وہ شوہر کو مال کی ترغیب دے کر خلع پر راضی کر سکتی ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بیوی خیار تفریق میں شوہر کے برابر ہے جس طرح شوہر بیوی کی رضا کے بغیر طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی شوہر کی رضا کے بغیر خلع کر سکتی ہے۔" یہ مطلب بوجوہِ ذیل باطل ہے:

۱- یہ مطلب خود علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اُس تصریح کے خلاف ہے جو اس عبارت سے چند سطور پہلے تحریر ہے۔

۲- اس مطلب کی بناء پر بیوی کو بلاعوض بھی طلاق واقع کرنے کا حق ہونا چاہیے، اس لیے کہ شوہر کے ساتھ برابری تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جیسے شوہر بلاعوض طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی بھی بلاعوض طلاق دے سکتے اور اس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں۔

۳- جیسے شوہر ایقاعِ طلاق میں عدالت کی طرف رجوع کا محتاج نہیں از خود طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی بذریعہ عدالت خلع حاصل کرنے کی پابندی نہیں کرنا چاہیے، حالانکہ دورِ حاضر کے فتنہ میں مبتلا لوگ بدون عدالت بیوی کو یہ حق نہیں دے رہے۔

مذہبِ شافعی:

1 قال العلامة الإمام الشافعي رحمه الله تعالىٰ وإن قال لا أفارقها ولا أعدل لها أجبر على القسم لها ولا يجبر على فراقها.

(كتاب الأم: ٥/١٨٩)

2 وقال أيضا وليس له (الحاكم) أن يأمرهما (الحكمين) يفرقان إن رأيا إلا بأمر الزوج ولا يعطيا من مال المرأة إلا بإذنها.

(كتاب الأم: ٥/١٩٤)

3 وقال أيضا وإنما جعلناها تطليقة لأن الله تعالىٰ يقول الطلاق مرتان فعقلنا من الله تعالىٰ أن ذلك إنما يقع بإيقاع الزوج وعلمنا أن الخلع لم يقع إلا بإيقاع الزوج.

(كتاب الأم: ٥/١٩٨)

4 وقال أيضا وكذلك سيد العبد إن خالع عن عبده بغير إذنه لأن الخلع طلاق فلا يكون لأحد أن يطلق عن أحد أب ولا سيد ولا ولي ولا سلطان إنما يطلق المرء عن نفسه أو يطلق عليه السلطان بما لزمه

من نفسه إذا امتنع هو أن يطلق وكان ممن له طلاق وليس الخلع من هذا المعنى بسبيل. (كتاب الأم: ٥/٢٠٠)

5 وقال العلامة أبو إسحق الشيرازي رحمه الله تعالىٰ لأنه رفع عقد بالتراضي جعل لدفع الضرر فجاز من غير ضرر كالإقالة في البيع. (المهذب :٢/٧١)

مذہبِ حنبلی:

1 قال العلامة موفق الدين ابن قدامة رحمه الله تعالىٰ ولأنه معاوضة فلم يفتقر إلى السلطان كالبيع والنكاح ولأنه قطع عقد بالتراضي أشبه الإقالة. (المغني :٧/٢٣٤)

2 وقال الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالىٰ وفي تسميته صلى الله عليه وسلم الخلع فدية دليل على أن فيه معنى المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين. (زادالمعاد: ٢/٢٣٨)

مذہبِ ظاہری:

1 قال العلامة ابن حزم رحمه الله تعالىٰ ليس في الآية ولا في شي من السنن أن للحكمين أن يفرقا ولا أن ذلك للحاكم.

(المحلي :١٠/٨٨)

2 وقال أيضا: الخلع وهو الافتداء إذا كرهت المرأة زوجها فخافت أن لا توفيه حقه أو خافت أن يبغضها فلا يوفيها حقها فلها أن تفتدى منه ويطلقها إن رضي هو وإلا لم يجبر هو ولا أجبرت هي، إنما هي يجوز بتراضيهما ولايحل الافتداء إلا بأحد الوجهين المذكورين أو باجتماعهما فإن وقع بغيرهما فهو باطل ويرد عليها ما أخذ منها وهي امرأته كما كانت ويبطل طلاقه ويمنع من ظلمها فقط. (المحلي:١٠/٢٣٥)

یہ اجماع قرآن کریم کے ارشاد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں پر مبنی ہے۔

1 قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾

اس آیت میں تین دلائل ہیں:

۱- ﴿اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ اس میں واضح دلیل ہے کہ یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جبکہ میاں بیوی دونوں کو حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کا خطرہ ہو، اس لیے وہ دونوں خلع کرنا چاہتے ہوں۔

۲- ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ یہ جملہ بھی زوجین کی تراضی کو ثابت کر رہا ہے، اس کا مطلب واضح ہے کہ زوجین خلع پر راضی ہیں، مگر ان کو مال کے لین دین کے جواز میں شبہ ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کوئی ادنیٰ فہم رکھنے والا بھی اس جملہ سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ شوہر خلع پر راضی نہ ہو تو حاکم اس کو خلع پر مجبور کر سکتا ہے۔

۳- ﴿فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ اس میں بدلِ خلع کو ''فدیہ'' قرار دیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ خلع عقد معاوضہ ہے، اس لیے اس میں فریقین کی رضامندی شرط ہے، اوپر مذہب حنبلی کے تحت حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مضمون نقل کیا جا چکا ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ میں خطاب کس کو ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

ایک یہ کہ حکام مخاطب ہیں، دوسرا یہ کہ زوجین، اگر خطاب حکام کا قول لے لیا جائے تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حاکم شوہر کو خلع پر مجبور کر سکتا ہے، یہ جملہ ایسے تینوں جملوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے جن میں سے ہر ایک میں تراضی زوجین پر واضح دلیل موجود ہے، علاوہ ازیں فان خفتم الخ پہلے جملہ الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ پر تفریع ہے۔ اور یہ پہلا جملہ تراضی زوجین کی صورت میں ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لہٰذا اس پر متفرع ہونے والا جملہ فان خفتم الخ بھی اسی صورت تراضی سے متعلق ہوگا، اوپر فلا جناح علیہما کے تحت بھی اس کی کچھ وضاحت گزر چکی ہے۔

اگر اس جملہ سے اس پر استدلال صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ حاکم جبراً بذریعہ خلع نکاح فسخ کر سکتا ہے تو حاکم کے لیے یہ اختیار میاں بیوی دونوں یا صرف بیوی کی رضا کے بغیر بھی ثابت ہوگا، حالانکہ فتنہ حاضرہ کے علم بردار ان دونوں صورتوں میں حاکم کو اختیار نہیں دیتے، صرف

شوہر پر جبر کے قائل ہیں، بیوی پر نہیں، پس اس جملہ سے جس طرح پہلی دوصورتوں یعنی میاں بیوی یا صرف بیوی پر جبر کے لیے استدلال صحیح نہیں، بعینہ اسی طرح شوہر پر جبر کے لیے بھی استدلال صحیح نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اگر حاکم کو جبر کا اختیار نہیں تو عدالت میں جانے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نظر شرع میں حاکم کا کام صرف جبراً حکم مسلط کرنا ہی نہیں بلکہ وہ جانبین کا بھی خواہ ومشیرِ صلاح وخیر بھی ہے، بسا اوقات ایسی شخصیت کی طرف رجوع سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جانبین میں موافقت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ اس شخص کے ذہن میں بعض مرتبہ تراضی طرفین کی کوئی ایسی صورت آجاتی ہے جو خصمین کے ذہن میں نہیں تھی، دوسری وجہ یہ کہ اسکی محبت وعقیدت یا اس کی وجاہت کے تحت جانبین اس کا مشورہ کر لیتے ہیں، دنیا میں ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ فریقین اپنے طور پر مصالحت میں ناکام رہے مگر کسی مشفق ومہربان کے پاس جانے سے مسئلہ حل ہو گیا، یا تو اس نے کوئی ایسی صورت بتادی جو جانبین کے لیے قابلِ قبول ہو، یا اس کے ساتھ محبت وعقیدت کی وجہ سے جانبین نے اس کا مشورہ بطیبِ خاطر قبول کرلیا، اس کی وجاہت کی بناء پر بادلِ نخواستہ راضی ہو گئے۔

2 وقال تعالی: ﴿وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس آیت میں ﴿اَلَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ سے مراد شوہر ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ولي عقدة النكاح الزوج. رواه الدار قطني.

(تفسير القرطبي: ٢٠٦/٣)

اس حدیث کی سند درجۂ حسن سے کم نہیں، اسی مضمون کی دوسری مرفوع حدیث بسند حسن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ابن جریر ابن ابی حاتم، طبرانی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے۔ (روح المعاني: ١٣٣/٢)

اس سے ثابت ہوا کہ عقد نکاح کے بعد اس کا کلی اختیار صرف شوہر ہی کے قبضہ میں ہے، اس کی رضا کے بغیر اس کو کسی طرح بھی فسخ نہیں کیا جاسکتا۔

بعض مفسرین نے اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ سے عورت کا ولی مراد لیا ہے جو بوجوہ ذیل باطل ہے:

۱۔ یہ خیال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ تفسیر کے خلاف ہے۔

۲۔ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے نہایت مفصل ومدلل بحث کے بعد اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

۳۔ قال القاضي أبوالسعود رحمه الله تعالىٰ أن الأول أنسب لقوله تعالىٰ وأن تعفوا أقرب للتقوى فإن اسقاط حق الصغيرة ليس في شيئ من التقوى. (تفسير إرشاد العقل السليم: ۱/۱۷۹)

یعنی الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے عورت کا ولی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عورت کی اجازت کے بغیر ولی مہر معاف کرسکتا ہے، اور یہ اسی آیت کے اگلے جملے واَن تعفوا اُقرب للتقوی کے خلاف ہے، کیونکہ ولی کا مہر معاف کردینا کسی حیثیت سے تقویٰ نہیں ہوسکتا، اس لیے یہاں شوہر ہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایثار کرکے پورا مہر دیدے تو یہ تقویٰ سے قریب ہے۔

۳۔عن ابن عباس أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ثابت بن قيس ما اعتب عليه في خلق ولا دين ولكني أكره الكفر في الإسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتر دين عليه حديقته قالت نعم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل الحديقة وطلقها تطليقة.

(صحيح بخاري: ۲/۷۹٤)

وفي رواية النسائي فأرسل إلى ثابت فقال له خذ الذي لها عليك وخل سبيلها قال نعم. (سنن نسائي: ۲/۹۳ عدة المختلعة)

وفي رواية أبي داؤد قال (ثابت بن قيس) ويصلح ذلك يارسول الله قال نعم (ابو داؤد: ۲/۲۲۱)

وفي رواية الدار قطني والبيهقي ومصنف عبدالرزاق فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم ماله وخلي سبيلها فلما بلغ ثابت بن قيس رضي الله تعالىٰ عنه قال قبلت قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(دارقطني :۳/ ۲۵۵، بيهقي :۷/ ۳۱٤، مصنف عبدالرزاق: ٦/ ٥٠٢)

قال الدارقطني اسناده صحيح. (زادالمعاد: ۲/ ۲۳۷)

اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ حاکم کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، اگر حاکم کو اختیار ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کی بیوی سے اتردین علیہ حدیقة سے استفہام اور شوہر کو طلقها یا خل سبیلها نہ فرماتے بلکہ خود نکاح فسخ فرما دیتے، اس استدلال کی تقریر اوپر مذہب حنفی کے تحت امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی جا چکی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ تراضی طرفین سے تھا، خلع پر جبر نہ تھا، روایات مذکورہ میں مختلف جملے اس پر شاہد ہیں جیسا کہ بیوی سے استفہام اتر دین علیه حدیقته پھر بیوی کا قول "نعم" اور روایت نسائی میں شوہر کا قول "نعم" اور روایت ابوداؤد میں ویصلح ذلك یارسول الله اور روایت دارقطنی میں قبلت قضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

علاوہ ازیں مدعا علیہ کی عدم موجودگی میں قضاء مستقل دلیل ہے کہ یہ جبری قضا نہ تھی، لعدم جواز القضاء علی الغائب۔ اس لیے یہ قضائے رضائے مدعی علیہ کے تیقن پر مبنی تھی، روایت مصنف عبدالرزاق کے الفاظ کورہ سب روایات سے زیادہ واضح ہیں:

فقالت أنا أرد إليه حديقته، قال أو تفعلين؟ قالت نعم فدعا زوجها فقال أنها ترد عليك حديقتك، قال أو ذلك لي؟ قال نعم قال فقد قبلت يارسول الله فقال النبي صلى الله عليه وسلم إذهبا فهي واحدة ثم نكحت بعده رفاعة العابدي فضربها فجأت عثمان فقال أنا أرد إليه صداقه فدعاه عثمان فقبل الحديث. (مصنف عبدالرزاق: ٦/ ٤٨٢)

اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہو امر ارشاد واصلاح لاایجاب۔ (فتح الباری: ۹/ ۳۵۱)

(٤) قال عمر رضي الله عنه إذا أراد النساء الخلع فلاتكفروهن.

(السنن البيهقي :۷/ ۳۱۵)

اس سے ثابت ہوا کہ خلع طرفین کی رضامندی پر موقوف ہے، حاکم کو جبر کا اختیار نہیں اگر حاکم کو اختیار ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں کو یہ ارشاد نہ فرماتے بلکہ خود ہی جبراً بذریعہ خلع نکاح فسخ کر دیا کرتے، آپ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ بیوی خلع چاہے تو اس کا

اتمام شوہر کے قبول پر موقوف ہے اسی لیے آپ نے مردوں کو مشورہ دیا کہ وہ قبول کرلیا کریں۔(احسن الفتاویٰ:۵/۳۸۴)

عدم نفقہ کی بنیاد پر خلع کی ڈگری

اگر عدالت میں مقدمہ تو خلع کا دائر کرائے لیکن بنیاد شوہر کے تعنت ظلم وستم اور عدم نفقہ کو بنائے اور عدالتی فیصلہ کی بنیاد بھی، یہی ہو کہ شوہر کے ظلم وستم اور نفقہ کی عدم ادائیگی کی بناء پر فسخ نکاح کا حکم جاری کرے تو وہ فیصلہ معتبر مانا جائے یا نہیں اس کی تفصیل سمجھنے کے لیے سوال وجواب پر مشتمل میں ایک فتویٰ شامل کتاب کیا جارہا ہے۔

مسماۃ روبینہ بی بی دختر جان محمد میری بیوی ہے اور ہماری شادی ۱۴/۳/۰۹ کو ہو چکی ہے بعض گھریلو ناچاقی کی وجہ سے خلع کے لیے عدالت سے رجوع کیا اور مورخہ ۲۰۱۰/۱۵/۲۵ کو طلاق کے حصول دعویٰ د دائر کردیا اور عدالت میں میری نامردی کو جواز بنا کر فسخ نکاح کا دعوی کردیا اور مجاز عدالت نے مورخہ ۲۰۱۱/۰۲/۲۵ کو یکطرفہ فیصلہ سناتے ہوئے مسماۃ کو میری زوجیت سے آزاد کردیا اور عرصہ ۱۹ یوم کے بعد مسماۃ مذکورہ نے عقد ثانی یعنی دوسری شادی کرلی جبکہ میں نے مسماۃ مذکورہ کو کوئی طلاق نہیں دی۔ استدعا ہے کہ میری بیوی کی طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں اور اس کی دوسری شادی شرعاً جائز ہے یا نہیں جبکہ مجھ پر الزامات لگا کر عدالتی ہمدردیاں حاصل کیں وہ سراسر بے بنیاد ہیں اور جھوٹ پر مبنی ہیں، معاملہ کی شرعی رہنمائی فرمائی جائے۔

(مانسہرہ سرحد)

الجواب باسم ملہم الصواب

صورت مسؤلہ سے متعلقہ عدالتی کاروائی کی فائل سے یہ معلوم ہوا کہ عورت نے شوہر کی طرف سے ظلم وستم اور نان نفقہ نہ ملنے کی بنیاد پر عدالت میں فسخ نکاح (بعنوانِ خلع) کا مقدمہ دائر کیا اور عدالت کے روبرو چار گواہوں کی گواہی سے اپنے دعوی کو ثابت کیا، پھر عدالت نے شوہر کے نام سمن جاری کیا، شوہر نے عدالت میں حاضر ہو کر اپنے خلاف قائم مقدمہ کا دفاع نہیں کیا، پھر عدالت نے اخبار میں اعلان شائع کروایا، شوہر پھر بھی حاضر نہ ہوا، اس لیے عدالت نے شوہر کی عدم موجودگی میں عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری جاری کردی۔

اگر عورت کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے کہ واقعۃً شوہر نے اس طرح ظلم کیا اور اس دوران نان

نفقہ بھی نہیں دیا اور اس کو میکے سے اپنے گھر لیجا کر بیوی کی طرح بسانے پر بھی آمادہ نہیں ہوا اور عدالت نے اس دعویٰ کو حق تسلیم کرتے ہوئے ڈگری جاری کی ہے تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، عدت (تین ماہواریاں) پوری ہونے کے بعد عورت کو دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت ہوگی، عدت کے دوران اگر دوسری شادی ہوئی ہے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

في المغني لابن قدامة فإن امتنع (المدعى عليه) من الحضور أو توارى فظاهر كلام أحمد جواز القضاء عليه لماذكرنا عنه في رواية حرب، وروى عنه أبو طالب في رجل وجد غلامه عند رجل فأقام البينة أنه غلامه فقال الذي عنده الغلام، أودعني هذا رجل، فقال أحمد اهل المدينه يقضون على الغائب يقولون: أنه لهٰذا الذي أقام البينة وهو مذهب حسن، وأهل البصرة يقضون على غائب يسمونه الاعذار وهو إذا دعى على رجل الفا وأقام البينة فاختفى المدعى عليه يرسل إلى بابه فينادى الرسول ثلاثا فإن جاء وإلا قد اعذروا إليه، فهذا يقوى قول أهل المدينة وهو معنى حسن، قدذكر الشريف أبو جعفر وأبو الخطاب أنه يقضى على الغائب الممتنع وهومذهب الشافعي، لأنه تعذر حضوره وسواله فجاز القضاء عليه كالغائب البعيد بل هذا أولىٰ لأن البعيد معذور وهذا لا عذر له. اهـ

(ج:١٤ ص:٩٦ طبع عالم الكتب الرياض)

وفي الأنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: فإن امتنع من الحضور سمعت البينة وحكم بها في أحد الروائيين وهو المذهب

(١١/٣٠٢ طبع داراحياء التراث العربي بيروت)

كذا في أحسن الفتاوىٰ ٥/٤١١ وفتاوىٰ عثماني ٢/٤٦١

☆☆☆

احسان اللہ شائق عفا اللہ عنہ

دارالافتاء جامعۃ الرشید کراچی

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

حاکم کی طرف سے فسخ کن صورتوں میں جائز ہے؟ اور اس کی تفصیل و شرائط کیا ہیں؟ اس بارے میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ مندرجہ احسن الفتاویٰ: ۵ کو شامل کتاب کیا جا رہا ہے۔ (مؤلف)

الافصاح عن خیار فسخ النکاح

تالیف

حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

اشاریہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکم زوجۂ عنین:

زید نے ہندہ کے ساتھ شادی کی اور ہندہ نے شادی کے ایک ہفتہ کے اندر اظہار کیا کہ میرا شوہر نامرد ہے، اور اپنے باپ کے گھر چلی گئی، زید کے باپ نے ایک عالم کی طرف رجوع کیا، انہوں نے ہندہ کو شوہر کے سپرد کر دیا، اور زید کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی، سال گزر گیا مگر عورت کو وہی شکایت رہی، پھر اپنے باپ کے گھر چلی گئی، پھر دوسرے عالم کے پاس خود زید نے ہندہ کا مطالبہ کیا، اس پر انہوں نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ ہندہ کو فی الحال زید کے پاس واپس کر دو، اور صبر کرو انشاء اللہ تعالیٰ چند ہی دنوں میں تسلی بخش تحریری صورت میں شرعی فیصلہ دوں گا، اس پر انہوں نے اپنی بیٹی ہندہ کو زید کے سپرد کیا، لیکن چند دنوں کے بجائے چھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اب تک وہ عالم صاحب فیصلہ نہ دے سکے، اور ہندہ برابر چیختی اور پکارتی رہی ہے اور زید انکار کرتا رہا اور کہتا رہا کہ جھوٹی ہے، میں مرد ہوں، باوجود اس دعویٰ کہ وہ علاج بھی ظاہر ظہور کراتا رہا، لیکن ہندہ شکایت کرتی رہی اور اس کا باپ کہتا رہا کہ صبر کرو مولوی صاحب سے شرعی فیصلہ ملے گا تو پھر میں اپنے پاس لے جاؤں گا آخر وہ تنگ ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی، ایک سال کا عرصہ اپنے باپ کے گھر رہ چکی ہے، مگر اس درمیان میں خود زید نے اپنی طرف سے ہندہ کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی، مگر لوگوں کے شرمانے پر ایک مرتبہ معمولی مطالبہ کیا تو اس کو کہا گیا کہ تو نامرد ہے، وہ تیرے پاس رہنا نہیں چاہتی، اور ہندہ کہتی ہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے، کہ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو اس کے گھر میں ضائع کروں، چھ سال کا عرصہ تو اس کے گھر میں ضائع کر چکی ہوں تمام زندگی تو اسکے گھر میں ضائع نہ کروں گی، زید کو بعض مخالف لوگ ابھار رہے ہیں کہ تو نکاح نہ چھوڑ، اس پر وہ اپنی نامردی کا اقرار بھی نہیں کرتا، اور ہندہ کی جان بھی نہیں چھوٹتی، وہ رو رہی ہے، پیٹ رہی ہے زید اور ہندہ دونوں کے رشتہ داروں کا اندازہ ہے کہ واقعی زید نامرد ہے، اب اس عورت کی گلوخلاصی کی شرع شریف میں کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

O

یہ عورت اپنا معاملہ حاکم کی عدالت میں پیش کرے، حاکم اول خاوند سے دریافت کرے

اگر وہ اقرار کرلے کہ وہ ایک دفعہ بھی ہمبستری پر قادر نہیں ہوا تو اسے حاکم علاج کے لیے ایک شمسی سال کی مہلت دے، اور اگر خاوند ہمبستری کا مدعی ہو تو دیکھا جائے گا کہ عورت بکارت کا دعوی کرتی ہے یا نہیں؟ اگر بکارت کا دعوی نہیں کرتی ہے تو مرد سے حلف لیا جائے گا، اگر اس نے قسم اٹھالی تو عورت کو تفریق کا حق نہ رہے گا، اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کر دیا تو اسے بغرض علاج ایک سال کی مہلت دی جائے گی پنچایت فیصلہ کرے تو دو عورتوں کا معاینہ ضروری ہے، اگر معاینہ سے ثابت ہوا کہ باکرہ نہیں تو شوہر سے جماع پر حلف لیا جائے، قسم اٹھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور عورت کو حق تفریق نہ ہوگا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کرے تو ایک سال کی مہلت برائے علاج دی جائے گی، اور اگر معاینہ سے بکارت ثابت ہوئی تو قاضی بدون حلف لئے شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا اگر اس مدت میں ایک مرتبہ شوہر ہمبستری پر قادر ہو گیا تو عورت کو حق فسخ نہ رہے گا، اور اگر ایک مرتبہ بھی قادر نہ ہو سکا تو ایک سال کے بعد عورت کی درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے اگر شوہر نے عدم قدرت کا اقرار کر لیا تو عورت کو قاضی اختیار دیدے، اس پر اگر عورت اسی مجلس میں علیحدگی کا مطالبہ کرے تو شوہر سے طلاق دلوادی جائے، اگر وہ طلاق سے انکار کرے تو قاضی خود تفریق کر دے، اور خاوند مدعی جماع ہو تو اگر عورت کا بوقت مہلت ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا، یا اب زوال بکارت کا اقرار کرلے مگر ہمبستری کا انکار کرے تو خاوند سے حلف لیا جائے گا وہ حلف کرلے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور تفریق نہ کی جائے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کر دیا تو عورت کو حق فرقت ہوگا۔

اور اگر بوقت مہلت معاینہ سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور دوبارہ معاینہ میں بھی باکرہ ہی ثابت ہوئی تو بدون کسی سے حلف لیے عورت کو تفریق کا اختیار دیا جائے گا، پس اگر عورت نے اسی مجلس میں کہہ دیا کہ اس شوہر سے الگ ہونا چاہتی ہوں، تو حاکم اس شوہر کو طلاق کا حکم دے، اگر وہ انکار کردے تو قاضی خود تفریق کر دے، یہ تفریق شرعاً طلاق بائن کے حکم میں ہوگی، شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی۔

شرائطِ تفریق

- تفریق سے قبل عورت کو شوہر کے عنین ہونے کا علم نہ ہو۔
- نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی ہمبستری پر قدرت نہ ہوئی ہو۔

جب سے عورت کو عنین ہونے کا علم ہوا عورت نے اس وقت سے ایک مرتبہ بھی رضا کی تصریح نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ میں بہر حال اس کے ساتھ رہوں گی، محض سکوت سے رضا نہ سمجھی جائے گی۔

سال گذرنے کے بعد جب قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے، اگر قاضی اٹھ گیا یا عورت اٹھ گئی یا اور کوئی بات کرنے لگی یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئی تو اسے اختیار نہ رہے گا۔

شوہر کو ایک سال گزرنے کی مہلت دینا و دیگر جملہ امور جن کی تفصیل اوپر گذری حکم حاکم کے محتاج ہیں، بدون حکم حاکم تفریق کا کوئی اختیار نہیں۔

تنبیہ: جس کا آلۂ تناسل منتشر نہ ہوتا ہو تو وہ بحکم عنین ہے، البتہ آلۂ تناسل قطع کر دیا گیا ہو، یا خلقۃً بہت ہی چھوٹا یعنی کالعدم ہو تو یہ بمنزلہ مجبوب ہے، لہٰذا حاکم فوراً نکاح فسخ کر دے گا، علاج کے لیے مہلت کی ضرورت نہیں۔

فائدہ: مفقود اور غائب کی بیوی کو ایک بار ہمبستری کے بعد بھی خشیت زنا کی بناء پر خیار تفریق ہے، مگر عنین کی بیوی کو نہیں، وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنین کی بیوی پر اس کی نگرانی کی وجہ سے اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جس امر کی حقیقت میں خفا ہو اس کے اسباب ظاہرہ کو بمنزلۂ حقیقت قرار دے دیا جاتا ہے، لہٰذا عنین کا قیام مع الزوجہ ہی بمنزلہ وطی ہے۔ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

زوجۂ عنین کے سکوت سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا:

زوجۂ عنین نے اگر اس کے ساتھ رہنے پر رضا کا اظہار نہ کیا مگر کچھ مدت سکوت اختیار کیا تو اسے فسخِ نکاح کے دعویٰ کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

عورت جب تک زبان سے صراحۃً رضا کا اظہار نہ کرے اس وقت تک وہ فسخِ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے، سکوت سے حقِ فسخ ساقط نہیں ہوتا، خواہ کتنی ہی طویل مدت تک شوہر کے پاس رہے، اور اس کے ساتھ بیوی کی طرح لیٹے اور بوس و کنار کا معاملہ رکھے، بلکہ اگر ایک بار فسخِ نکاح کا دعویٰ کرنے کے بعد چھوڑ دیا مگر زبان سے صراحۃً رضا ظاہر نہیں کی، تو بھی اس کا حق

باطل نہیں ہوا، دوبارہ دعویٰ کرسکتی ہے۔

قال في شرح التنوير وهو أي هذا الخيار على التراخي لا الفور فلو وجدته عنينا أو مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم يبطل حقها وكذا لو خاصمته ثم تركت مدة فلها المطالبة ولو ضاجعته تلك الأيام. (خانية)

كما لو رفعته إلى قاض فأجله سنة ومضت السنة ولم تخاصمه زمانا. (زيلعي)

وفي الخانية قوله لم يبطل حقها أي ما لم تقل رضيت بالمقام معه كذا قيده في التتارخانية عن المحيط هنا وفي قوله الآتي كما لو رفعته إلخ. (ردالمحتار ۲/۸۲۷)

۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

حکمِ زوجہ مجبوب

شریعتِ مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ ایک شخص اپنا آلہ تناسل قطع کرکے ہیجڑوں کے ساتھ شامل ہوگیا اب اس کی بیوی کے لیے اس نکاح سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ یہ شخص طلاق بھی نہیں دیتا۔ بینوا توجروا۔

O

اس کی بیوی حاکم مسلم کے پاس دعویٰ پیش کرے، اس پر حاکم مسلم اس شخص کو طلب کرکے اس کی تحقیق کروائے، اگر حاکم کے پاس شوہر خود اقرار کرلے کہ اس نے ایک دفعہ بھی اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کی اور آلہ تناسل قطع کرنے کا بھی اقرار کرلے تو حاکم اسی وقت اس وقت اس کی بیوی کو طلاق کا اختیار دیدے گا اگر عورت اُسی مجلس میں طلاق طلب کرے گی، تو حاکم شوہر کو طلاق کا حکم دے گا، اگر اس نے طلاق دیدی تو بائن طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر طلاق سے انکار کرے تو حاکم خود فسخ نکاح کا فیصلہ کردے گا، حاکم کا یہ فیصلہ بھی شرعاً طلاق بائن کے حکم میں ہے، اگر شوہر نے خلوت صحیحہ کی ہے تو اس پر کامل مہر اور بیوی پر عدت واجب ہے، ورنہ شوہر پر نصف مہر ہوگا اور بیوی پر عدت نہ ہوگی۔

اگر شوہر ایک بار وطی کرنے کا دعوی کرتا ہے، اور اس کی بیوی باکرہ ہونے کا دعوی نہیں کرتی، تو حاکم شوہر کو قسم دے گا، اگر اس نے قسم اٹھالی تو عورت کو طلاق کا اختیار نہ رہے گا، اور اگر قسم سے انکار کیا تو عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے گا۔

اور اگر بیوی باکرہ ہونے کا دعوی کرتی ہے تو حاکم کسی تجربہ کار معتبر عورت سے اس کا معاینہ کروائے گا، اگر حاکم کی بجائے کسی پنچایت سے فیصلہ کروایا جائے تو دو عورتوں کا معاینہ ضروری ہے، اگر معاینہ کرنے والی عورت نے باکرہ ہونے کی تصدیق کردی تو شوہر کو قسم دیئے بغیر ہی عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔

اگر شوہر قطع آلہ تناسل کا اقرار نہیں کرتا تو ایک معتبر شخص اس کا معاینہ کرے گا، اور اس کی خبر کے مطابق حاکم فیصلہ دے گا۔

تنبیہاتِ ضروریہ:

1 اگر نکاح سے قبل ہی شوہر نے آلہ تناسل قطع کیا ہو تو یہ شرط ہے کہ بوقتِ نکاح عورت کو اس قطع کا علم نہ ہو، ورنہ بعد میں اسے کوئی اختیار نہ ہوگا۔

2 اگر نکاح کے بعد قطع کیا ہو تو یہ شرط ہے کہ شوہر نے ایک بار بھی وطی نہ کی ہو، اگر قطع سے قبل ایک بار بھی ہمبستری ہوگئی تو بیوی کو اختیار نہ ہوگا۔

3 جب سے عورت کو قطع کا علم ہوا اس وقت سے لے کر عورت نے کبھی بھی اس شوہر کے پاس رہنے پر رضامندی کی صراحت نہ کی ہو، یعنی زبان سے صراحۃً بھی یوں نہ کہا ہو کہ میں بہر حال اسی شوہر کے پاس ہی رہوں گی، اگر زبان سے کوئی ایسی تصریح کردی تو بعد میں اختیار نہ ہوگا۔

4 حاکم نے جب عورت کو اختیار دیدیا تو اسی مجلس میں عورت طلاق کو اختیار کرلے، اگر عورت کے طلاق اختیار کرنے سے قبل حاکم اٹھ گیا یا عورت خود اٹھ گئی یا کسی اور کام میں یا کسی دوسری گفتگو میں مشغول ہوگئی تو اسے اختیار نہ رہے گا۔

5 فسخ نکاح یا عورت کو اختیار دینا وغیرہ امور جن کی تفصیل اوپر گزری یہ سب امور حکمِ حاکم کے محتاج ہیں، بدون حکمِ حاکم کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

6 جس شخص کا آلہ تناسل خلقۃً اتنا چھوٹا ہو کہ مثل نہ ہونے کے ہو وہ بھی بحکم مجبوب ہے، البتہ خصی مجبوب کے حکم میں نہیں، اگر اسے انتشار نہ ہوتا ہو تو بحکمِ عنین ہوگا، اور اس

کے احکام مثل عنین کے ہوں گے۔

وہذا خلص ما ہو مشروح فی الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزۃ، فقط۔

غرۂ صفر ۱۳ھ

حکمِ زوجۂ متعنت:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو خرچ بالکل نہیں دیتا، نہ ہی اپنے پاس رکھتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا، اس کے بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اولا اس عورت پر لازم ہے کہ شوہر کو کسی نہ کسی طریقہ سے خلع پر راضی کرے، اگر وہ کسی صورت میں بھی خلع پر راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری بھی ہو، یعنی کوئی شخص اس کے مصارف کا کفیل نہیں بنتا، اور نہ خود یہ اپنی عزت کو محفوظ رکھ کر کوئی صورت کسبِ معاش کی اختیار کر سکتی ہو، تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق عورت حاکم مسلم کے پاس دعوی پیش کرے کہ اس کا شوہر وسعت کے باوجود خرچ نہیں دیتا، حاکمِ شرعی شہادت سے پوری تحقیق کرے گا، اگر عورت کا دعوی صحیح ثابت ہو گیا تو حاکم شوہر کو حکم دے گا کہ بیوی کے حقوق ادا کر یا طلاق دیدو، ورنہ نکاح فسخ کردوں گا، اگر شوہر کوئی صورت قبول نہ کرے، تو بلا انتظار مدت فوراً ہی حاکم نکاح فسخ کردے گا، اس بارہ میں مذہب مالکی میں یہ صراحت نہیں کہ یہ طلاق بائن ہے یا رجعی، فتاوی مالکیہ میں رجعی ہونے کو ترجیح دی گئی ہے، لہٰذا فیصلہ کے بعد عدت گزرنے سے قبل اگر شوہر نفقہ دینے پر تیار ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے، البتہ تجدید نکاح بہتر ہے، اگر عورت جدید نکاح پر راضی نہ ہو تو بلا تجدید جبرا بھی اسے رکھ سکتا ہے۔ والتفصیل فی الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزۃ۔

تنبیہات:

۱۔ الحیلۃ الناجزۃ میں متعنت کی بیوی کو خشیت زنا کی صورت میں بھی حق تفریق دیا ہے، یہ جب ہے کہ متعنت غائب ہو، اگر متعنت بیوی کے پاس ہی رہتا ہو تو اس کی بیوی کو خشیت زنا کی بناء پر خیار نہیں کالعنین الذی قدر مرۃ علی الوطی وجہ یہ ہے کہ زوج موجود ہونے کی صورت میں بیوی پر اس کی نگرانی کی وجہ سے اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جب

کسی امر کی حقیقت پر اطلاع مشکل ہو تو اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیدیا جاتا ہے، لہٰذا قیام زوج ہی بمنزلہ وطی سمجھا جائے گا۔

۲- متعنت وہ ہے کہ قدرت کے باوجود نفقہ نہ دے، اگر نفقہ پر قدرت ہی نہیں تو وہ معسر ہے اس کا حکم الگ ہے، فقط۔ ۲۹ شوال ۹۳ھ

حکم زوجہ معسر:

سوال: ایک شخص ناداری کی وجہ سے بیوی کے مصارف پر قدرت نہیں رکھتا، اور طلاق بھی نہیں دیتا، بیوی بہت پریشان ہے، اس صورت میں شوہر سے نجات حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شوہر کو خلع پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری ہو، یعنی عورت خود بھی کسب معاش کی کوئی صورت اختیار نہیں کرسکتی، اور کوئی دوسرا شخص بھی اس کے مصارف کا کفیل نہیں بنتا، تو اس قسم کی ضرورت شدیدہ میں مذہب مالکی کے مطابق تفریق کی گنجائش ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے، قاضی کے نزدیک شرعی شہادت کی بناء پر اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے تو قاضی شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے گا، اگر اس مدت میں شوہر نفقہ پر قادر نہ ہوا تو عورت کے طلب کرنے پر قاضی تفریق کردے، یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی، اگر عدت کے اندر شوہر نفقہ پر قادر ہوگیا تو وہ رجوع کرسکتا ہے۔

فتاویٰ مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معسر کو ایک ماہ کی مہلت دینا صحتِ قضا کے لیے شرط نہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ بوقت عقد شوہر کے اعسار کا علم نہ ہو، یا بوقت عقد کسی کی کفالت نفقہ کی بناء پر نکاح کرلیا ہو، اور بعد میں وہ کفالت باقی نہ رہی ہو، اگر عورت کو بوقت عقد شوہر کی ناداری کا علم تھا اور کوئی نفقہ کا کفیل بھی نہ تھا تو اب اسے اختیارِ تفریق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الآخر ۹۷ھ

حکم غائب غیر مفقود:

سوال: ایک عورت کا خاوند اسے خرچ وغیرہ نہیں دیتا، عورت نے جج کے پاس مقدمہ پیش

کیا، جج نے وارنٹ جاری کیے، مگر یہ شخص باوجود کوشش کے حاضر نہیں ہوتا، اب اس سے رستگاری کی شرعاً کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر عورت کے لیے خرچ وغیرہ کی کفالت کوئی نہ کرتا ہو، یا معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور حاکم کی کوشش بلیغ کے باوجود شوہر کو حاضر کرنا متعذر ہو چکا ہو، تو ایسی شدید ضرورت میں قضاء علی الغائب درست ہے، بہتر یہ ہے کہ حاکم غائب کی طرف سے وکیل قائم کر کے اس پر فیصلہ کرے، مگر اولاً ضروری ہے کہ عورت حاکم مسلم کے پاس اس غائب کے ساتھ تا حال قیام نکاح شاہدوں سے ثابت کرے، پھر اس کا غائب ہونا ثابت کرے، اور یہ بھی ثابت کرے کہ وہ نفقہ دے کر نہیں گیا، اور نہ وہاں سے بھیجتا ہے، اور نہ یہاں کوئی انتظام ہے، اور نہ ہی میں نے نفقہ معاف کیا ہے، اور اس پر حلف بھی کرے، اگر نفقہ کا انتظام تو ہے مگر عورت کو گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو وہ اس پر قسم کھائے، پھر حاکم اس غائب کے پاس حکم بھیجے کہ خود حاضر ہو کر بیوی کے حقوق ادا کرو یا اسے اپنے پاس بلا لو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اس پر بھی اگر شوہر کوئی صورت اختیار نہ کرے تو حاکم تفریق کر دے، اگر زوج کہیں دور دراز ایسی جگہ پر غائب ہے کہ وہاں حکم بھیجنا ممکن ہی نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر حکم بھیجے حاکم تحقیق حسب قاعدہ مذکورہ کر کے تفریق کر دے، مگر خشیت زنا کے دعوی میں یہ شرط ہے کہ ایک سال کی مدت گزر چکی ہو، یہ تفریق بحکم طلاق رجعی ہوگی، لہٰذا عدت کے اندر غائب آ کر حقوق زوجیت ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے اور اگر عدت گزرنے کے بعد آیا اور فسخ نکاح کا فیصلہ عدم نفقہ کی بناء پر کیا گیا تھا مگر اس نے شہادت سے ثابت کر دیا کہ وہ نفقہ دیتا رہا ہے تو بھی یہ عورت اسی کو ملے گی اگرچہ اس عورت نے دوسری جگہ نکاح بھی کر لیا اور اس سے بچے بھی پیدا ہو گئے ہوں، البتہ یہ بچے دوسرے شوہر کے ہوں گے، اور عورت دوسرے شوہر سے الگ ہو کر پہلے شوہر کے پاس عدت گزارے گی، عدت گزرنے سے قبل پہلے شوہر کے لیے ہمبستری حلال نہیں، غرضیکہ اس کے وہی احکام ہیں جو مفقود کی واپسی کے ہیں، (تفصیل مفقود کے بیان میں ملاحظہ ہو، مرتب)

كذا في الحيلة الناجزة، وقال في الشامية تحت (قوله لو قضى على غائب إلخ) وقال في جامع الفصولين قد اضطرب آراؤهم وبيانهم في

مسائل الحكم للغائب وعليه ولم يصف ولم ينقل عنهم أصل قوى ظاهر يبني عليه الفروع بلااضطراب ولا إشكال فالظاهر عندي إن يتأمل في الوقائع ويحتاط ويلاحظ الحرج والضرورات فيفتي بحسبها جواز أو فسادا مثلا لو طلق امرأته عند العدل فغاب عن البلد ولا يعرف مكانه أو يعرف ولكن يعجز عن إحضاره أو عن أن تسافر إليه هي و وكيلها لبعده أو لمانع أخر وكذا المديون لوغاب وله نقد في البلد أو نحو ذلك ففي مثل هذا لو برهن على الغائب وغلب على ظن القاضي أنه حق لا تزوير ولاحيلة فيه فينبغي أن يحكم عليه وله وكذا للمفتي أن يفتي بجوازه دفعا للحرج والضرورات وصيانة للحقوق عن الضياع مع أنه مجتهد فيه ذهب إليه الأئمة الثلاثة وفيه روايتان عن أصحابنا وينبغي أن ينصب عن الغائب وكيل يعرف أنه يراعي جانب الغائب ولا يفرط في حقه ١هـ واقره في نور العين قلت ويؤيده مايأتي قريبا في المسخر وكذا ما في الفتح من باب المفقود ولا يجوز القضاء على الغائب إلا إذا رأي القاضي مصلحة في الحكم له وعليه فحكم فإنه ينفذ لأنه مجتهد فيه ١هـ قلت وظاهره ولو كان القاضي حنيفا ولو في زماننا ولا ينافي مامر لأن تجويز هذا للمصلحة والضرورة.

(ردالمحتار: ٤/٤٧)

تنبیہات:

حیلۂ ناجزہ میں عبارت یوں ہے:

''عورت ان سب باتوں پر حلف بھی کرے، اس سے مقصد یہ ہے کہ نفقہ سے متعلق جتنی باتیں ہیں ان سب پر حلف کرے، اثبات زوجیت وغیبوبت پر حلف نہیں، اولا اس لیے کہ فتاویٰ مالکیہ میں کہیں اس کی تصریح نہیں بلکہ علامہ سعید بن صدیق الفلاتی کے جواب میں اس کے خلاف تصریح ہے۔

ونصه وأما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تأجيل لكن بعد إثبات ما تقدم وتزيد إثبات العدم واستحقا قها للنفقة.

وتحلف مع البينة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة إلخ...

ثانیاً اس لیے کہ مسئلہ مفقود میں وجود نفقہ کی صورت میں حلف کا کسی نے ذکر نہیں کیا، اور مابہ الفرق کوئی امر نہیں۔

ثالثاً عدم نفقہ کے امر عدمی ہونے کی وجہ سے اس پر اطلاع شہود مشکل ہے، اس لیے اس کے ساتھ حلف کی شرط معقول ہے، اس کے برعکس زوجیت وغیوبت پر حلف غیر معقول بلکہ خلاف اصول ہے۔

۲۔ حیلۂ ناجزہ میں غائب غیر مفقود کے بیان میں ثبوتِ دعوی کے بعد تاجیل شہر کا بھی ذکر ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ غائب متعسر ہو، اگر غائب قدرت کے باوجود نفقہ نہیں دیتا تو وہ متعنت ہے، جس میں تاجیل شہر کی کوئی حاجت نہیں، البتہ انقطاع نفقہ کے وقت سے ایک ماہ گزرنے کے بعد فیصلہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم ۱۳۷۱ھ

سوالِ مثلِ بالا:

سوال: محمد شریف ولد خان محمد، تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمبل پور ایک قتل کے مقدمہ میں بیس سال قیدی ہو چکا ہے، مسماۃ غلام زہرہ اس کی زوجہ منکوحہ نے بوجوہ خرچ نہ دینے کے محمد شریف قیدی بیس سال کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح بعدالت جناب سول جج صاحب تلہ گنگ دائر کر دیا، عدالت نے مدعی علیہ کو بذریعہ نوٹس رجسٹری مطلع کیا اور حاضر ہونے کا حکم صادر کیا، اور بذریعہ اخبارات روزنامہ مشرق لاہور، کوہستان راولپنڈی حاضر ہونے کا حکم صادر کیا گیا، لیکن مدعیٰ علیہ عدالت میں نہ خود حاضر ہوا اور نہ کوئی اپنا مختار پیروی کے لیے بھیجا، عدالت نے مدعیہ کے حق میں ڈگری دیدی ہے، اندریں حالات علماء دین سے عرض کی جاتی ہے کہ کیا محمد شریف بیس سال قیدی کی منکوحہ مسماۃ غلام زہرہ عدالت کے فیصلہ کے مطابق دوسری شادی کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)

اصل بات یہ ہے کہ غائب غیر مفقود کے فسخ نکاح کا مسئلہ مذہب مالکیہ سے لیا گیا ہے،

مگر بعض قیود و شرائط احتیاط بڑھائے گئے ہیں، اسی لیے ارسال الی الغائب کے لیے شہادت شرط ہونا کتاب القاضی الی القاضی پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے، حالانکہ یہاں کوئی فیصلۂ قضا ایک طرف سے دوسری طرف منتقل نہیں ہو رہا ہے بلکہ صرف اتنی بات کی تحقیق اور تثبت مطلوب ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر ہونے کی اطلاع اس کو ایسی صورت سے ہو جائے جس پر یقین یا ظنِ غالب ہو سکے، اسی لیے جس صورت میں ارسال الی الغائب متعذر اور دشوار ہو وہاں بغیر ارسال کے بھی فیصلہ تفریق کا صادر کر دینا مذہب مالکیہ میں مصرح ہے، اور حیلۂ ناجزہ میں اس کو مفصل مع فائدہ لکھا گیا ہے، اس میں مفتی مالکیہ شیخ الفاہاشم کے فتویٰ کے حوالہ بھی درج ہے:

طریق تطلیق زوجة المفقود أو الغائب الذي تعذر الإرسال إليه أو أرسل فتعذر إلخ

اگر ارسال الی الغائب اور پھر غائب کی طرف سے تعاند کا ثبوت شہادت شرعیہ پر موقوف ہوتا اور اس کے بغیر قضاء قاضی نافذ نہ ہوتی تو اس صورت تعذر میں بھی نفاذ قضاء کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاذ قضا کا اس پر مدار نہیں ہے، اس کے علاوہ شہادت کی شرط جو کتاب القاضی الی القاضی پر قیاس کر کے لگائی گئی ہے خود کتاب القاضی الی القاضی میں شہادت کی شرط مختلف فیہ ہے، بہت سے علماء امت اور قضاۃ سلف کے نزدیک اس میں شہادت شرط نہیں، جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اختلاف فقہاء کی مفصل تحقیق موجود ہے، اس لیے شرط شہادت اول تو خود مقیس علیہ میں بھی مجتہد فیہ ہے جو قضاء قاضی کے نفاذ کے لیے مانع نہیں۔

ثانیاً اس جگہ مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بین ہے، اگر کتاب القاضی الی القاضی میں شرط شہادت متفق علیہ بھی فرض کر لی جائے تو بھی اس سے لازم نہیں آتا کہ مدعی یا مدعیٰ علیہ کے احضار کے لیے بینہ عادلہ بھیجا جائے بلکہ ایک آدمی کا بھیجنا اور اسکے قول پر اعتماد کر کے قاضی کو فیصلہ کا حق ہونا خود کتب حنفیہ میں مصرح موجود ہے، معین الحکام کے الالفاظ اس مسئلہ کے متعلق یہ ہیں:

قال في الإيضاح المشترى بخيار إراد الرد فاختفى البائع (إلى قوله) فيبعث مناديا ينادي على باب البائع أن القاضي يقول إن خصمك فلا نا يريد الرد عليك فإن حضرت وإلا نقضت البيع فلا يقضه القاضي بلا أعذار.

(معين الأحكام: ۱۷۰ فصل في من نكل عن حضور مجلس الحاكم)

اس عبارت میں مدعیٰ علیہ پر اعذار یعنی حجت تمام کرنے کے لیے اتنا کافی سمجھا گیا کہ قاضی کی طرف سے کوئی منادی جا کر مدعیٰ علیہ کے دروازہ پر نداء دے اور اعلان کر دے، نہ اس میں شہادت ضروری ہے اور نہ شہادت کا نصاب، اس کے علاوہ جبکہ عدالتوں کے معاملات مدعی ومدعیٰ علیہ کے اختیار میں نہیں، اور موجودہ عدالتیں مدعیٰ علیہ کے پاس بینہ یا شہادت بھیجنے کی پابند نہیں تو اہل معاملہ کے لیے یہ صورت بھی ایک گونہ تعذر ارسال میں داخل ہو جاتی ہے، جس میں بغیر ارسال کے بھی تفریق قاضی کا نافذ ہونا مسلم ہے، بناء علیہ خیال ہے کہ صورت مذکورہ میں فسخ نکاح شرعاً صحیح و درست اور نافذ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع (دار العلوم کراچی ۱۴، ۹/۳/۸۸)

بندہ کو اس تحریر سے اتفاق نہیں، اس لیے کہ اس میں جوازِ فسخ نکاح کی شرائط ذیل مفقود ہیں:

- زوج سے قیامِ نکاح اور اس کی غیوبت پر شہادت۔
- عدم نفقہ اور اس سے متعلقہ امور پر حلف۔
- عدالت کے حکم نامہ میں نہ تو تفصیل ہے اور نہ ہی اس کے شوہر تک پہنچنے کا یقین۔

بحث ارسال صحیح ہے، مگر معین الحکام میں فسخ بیع سے متعلق جو وسعت مذکور ہے اتنی وسعت فسخ نکاح میں درست معلوم نہیں ہوتی، نکاح کا معاملہ بنسبت بیع کے زیادہ اہم ہے، لہٰذا فسخ نکاح کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ زوج تک قاضی کا حکم نامہ پہنچے اور اس کی حاضری سے کوئی عذر نہ ہونے کا قاضی کو ظن غالب ہو جائے۔

إلا أن تعذر الإرسال إليه، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد ۱۱ ربیع الآخر ۹۷ھ

شوہر ایامِ انقلاب میں گم ہو گیا:

سوال: ایک عورت کا خاوند لاپتہ ہے، خبر نہیں مر گیا یا زندہ ہے؟ اب یہ عورت جواں عمر ہے اور کہاں تک انتظار کرے؟ یہ واقعہ بھی اس انقلاب کی صورت میں ہوا ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شوہر کے لاپتہ ہونے میں دو احتمال ہیں:

۱۔ پاکستان میں پہنچ کر لاپتہ ہو۔

۲۔ ہندوستان ہی میں کسی ایسی جگہ پر لاپتہ ہوگیا ہو جہاں عام بدامنی اور فسادات پھیلے ہوئے تھے۔

پہلی صورت چونکہ زیادہ تفصیل طلب ہے، نیز سوال سے بھی دوسری صورت ظاہر ہو رہی ہے، اس لیے صرف اسی دوسری صورت کا حکم لکھا جاتا ہے، پس اگر ہندوستان ہی میں فسادات کے مواقع پر کہیں لاپتہ ہوا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کسی مسلم حاکم (یا اگر حاکم شرعی فیصلہ نہ کرسکتا ہو) تو کسی مجلسِ علماء میں دعویٰ پیش کرے اور شرعی شہادت سے ثابت کرے کہ یہ شخص (فلاں) کا شوہر ہے اور وہ لاپتہ ہے، حاکم اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، جب کسی صورت میں بھی اس کا پتہ نہ چل سکے اور حاکم کو یہ گمان غالب ہو جائے کہ یہ شخص فسادات میں مرگیا ہے اس وقت فسخ نکاح کا حکم صادر کرے، اس کے بعد عورت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

قال في الشامية (قوله واختار الزيلعي تفويضه إلى الإمام) قال في الفتح فأي وقت رأي المصلحة حكم بموته (إلى أن قال) ومقتضاه أنه يجتهد ويحكم القرائن الظاهرة الدالة على موته وعلىٰ هذا يبتني مافي جامع الفتاوىٰ حيث قال وإذا فقد في المهلكة فموته غالب فيحكم به كما إذا فقد في وقت الملاقاة مع العدو أو قطاع الطريق أوسافر على المرض الغالب هلاكه أو كان سفره في البحر وما أشبه ذلك حكم بموته لأنه الغالب في هذه الحالات وإن كان بين احتمالين واحتمال قوته ناشيء عن دليل لااحتمال حياته لأن هذا الاحتمال كاحتمال ماإذا بلغ المفقود مقدار مالا يعيش على حسب مااختلفوا في مقداره نقل من الغنية ١هـ ما في جامع الفتاوىٰ وافتى به بعض مشايخنا وقال أنه أفتىٰ به قاضي زاده وصاحب بحر الفتاوىٰ لكن لا يخفى أنه لابد من مضي مدة طويلة حتى يغلب على الظن موته لابمجرد فقده عند ملاقاة العدو أو سفر البحر ونحوه.

(ردالمحتار: ۴۵۷/۳)

البتہ اگر جدید نکاح کرنے کے بعد پہلا شوہر واپس آ گیا تو اس کے احکام یہ ہیں:

۱- یہ عورت پہلے شوہر کو ملے گی، اور اس کا پہلا نکاح ہی باقی ہے، جدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

۲- اگر دوسرے شوہر نے خلوۃ صحیحہ کی ہو تو کل مہر دے گا اور عورت پر عدت طلاق واجب ہوگی، اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو نہ مہر واجب ہوگا نہ عدت۔

۳- بصورت خلوت صحیحہ دوسرے شوہر سے علیحدہ ہو کر عدت گزار کر پہلے شوہر سے ہمبستر ہو سکے گی۔

۴- عدت پہلے شوہر کے پاس گزارے، مگر عدت گزرنے تک اس کے لیے ہمبستری جائز نہیں

۵- اگر دوسرے شوہر سے حالتِ نکاح میں یا فسخ نکاح کے بعد زمانہ عدت میں کوئی اولاد پیدا ہوگئی تو وہ دوسرے شوہر کی ہوگی۔

قال في المبسوط وقد صح رجوعه (عمر رضي الله عنه) إلى قول علي رضي الله عنه فإنه (عليا) كان يقول ترد إلى زوجه الأول ويفرق بينهما وبين الآخر ولها المهر بما استحل من فرجها ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الأخر وبهذا كان يأخذ إبراهيم فيقول قول علي رضي الله عنه أحب إلي من قول عمر رضي الله عنه ونحن نأخذ أيضا. (مبسوط: ۱۱)

وأيضا فيه فعرفنا أن الصحيح أنها زوجة الأول فكذا هذه، قال في الشامية وللموطؤة بشبهة أن تقيم مع زوجها الأول وتخرج بإذنه في العدة لقيام النكاح بينهما وإنما حرم الوطء إلخ. (ردالمحتار: ۲)

ولفظ المبسوط بما استحل من فرجها يشير إلى أن مجرد النكاح لايوجب المهر وأيضا رفع النكاح الثاني كالفسخ وفي الفسخ قبل الخلوة لا يجب شيئ من المهر لما في البدائع وفسخ العقد رفعه من الأصل وجعله كأن لم يكن ولو لم يكن حقيقة لم يكن لها مهر فكذا إذا التحق بالعدم من الأصل (إلى أن قال) وإن كان قد دخل بها لا يسقط المهر لأن المهر قد تأكد بالدخول فلايحتمل السقوط بالفرقة (وبعد أسطر) أن المراد من المهر المهر المسمىٰ (بدائع: ۲

فصل في بيان ما يرفع النكاح) وفي الشامية عن أن زوجته له والأولاد للثاني. (ردالمحتار:۳)

تنبیہ:

اگر پنچایت سے فیصلہ کرایا گیا تو یہ ضروری ہے کہ کم از کم یہ پنچایت تین ارکان پر شامل ہو، اور پنچایت کے سب ارکان نیک اور عالم ہوں یا عالم سے پوچھ کر فیصلہ کریں، عالم بھی ایسا ہو جو شہادت وقضا کے احکام سے بخوبی واقف ہو اور فسخ نکاح کا فیصلہ سب کے اتفاق سے ہو، کوئی اختلاف نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی قعدہ ۱۷ھ

حکم زوجہ مفقود

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارے میں کیا ہے؟ کہ ایک شخص مدت سے غائب اور لاپتہ ہے، اس کی موت یا زندگی کی کوئی خبر نہیں، ایسی حالت میں اس کی بیوی کے لیے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مفقود کی بیوی کے لیے بہتر ہے کہ شوہر کی عمر نوے برس ہونے تک صبر کرے، اگر صبر نہ کرسکے تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق یہ عورت کسی حاکم مسلم کے پاس دعویٰ پیش کرے اور گواہوں سے مفقود کے ساتھ تا حال قیام نکاح حاکم کے پاس ثابت کرے، نکاح کے اصل شاہد ضروری نہیں بلکہ شہادت بالتسامع کافی ہے، یعنی نکاح کی عام شہرت سن کر نکاح پر شہادت دی جاسکتی ہے، اس کے بعد شوہر کے مفقود ہونے کی شہادت شرعیہ پیش کرے، پھر حاکم اس شخص کی بقدر ممکن تلاش کرے جہاں اس کے جانے کا ظن غالب ہو وہاں آدمی بھیجے، اور جہاں صرف احتمال ہو خط وغیرہ سے تحقیق کرے اخبار میں اشتہار دینا مفید معلوم ہو تو یہ بھی کرے، بہرکیف ہر ممکن صورت سے اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، حاکم کے پاس دعویٰ پیش ہونے سے قبل عورت کی طرف سے یا کسی دوسرے شخص کی طرف سے تلاش کی کوشش کافی نہیں، بلکہ دعویٰ پیش ہونے کے بعد ضروری ہے کہ حاکم خود پوری کوشش کرے، دوسروں کے کہنے پر ہرگز اعتبار نہ کرے، جب حاکم شوہر کے ملنے سے بالکل ناامید ہو جائے تو عورت کو چار

سال کی مہلت دے، اگر ان چار سالوں میں بھی اس کی کوئی خبر نہ آئی تو عورت حاکم کے پاس دوبارہ درخواست پیش کر کے نکاح فسخ کروالے، اور شوہر کو مردہ تصور کر کے مدت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اگر کہیں حاکم مسلم موجود نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو جماعۃ المسلمین بطریق مذکور فسخ نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے، مگر اسکے لیے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱- جماعت کے ارکان کم از کم تین ہوں۔

۲- سب ارکان عادل یعنی پکے دیندار ہوں۔

۳- سب ارکان یا کم از کم ایک رکن ایسا عالم ہو جو شہادت وقضا کے احکام شرعیہ میں ماہر ہو۔

۴- فسخ نکاح کا فیصلہ سب ارکان اتفاق رائے سے کریں۔

۵- شوہر کی تلاش کے وقت مصارف عورت خود برداشت کرے، اگر وہ عاجز ہو تو حکومت برداشت کرے۔

اگر دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد پہلا شوہر واپس آ گیا تو اس کے احکام یہ ہیں:

۱) یہ عورت اسی پہلے شوہر کو ملے گی، جدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں، پہلا نکاح کافی ہے۔

۲) اگر دوسرے شوہر نے خلوتِ صحیحہ کی ہو تو کل مہر دے گا، اور عورت پر عدتِ طلاق واجب ہوگی، اور اگر خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو تو نہ مہر واجب ہوگا نہ عدت۔

۳) عدت پہلے شوہر کے پاس گزارے گی، مگر عدت گزارنے تک پہلے شوہر کے لیے جماع کرنا جائز نہیں۔

۴) اگر دوسرے شوہر سے حالتِ نکاح میں یا فسخِ نکاح کے بعد عدت گزرنے سے قبل اولاد پیدا ہو گئی تو یہ دوسرے شوہر کی ہوگی۔

وهذا خلص ماهو مشروح في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

تنبیہ:

حیلۂ ناجزہ میں جہاں نکاح پر شہادت کا ذکر ہے اس سے صرف انعقاد نکاح مراد نہیں بلکہ قیام نکاح پر شہادت ضروری ہے۔

لما في الرواية الأولىٰ من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي، مانصه بعد أن تثبت الزوجية وغيبة الزوج والبقاء في العصمة إلى الآن إلخ.

وفي الالحاق من العلامة ألفا هاشم فإن الزوجة تثبت بشاهدين أن فلانا زوجها وغائب عنها إلخ.

وفي الرواية الثانية والعشرين من العلامة الفلاتي كلفها إثبات الزوجية ۱ھ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم. ۱۹ محرم ۷۳ء

زوجۂ مفقود سے متعلق ترمیم جو مشورہ کے بعد طے ہوئی:

ہم دستخط کنندگان ذیل کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ حیلۂ ناجزہ ص ۶۱ میں بعنوان ''فائدہ'' جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تبدیل کردیا جائے:

فائدہ: زوجۂ مفقود کے لیے قاضی کی عدالت میں فسخِ نکاح کی درخواست کے بعد جو مزید چار سال کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ عورت کے لیے نفقہ اور گزارہ کا بھی کچھ انتظام ہو اور عصمت وعفت کے ساتھ یہ مدت گزارنے پر قدرت بھی ہو اور اگر اس کے نفقہ اور گزارہ کا کوئی انتظام نہ ہو نہ شوہر کے مال سے نہ کسی عزیز وقریب یا حکومت کے تکفل سے اور خود بھی محنت ومزدوری پردہ اور عفت کے ساتھ کر کے اپنا گزارہ نہیں کرسکتی، تو جب تک صبر کرسکے شوہر کا انتظار کرے جس کی مدت ایک ماہ سے کم ہو اس کے بعد[1] قاضی یا کسی مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعوی دائر کرے۔

اور اگر نفقہ اور گزارہ کا تو انتظام ہے مگر بغیر شوہر کے رہنے میں اپنی عفت وعصمت کا اندیشہ قوی ہے، تو سال بھر صبر کرنے کے بعد[2] قاضی کی طرف مرافعہ کرے اور دونوں صورتوں میں

(۱) یعنی اس کا شوہر ہونا بھی ثابت کرے اور غائب ہونا بھی۔

(۲) پیچھے علامہ الفاہاشم کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدم نفقہ کی صورت میں ایک ماہ اور خشیت زنا کی صورت میں ایک سال کا انتظار حاکم کے فیصلہ سے پہلے کافی ہے، خواہ مرافعہ سے پہلے اتنی مدت گزری ہو یا نہیں مگر مذہب مالکی کو اختیار کرنے کے لیے جس ضرورت کا تحقق شرط ہے اس کو متیقن کرنے کے لیے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس مدت میں کچھ اضافہ کردینا قرینِ احتیاط ہے، چنانچہ یہاں یہ ایک ماہ سال کی مدت قبل المرافعہ مقرر کی گئی ہے، تاکہ مقدمہ کی کاروائی کی مدت اس کے علاوہ ہو، البتہ اگر حاکم کے فیصلہ تک بھی اتنی مدت گزر گئی تو فتویٰ جواز کا دیا جائے گا۔

بندہ: (۱) محمد شفیع عفا اللہ عنہ (خادم دار العلوم کراچی نمبر۱۴) (۲) رشید احمد

(۳) محمد عاشق الٰہی (۴) محمد رفیع عثمان

گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کرے کہ[1] اس کا شوہر فلاں اتنی مدت سے غائب ہے اور اس نے[2] اس کے لیے کوئی نان نفقہ نہیں چھوڑا، اور نہ کسی کو نفقہ کا ضامن بنایا اور اس نے اپنا نفقہ اس کو معاف بھی نہیں کیا، اور اس پر عورت حلف بھی کرے اور دوسری صورت یعنی عفت کے خطرہ کی حالت میں قسم کھائے کہ میں بغیر شوہر کے اپنی عفت قائم نہیں رکھ سکتی، قاضی کے پاس جب یہ ثبوت مکمل ہوجائے تو قاضی اس کو کہہ دے کہ میں نے تمہارا نکاح فسخ کردیا، یا شوہر کی طرف سے طلاق دیدی یا خود عورت کو اختیار دیدے کہ وہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور جب عورت طلاق اپنے نفس پر واقع کرے تو قاضی اس طلاق کو نافذ کردے۔

(كما في فتاوىٰ العلامة الفاهاشم من الالحاق حيلة ناجزه: ١١٠) والله سبحانه وتعالىٰ أعلم۔

شوہر بحری سفر میں گم ہوگیا:

سوال: ایک شخص بحری سفر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ لانچ پر سوار ہوکر حج سے واپس آرہا تھا رات کو لانچ کے ایک طرف تختہ پر جو تقریبا ڈیڑھ فٹ چوڑا تھا اس پر سویا ہوا تھا، ساتھیوں نے اور ناخدا نے بھی منع کیا مگر باز نہ آیا، صبح اٹھے تو یہ شخص مفقود تھا، اب اس کے مال اور بیوی کا شرعا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قرائن سے اسکی موت متیقن ہے، لہٰذا اس کا ترکہ تقسیم کردیا جائے، اور اس کی بیوی عدت موت گزار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے، قرائن مفیدِ یقین بحکم شہادت ہیں۔

كما في كتاب الدعوىٰ من شرح التنوير ونصه والسابع قرينة قاطعة كان ظهر من دار خالية إنسان خائف بسكين متلوث بدم فدخلوها فورا فرأوا مذبوحا لحينه أخذ به إذ لا يمترى أحد أنه قاتله.

(ردالمحتار: ٤/٥٨٧)

---

(۱) یعنی صورت اولیٰ میں۔

(۲) یہ طلاق رجعی ہوگی، اگر عدت کے اندر یا اس کے بعد مفقود آجائے تو اس کے احکام وہی ہوں گے جو غائب غیر مفقود کے ہیں۔ ۱۲ ارشید احمد

وفي الشامية في أول كتاب القضاء في بيان طريق القاضي إلى الحكم، أو القرائن الواضحة التي تصير الأمر في حيز المقطوع به فقد قالوا لو ظهر إنسان من دار بيده سكين وهو متلوث بالدم سريع الحركة عليه أثر الخوف فدخلوا الدار على الفور فوجدوا فيها إنسانا مذبوحا بذلك الوقت ولم يوجد أحد غير ذلك الخارج فإنه يؤخذ به وهو ظاهر إذ لا يمترى أحد في أنه قاتله والقول بانه ذبحه آخر ثم تسور الحائط أو انه ذبح نفسه احتمال بعيد لا يلتفت إليه إذ لم ينشأ عن دليل. (ردالمحتار: ٤/ ٤٣١)

شامیہ کتاب المفقود میں جو مذکور ہے کہ سفر بحر میں گم ہونے والے کا مدت طویلہ تک انتظار کر کے حاکم اس کی موت کا حکم کرے'' اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے ساحل پر پہنچنے کا علم نہ ہو، صورت سوال میں تو وسط بحر ہی میں فقدان کا علم ہو گیا ہے جو موجب یقین ہے اور احتمال بعید ناشی بلا دلیل کا اعتبار نہیں۔

كما صرح به شارح التنوير وابن عابدين رحمهما الله تعالىٰ فيما ذكرنا من نصهما.

ایسا بعید احتمال تو بالمشافہہ میت کے دیکھنے کے بعد بھی موجود ہوتا ہے کہ شاید موت نہ ہوسکتہ ہو، لہٰذا اس صورت میں نہ مدت طویلہ تک انتظار کی ضرورت ہے اور نہ حکمِ حاکم کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۸صفر ۲۷ھ

مجنون نفقہ دینے پر قادر نہ ہو تو صورتِ تفریق:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ ایک شخص کچھ جنون اور دماغی خلل کی وجہ سے اپنی بیوی کو سنبھالنے اور خرچ وغیرہ برداشت کرنے پر قادر نہیں، اور نہ ہی بیوی کے مصارف کا اور کوئی انتظام ہوسکتا ہے، بیوی اس حالت میں اس کے نکاح میں رہنے پر راضی نہیں، اور یہ شخص جنون کی وجہ سے طلاق دینے پر قادر نہیں کہ شرعاً اس کی طلاق غیر معتبر ہے، اور جنون بھی اس حد تک پہنچا ہوا نہیں کہ عورت کو خیارِ فسخ مل سکے، یعنی شوہر سے تکلیف پہنچنے یا قتل وغیرہ کا خوف نہیں تو اس صورت میں بیوی کی نجات کی شرعاً کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایسے حالات میں مذہبِ حنفی میں کوئی صورت ممکن نہیں، لہٰذا بوقتِ اضطرار مذہب مالکی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم کے پاس درخواست پیش کرے، اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے، اور وہ مجنون ہے، اور وہ نفقہ پر قادر نہیں، اور نہ ہی کوئی اس کے نفقہ کا کفیل ہے، اور اس نے نفقہ معاف بھی نہیں کیا، اور نہ ہی اسے نکاح سے قبل اس کی ناداری کا علم تھا، یا ناداری کا علم تو تھا مگر کسی نے نفقہ کی کفالت قبول کی تھی اور اب اس نے انکار کر دیا ہے، نفقہ سے متعلق ان سب باتوں پر قسم بھی کھائے اس پر حاکم شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے، اگر اس مدت میں بھی نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو حاکم تفریق کر دے، یہ فیصلہ طلاقِ رجعی کے حکم میں ہوگا، اگر عدت کے نفقہ پر قدرت ثابت ہو جائے تو مجنون کا ولی رجوع کر سکتا ہے۔

والتفصيل في الحيلة الناجزة لحكيم الأمة قدس سره.

تنبیہات:

۱۔ مجنون کے ساتھ زوجیت پر شہادت کا لزوم کہیں نظر سے نہیں گزرا، مگر چونکہ مجنون کا وجود کالعدم ہے اس لیے قیاساً علی الغائب یہ شرط ضروری معلوم ہوتی ہے وہو الاحوط، ولی مجنون کا اقرارِ زوجیت اس لیے معتبر نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں مجنون کا ضرر ہے۔

۲۔ حیلۂ ناجزہ میں اس صورت میں شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دینے کی تصریح نہیں، مگر چونکہ یہ اعسار کی صورت ہے جس میں مالکیہ کے ہاں تاجیل شہر کی صراحت ہے اس لیے شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دینا چاہیے، اگر اس میں بھی نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو تفریق کی جائے، البتہ عباراتِ مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاجیل صحتِ قضا کے لیے شرط نہیں۔

۳۔ حاکم تاجیل شہر اور اس کے بعد فسخ نکاح کا حکم مجنون کے ولی کو سنائے اگر اس کا کوئی ولی نہ ہو تو حاکم مجنون کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کر کے اس کو حکم سنائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

حکمِ زوجۂ مجنون:

سوال: آپ نے احسن الفتاویٰ میں ایسے مجنون کے فسخِ نکاح کی صورت تحریر فرمائی ہے جو نفقہ پر قادر نہ ہو، اگر نفقہ کا انتظام تو ہو مگر بیوی کو مجنون سے سخت تکلیف پہنچتی ہو یا مجنون

ہمبستری پر قادر نہ ہو ہمیشہ غائب رہتا ہو تو ان صورتوں میں اس سے نجات حاصل کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بوقتِ نکاح جنون موجود تھا اور بے خبری میں نکاح ہو گیا، تو مالکیہ کے علاوہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی عورت کو خیارِ فسخ ہے، خواہ جنون مستوعب ہو یا غیر مستوعب، یعنی کبھی کبھی دورہ پڑتا ہو، اور اگر نکاح کے بعد جنون مستوعب یا غیر مستوعب لاحق ہوا تو احناف کے ہاں فسخِ نکاح کی کوئی صورت نہیں، بوقت مجبوری مالکیہ کے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے، دونوں صورتوں میں تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے، اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے اور وہ ایسا خطرناک مجنون ہے کہ اس سے سخت اندیشہ ہے اور ناقابلِ برداشت ایذا پہنچتی ہے اس پر قاضی مجنون کے ولی کو اس کے علاج کے لیے ایک شمسی سال کی مہلت کا حکم سنائے، اگر مجنون کا ولی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو اس کا وکیل مقرر کر کے اسے حکم سنائے، ایک سال گزرنے پر اگر شوہر کو افاقہ نہ ہو اور عورت پھر درخواست کرے تو قاضی عورت کو اختیار دیدے اگر عورت اسی مجلس میں تفریق طلب کرے تو قاضی تفریق کر دے، ایک سال کی مہلت کے حکم کی طرح تفریق کا حکم بھی قاضی مجنون کے ولی کو اور وہ نہ ہو تو مقرر کردہ وکیل کو سنائے، اگر یہ جنون بوقتِ عقد موجود تھا تو یہ تفریق فسخ ہے، اور اگر بعد میں لاحق ہوا تو اس بارے میں کتبِ مالکیہ کی عبارات مختلف ہیں کہ یہ فسخ ہے یا کہ طلاق بائن؟ مالکیہ سے اس کی تحقیق کر لی جائے، اگر تحقیق نہ ہو سکے تو احتیاط اس میں ہے کہ اسے طلاق بائن قرار دیا جائے، لہٰذا اگر اس طلاق کی عدت کے اندر دو طلاقیں مزید دیدیں یا اسی عورت سے دوبارہ نکاح کر کے پھر دو طلاقیں دیدیں تو طلاق مغلظ ہو جائے گی۔

اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل نکاح فسخ ہو گیا تو مہر بالکل ساقط ہو جائے گا، اور عورت پر عدت بھی نہیں، اور اگر خلوتِ صحیحہ ہو چکی تھی تو مہر کامل بھی واجب ہے اور عدت بھی۔

شرائطِ تفریق:

۱) جنون خطرناک حد تک ہو، شدید ایذاء کا باعث ہو، معمولی جنون میں خیارِ تفریق نہیں۔

۲) نکاح سے قبل جنون کا علم نہ ہو۔

۳) جنون کا علم ہونے کے بعد عورت نے اس کے نکاح میں رہنے پر کبھی اظہار رضا نہ کیا ہو، اگر ایک بار رضا ظاہر ہو چکی ہو تو خیار نہ رہے گا۔

۴) علم جنون کے بعد عورت نے بالاختیار جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو، اگر مجنون نے جبراً ہمبستری کر لی ہو تو اس سے خیار باطل نہ ہوگا، اسی طرح اگر معمولی جنون میں ہمبستری کا موقع دیا ہو یا اس کے نکاح میں رہنے پر رضا کا اظہار کیا ہو مگر بعد میں جنون خطرناک حد تک پہنچ گیا، تو خیارِ تفریق باطل نہ ہوگا۔

۵) مجنون سے تفریق کے لیے قضاء قاضی شرط ہے۔

۶) مہلت کی میعاد ایک شمسی سال گذر جانے کے بعد عورت کی دوبارہ درخواست پر جب قاضی عورت کو اختیار دے تو اسی مجلس میں عورت فسخِ نکاح کو قبول کر لے، اگر مجلس برخواست ہو گئی یا عورت کسی دوسری گفتگو یا کسی کام میں مشغول ہو گئی تو اسے خیار نہ رہے گا۔

اگر مجنون جماع پر قادر نہیں تو وہ عنین ہے اور اگر ہمیشہ غائب رہتا ہے تو وہ غائب غیر مفقود ہے، عنین اور غائب غیر مفقود سے تفریق کی صورت احسن الفتاویٰ میں موجود ہے۔

غور طلب:

غائب اور مفقود کی بیوی کو بحالتِ خشیتِ زنا خیارِ تفریق ہے، اگرچہ غائب ہونے سے قبل ہمبستری ہو چکی ہو، مگر عنین نے ایک دفعہ بھی ہمبستری کر لی تو اس کی بیوی کو خشیتِ زنا کے باوجود خیار نہیں، دونوں میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنین کی بیوی اس کی نگرانی میں ہے اس لیے اس پر معصیت میں ابتلاء کا اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جہاں کسی امر کی حقیقت میں خفا ہو وہاں اس کے اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیدیا جاتا ہے لہٰذا عنین کا قیام مع الزوجہ ہی بمنزلہ وطی ہے، پس اگر مجنون کو ایک بار ہمبستری کے بعد قدرت نہ رہی اور جنون خطرناک بھی نہیں، نفقہ بھی موجود ہے تو اس کی بیوی محض خشیتِ زنا کی وجہ سے خیارِ تفریق ہے یا نہیں؟ غائب و عنین میں فرق مذکور کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر مجنون بیوی کی نگرانی پر قادر نہیں اور اس کا وجود و عدم برابر ہے تو اسے بحکم غائب سمجھ کر اس کی بیوی کو خیار ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۱ ربیع الآخر ۹۷ھ

❁❁❁❁❁

باب الظہار

ظہار کا لغوی معنی اپنی بیوی کو ''أنت علی کظہر امي'' کہنا ہے۔
اور اصطلاحِ شرع میں ظہار کا معنی ''اپنی بیوی کو اپنی محرمات اَبدیہ میں سے کسی کے ساتھ حرمت میں تشبیہ دینا۔''

جب کوئی مسلمان اپنی بیوی سے ظہار کرتا ہے، تو ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے ہمبستری، یا بوس و کنار کرنا حرام ہے، کفارہ ادا کرنے کے بعد ظہار ختم ہو جائے گا۔
اور اس سے ہمبستری از دواجی اور جنسی تسکین کے دیگر افعال جائز ہو جاتے ہیں۔

وفي التنوير قال: وشرعا تشبيه المسلم زوجته أو جزء شائع منها بمحرم عليه تابيدا (إلى قوله) يصير به مظاهرا فيحرم وطؤها عليه ودواعيه حتى يكفر.'' (الدر علی هامش ردالمحتار :٣/٤٦٦ سعيد)

ظِہار کی مدت

بیوی سے ظہار کرنا شرعاً ایک ناپسندیدہ فعل ہے، کیونکہ اس میں بیوی کی حق تلفی کے علاوہ ایک طرح جھوٹ بھی ہے، کیونکہ اس میں بیوی سے کہا جاتا ہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے حالانکہ وہ اس کی ماں نہیں ہے، لہٰذا اس سے بچنا لازم ہے، اور اگر کسی نے ایسی غلطی کر لی تو اس پر لازم ہے کہ کفارہ ادا کر کے اس فعل سے حلال ہو جائے۔ بیوی کو اپنے لیے حلال کرے، اور اپنے اس فعل سے توبہ بھی کرے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ (المجادلة: ٢)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (ان کے اس عمل سے) وہ بیویاں ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں جو بہت بری ہے، اور جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

کفارۂ ظہار کی تفصیل

﴿وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا﴾

(المجادلة: ۳، ٤)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے رجوع کرتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے وہ بات جس کی تمہیں نصیحت کی جارہی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے، پھر جس شخص کو غلام میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ دو متواتر مہینوں کے روزے ہیں قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جس کو بھی استطاعت نہ ہو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

وفي الهندية قال: وحكم الظهار حرمة الوطئ والدواعي إلى غاية الكفارة. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۵۰٦ باب الظهار)

تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں

فقہاءِ کرام کی تصریح کے مطابق ظہار میں اداۃ تشبیہ ہونا ضروری ہے، اس لیے تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں جیسے الفاظ جن میں حروف تشبیہ موجود نہ ہوں ظہار نہ ہوگا۔

كما في الهندية: ولو قال إن وطئتك وطئت أمي فلا شيئ عليه.

(الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۰٦ باب الظهار)

لیکن فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب یہ الفاظ بیوی کو ماں بہن کہنا عرف میں طلاق ہی کے لیے مستعمل ہیں اس لیے ان الفاظ سے ایک طلاق صریح بائن واقع ہوگی۔

اگرچہ طلاق کی نیت نہ ہو۔ (احسن الفتاوی: ۵/ ٤۰٤)

مزید تفصیل کتاب الطلاق میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب اللعان

کسی پر زنا کی تہمت لگانے کا حکم یہ ہے کہ تہمت لگانے والے کے ذمہ شرعاً لازم ہے کہ اپنی تہمت کو چار گواہوں کی گواہی سے ثابت کرے اگر ثابت نہ کر سکا تو خود اس پر حدِ قذف جاری ہوگی، اور اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کے نسب سے انکار کرے اس کے بارے میں کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں، نہ معلوم کس کا ہے؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ عدالت میں قاضی کے روبرو اس کو چار گواہوں سے ثابت کرے، اگر گواہوں کی گواہی سے ثابت نہ کر سکے، تو شوہر اور بیوی دونوں کو قسم دی جاتی ہے۔ اس کو "لعان" کہا جاتا ہے۔

جس میں شوہر عدالت میں چار مرتبہ قسم کھا کر اپنی صداقت ثابت کرے گا۔ اور پانچویں بار یوں کہے گا:

"اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔"

اس کے بعد پھر عورت بھی چار مرتبہ قسم کھا کر شوہر کا جھوٹ اور اپنی صداقت ثابت کرے گی۔ اور پانچویں بار یوں کہے گی:

"اگر میں جھوٹ بولوں مجھ پر خدا کا قہر وغضب نازل ہو۔"

اس سے لعان مکمل ہو جائے گا، اور قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔

﴿ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾

(النور:٦-٩)

لعان کے بعد تفریقِ قاضی ضروری ہے

اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عند المطالبہ دونوں

کا آپس میں لعان ضروری ہے، دونوں کا نکاح بسبب لعان خود بخود ختم نہیں ہوگا بلکہ حاکم وقت ،قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اگر چہ دونوں اس پر راضی نہ ہوں۔

قال العلامة المرغيناني: وإذا التعنا لا تقع الفرقة حتى يفرق القاضي بينهما. (الهداية ٢/٣٩٧، كتاب الطلاق، باب اللعان)

ومثله في الدر المختار على هامش ردالمحتار :٢/٦٣٩ باب اللعان: قبل مطلب في الدعاء باللعن على معين.

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وصفته ما نطق النص الشرعي به من كتاب وسنة فإن التعنا ولو أكثره بانت بتفريق الحاكم فيتوارثان قبل تفريقه الذي وقع اللعان عنده ويفرق وإن لم يرضيا بالفرقة. (الدرالمختار على صدر ردالمحتار :٣/٤٨٨ باب اللعان)

قال علامة ابن نجيم المصري رحمه الله تعالى: تحت قوله وصفته ما نطق به النص فإن التعنا بانت بتفريق الحاكم ولا تبين قبله! أي الحاكم الذي وقع اللعان عنده لو لم يفرق الحاكم حتى عزل أو مات فالحاكم الثاني يستقبل اللعان عندهما.

(البحر الرائق:٤/١١٧ باب اللعان)

ومثله في الأحوال الشخصية :٣٤٧ باب اللعان.

لعان کے بعد دوبارہ نکاح کی صورت

لعان کی صورت میں چونکہ تفریق قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ خاوند اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اُسے حدِ قذف لگا کر پھر ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى: وتكون الفرقة تطليقة بائنة عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ لأن فعل القاضي انتسب إليه كما في العنين وهو خاطب إذا كذبه نفسه. إلخ.

(الهداية: ٢/٤٩٧ كتاب الطلاق باب اللعان)

وفي الهندية : قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ الفرقة الواقعة في اللعان فرقة بتطليقة بائنة فيزول ملك النكاح وتثبت حرمة الاجتماع

والتزوج ماداما على حالة اللعان.

(الفتاوىٰ الهندية: ۱/۵۱۶، ۵۱۵ كتاب الطلاق۔ الباب الحادي عشر في اللعان)

ومثله في الدر المختار على هامش ردالمحتار ۲/۶۰۹ باب اللعان. قبل مطلب في الدعاء باللعن على معيّن.

لعان کے لیے دارالاسلام ہونا ضروری ہے

لعان کے لیے فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کا معاملہ دارالاسلام میں ہو۔ اگر ایسا واقعہ دارالکفر میں پیش آئے تو وہاں نہ لعان ہوگا نہ اس بنیاد پر تفریق ہوگی، دونوں میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے تو شوہر سے خود طلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ويشترط كون القذف بصريح الزنا في دار الإسلام قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ (تحت قوله دار الإسلام) أخرجه دار الحرب.

(ردالمحتار: ۲/۵۸۶ باب اللعان)

باب العدة

جب میاں بیوی میں طلاق، خلع، ایلا وغیرہ سے نکاح ختم ہونے کی وجہ سے یا شوہر کے مرجانے کی وجہ سے جدائی اور فرقت واقع ہوجائے تو عورت کے ذمہ "عدت" گذارنا لازم ہوجاتا ہے، جس کو عرف میں "عدت بیٹھنا" بھی کہا جاتا ہے، شوہر سے جدائی کی نوعیت کے اعتبار سے اس کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (البقرة: ۲۲۸)

اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے پیٹ میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں۔

طلاق کی عدت کی تفصیل

1 اگر شوہر نے طلاق دے دی تو تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر جس میں طلاق ہوئی ہے، بیٹھی رہے۔ اس گھر سے باہر نہ نکلے، نہ دن کو نہ رات کو، نہ کسی دوسرے سے نکاح کرے۔ جب پورے تین حیض ختم ہوگئے تو عدت پوری ہوگئی اور گھر سے نکلنے اور نکاح کرنے کی پابندی ختم ہوگئی۔ مرد نے چاہے ایک طلاق دی ہو یا دو تین طلاقیں دی ہوں اور طلاقِ بائن دی ہو یا رجعی، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاث أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة فيمن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء سواء كانت الحرة مسلمة أو كتابية. كذا في السراج الوهاج. (عالمگیریہ: ۱/۵۵۲)

2 اگر چھوٹی لڑکی کو طلاق ہوگئی جس کو ابھی حیض نہیں آتا یا اتنی بڑھیا ہے کہ اب حیض آنا

بند ہو گیا ہے، ان دونوں کی عدت تین مہینے ہے۔

والعدة لمن لم تحض لصغر أو كبر أو بلغت بالسنين ولم تحض ثلاثة أشهر. كذا في النقاية.

(عالمگیریه: ۱/۵۵۲ الباب الثالث عشر في العدة)

3 کسی لڑکی کو طلاق ہوگئی اور اس نے مہینوں کے حساب سے عدت شروع کی، پھر عدت کے اندر ہی ایک یا دو مہینہ کے بعد حیض آ گیا تو اب پورے تین حیض آنے تک عدت گزارے، جب تک تین حیض پورے نہ ہوں عدت ختم نہیں ہوگی۔

وكذا إذا كانت صغيرة تعتدّ بالشهور فحاضت بطل حكم الشهور واستقبلت العدة بالحيض . كذا في السراج الوهاج.

(عالمگیریه: ۱/۵۵۲)

4 اگر کسی کو حمل ہے اور اسی زمانے میں طلاق ہوگئی تو بچہ پیدا ہونے تک بیٹھی رہے، یہی اس کی عدت ہے۔ جب بچہ پیدا ہوگا تو عدت ختم ہوگی۔ طلاق کے بعد تھوڑی ہی دیر میں اگر بچہ پیدا ہو گیا تب بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

وعدة الحامل أن تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة و حبلت بعد الوجوب كذا في فتاوىٰ قاضيخان.

(عالمگیریه: ۱/۵۵٤)

غیر مدخول بہا پر عدت لازم نہیں

1 طلاق کی عدت اسی عورت پر ہے جس کو صحبت کے بعد طلاق ہوئی ہو یا صحبت تو ابھی نہیں ہوئی مگر میاں بیوی میں تنہائی ہو چکی ہے تب طلاق ہوئی، چاہے ایسی تنہائی ہو جس سے پورا مہر دلایا جاتا ہے یا ایسی تنہائی ہو جس سے پورا مہر واجب نہیں ہوتا، بہر حال عدت گزارنا واجب ہے اور اگر ابھی بالکل کسی قسم کی تنہائی نہیں ہونے پائی تھی نکاح کے بعد کسی خالی کمرہ میں اکٹھے بالکل نہیں رہے کہ طلاق ہوگئی تو ایسی عورت پر عدت نہیں۔

قوله تعالى: ﴿وإن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها﴾ (الأحزاب:٤٩)

موطوءَ ۃ بالشبہ کی عدت

کسی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر غلطی سے صحبت کرلی، پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کی بیوی نہیں تھی تو اس عورت پر بھی عدت لازم ہوگی، جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک اپنے شوہر کو بھی صحبت نہ کرنے دے، ورنہ دونوں پر گناہ ہوگا۔ اس کی عدت بھی وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی، اگر اسی دن حمل ہوگیا تو بچہ ہونے تک انتظار کرے اور عدت گزارے، یہ بچہ ناجائز نہیں، اس کا نسب ٹھیک ہے، جس نے غلطی سے صحبت کی ہو اسی کا بچہ ہے۔ نسب اسی سے ثابت ہوگا۔

نکاحِ فاسد کی عدت

کسی نے نکاحِ فاسد کیا مثلاً: کسی عورت سے نکاح کیا، پھر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ابھی زندہ ہے اور اس نے طلاق نہیں دی یا معلوم ہوا کہ اس مرد و عورت نے بچپن میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد نے اس سے صحبت کرلی، پھر صورتِ حال معلوم ہونے کے بعد جدائی ہوگئی تو بھی عدت گزارنا ہوگی۔ جس وقت مرد نے توبہ کرکے جدائی اختیار کی اسی وقت سے عدت شروع ہوگئی اور اگر ابھی صحبت نہیں ہوئی تھی تو عدت واجب نہیں بلکہ ایسی عورت سے اگر تنہائی بھی ہوچکی ہو تب بھی عدت واجب نہیں، عدت اسی وقت واجب ہوتی جب صحبت ہوچکی ہو۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى: والمنكوحة نكاحا فاسدا والمؤطؤة بشبهة عدتهما الحيض في الفرقة والموت لأنها للتعرف عن برأة الرحم لالقضاء حق النكاح والحيض هو المعرف. (شرح البداية: ۴۲۹/۲ باب العدة)

دورانِ عدت وطی سے استیناف عدت

کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی، یا تین طلاقیں دیں، پھر عدت کے اندر غلطی سے اس سے صحبت کرلی تو اس صحبت کی وجہ سے ایک اور عدت واجب ہوگئی، اب دونوں جدائی اختیار کرکے اس جدائی کے دن سے تین حیض اور پورے کرے جب تین حیض گزر جائیں گے تو دونوں عدتیں ختم ہوجائیں گی۔

إذا وطئت المعتدة بشبهة فعليها عدة أخرىٰ وتداخلت العدتان ويكون ما تراه من الحيض محتسبا منهما جميعا وإذا انقضت العدة

الأولیٰ ولم تکمل الثانية فعليهما إتمام العدة الثانية.

(هدايه شرح البداية: ٢/ ٤٣٠)

مغلظہ ثلاثہ سے وطی کا حکم

اوپر مذکور ہوا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اس سے غلطی سے صحبت ہوجائے تو استیناف عدت واجب ہے، لیکن اگر کسی نے عدت میں صحبت کرنے کو حرام جانتے ہوئے قصداً صحبت کی تو یہ زنا کے حکم میں ہونے کی وجہ سے اس سے نئی عدت واجب نہ ہوگی، بلکہ طلاق کے بعد جو عدت شروع ہوئی ہے اسی کو مکمل کرے۔ باقی شرائط مکمل ہونے کی صورت میں دونوں سنگسار کیا جائے گا۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: ولو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالما بحرمتها لاتجب عدة أخرى لأنه زنا وفي البزازية طلقها ثلاثا ووطئها في العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف العدة بثلاث حيض ويرجمان إذا علما بالحرمة ووجد شرائط الإحسان ولو كان منكرا طلاقها لاتنقضي العدة ولو ادعى الشبهة تستقبل الخ. (ردالمحتار باب العدة:٣)

عدت کے دوران گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں

جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہے اس کی عدت تو صرف یہی ہے کہ اتنی مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ اس کے لیے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس کو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاقِ بائن ملی یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا شوہر فوت ہوگیا، ان صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے، نہ دوسرا نکاح کرے، نہ بناؤ سنگھار کرے، یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے کو "سوگ" (عدت گزارنا) کہتے ہیں۔ (بہشتی زیور)

إن كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقلة مسلمة والحالة حالة الاختيار فإنها لا تخرج ليلا ولا نهارا سواء كان الطلاق ثلاثا أو بائنا أو رجعيا كذا في البدائع.

(عالمگيريه: ١/ ٥٣٤ الباب العاشر في الحداد)

حاملہ عورت کی عدت

حاملہ عورت کو طلاق ہوئی یا اس کے شوہر کا انتقال ہوا تو دونوں صورتوں میں اس کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کی ولادت ہے، اگر چہ طلاق یا شوہر کی موت کے تھوڑی دیر بعد ہی ولادت ہو جائے تو عدت پوری ہو جائے گی۔

ولیس للمعتدة بالحمل مدة سواء ولدت بعد الطلاق أو الموت بیوم أو أقل كذا في الجوهرة النيرة. (عالمگیریہ: ۵۳۹ باب العدة)

قال الله تعالىٰ: ﴿ وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن ﴾ (البقرة)

یعنی حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

پیٹ میں بچہ مر گیا تو حکمِ عدت

مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا کے پیٹ میں اگر بچہ مر گیا اور دوا یا آپریشن کے ذریعہ رحم کی صفائی کرائی تو عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر حمل چار ماہ یا اس سے زائد مدت کا تھا تو مذکورہ طریق سے اسقاط سے عدت ختم ہو گئی، ورنہ اس کے بعد تین حیض گزرنے پر عدت ختم ہوگی۔

قال ابن عابدين رحمه الله: (قوله وضع حملها) أي بلا تقدير مدة سواء ولدت بعد الطلاق الموت بيوم أو أقل جوهرة والمراد به حمل الذي استبان بعض خلقه أو كله فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة إلخ. (ردالمحتار باب العدة: ۳)

عدت ختم کرنے کے لیے اسقاطِ حمل

حمل پر چار ماہ گذرنے کے بعد اس کا اسقاط ہرگز جائز نہیں قتل نفس کے حکم میں سخت گناہ ہے۔ اس کے قبل جواز میں اختلاف ہے راجح قول کے مطابق سخت مجبوری کے بغیر جائز نہیں۔ اگر عدت والی عورت نے حمل ساقط کروایا تو حکم یہ ہے کہ اگر حمل چار ماہ یا اس سے زائد مدت کا تھا تو اسقاط حمل سے عدت پوری ہو گئی، ورنہ اسقاط کے بعد تین حیض گزرنے سے عدت پوری ہوگی۔

وفي حيض العلائية وسقط مثلث السين أي مسقوط ظهر بعض خلقه كيد أو رجل أو أصبع أو ظفر أو شعر ولا يتبين خلقه إلا بعد مائة

وعشرين يوما (إلى قوله) وتنقضي به العدة فإن لم يظهر له شيئ فليس شيئ إلخ. (ردالمحتار باب الحيض)

معتدہ کرایہ مکان پر قادر نہ ہو

جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے لیے ضروری ہے کہ شوہر کے مکان میں عدت گزارے لیکن اگر کوئی ایسی مشکل پیش آ جائے کہ اس مکان میں عدت گزارنا مشکل ہو مثلاً وہ مکان کرایہ کا تھا معتدہ کے پاس کرایہ کا انتظام نہیں، یا اس کو اپنی جان و مال کے بارے میں خطرہ لاحق ہو ایسی صورت میں مناسب جگہ منتقل ہو کر عدت کے ایام پورے کر سکتی ہے۔

قال في التنوير: وتعتدان في بيت وجبت فيه إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف تلف مالها أو لا تجد كراء البيت وفي العلائية فتخرج لأقرب موضع إليه. (ردالمحتار باب العدة :۳)

معتدہ شوہر کے منہ دیکھنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی

معتدہ کو گھر سے باہر کوئی ایسی ضرورت پیش آ جائے کہ گھر سے نکلے بغیر وہ ضرورت پوری نہیں ہوسکتی اور نہ نکلنے کی وجہ سے اس کی ذات یا مال کا کوئی نقصان ہوگا مثلاً کسی جگہ ملازمت کرتی ہے اس کا گزارہ اسی ملازمت پر ہے، یا اس کے مال کی حفاظت کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو، تو بوقت ضرورت بقدر ضرورت گھر سے نکل سکتی ہے۔ رات کا اکثر حصہ گھر میں گزارنا ضروری ہے، ضرورت کے سوا دن میں بھی نہیں نکل سکتی، لہٰذا شوہر کا کسی دوسری جگہ انتقال ہو جائے اس کے کفن ودفن کا انتظام دوسری جگہ ہو رہا ہو تو اس کے منہ دیکھنے کے لیے گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ اسی طرح عدت کے دوران کسی عزیز وقریب کا انتقال ہو جائے اس کے لیے بھی گھر سے نہیں نکل سکتی، اگر ممکن ہو تو یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ شوہر کی میت کو بیوی کی رہائشی جگہ لا کر اس کو دکھا دیا جائے۔

قال في شرح التنوير: ومعتدة الموت تخرج في الجديدين وتثبت أكثر الليل في منزلها لأن نفقتها عليها فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج. (فتح)

وجوز في القنية خروجها لإصلاح ما لا بدمنها كزراعة ولا وكيل لها والتفصيل في الشامية. (ردالمحتار: باب العدة :۳)

معتدہ کا علاج کے لیے نکلنا

عدت کے دوران بیماری لاحق ہوجائے تو کوشش کی جائے کہ ڈاکٹر کو گھر میں بلالیا جائے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو اور مرض بھی شدید ہو تو ایسی مجبوری میں ڈاکٹر کے پاس جانا جائز ہے، اگر مرض کی نوعیت ایسی ہو کہ ہسپتال میں رہے بغیر علاج ممکن نہیں تو اس ضرورت سے وہاں رہ کر علاج کروانے کی بھی گنجائش ہوگی۔ جب علاج مکمل ہوجائے فوراً گھر منتقل ہوجائے اور بقیہ عدت گھر ہی میں پوری کرے۔

وفي الشرح التنوير :قال وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان إلا أن تخرج أو ينتهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الفورات إلخ... (ردالمحتار باب العدة: ۳)

عدت میں سفر جائز نہیں

عدت کے دوران اگر سفر پر جانے کی ضرورت پیش آجائے مثلاً کسی دوسرے ملک جانے کا ویزہ لگ گیا کچھ بچے یہاں کچھ مثلاً لندن میں ہیں، عدت وہاں گذارنا چاہتی ہے، یا کسی دوسرے شہر میں کسی عزیز کا انتقال ہوگیا یا کسی اور وجہ سے سفر درپیش ہے بہرحال معتدہ کے لیے دوران عدت سفر پر جانا جائز نہیں گناہ ہے، بچنا لازم ہے۔ جہاں عدت واجب ہوئی وہیں پوری کردے اس کے بعد جاسکتی ہے۔ (حوالہ بالا)

سفر میں وجوبِ عدت

اگر میاں بیوی دونوں سفر پر ہوں یعنی اپنی رہائش سے دور کہیں مدت سفر (۷۸) کلومیٹر) یا اس سے دور گئے وہاں اتفاق سے شوہر کا انتقال ہوگیا تو وہیں پر ہی عدت پوری کرے، عدت پوری کر کے واپس گھر آئے، اسی طرح اگر دوران سفر شوہر کو موت کا حادثہ لاحق ہوجائے تو دیکھا جائے گا اگر شوہر کا گھر جائے اقامت سے مسافت سفر سے کم مدت پر ہو تو بیوی وہاں آ کر عدت گزارے، اگر مسافت سفر سے زیادہ ہو تو جائے اقامت ہی میں عدت پوری کرے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: أبانها أو مات عنها في سفر ولو في مصر وليس بينها وبين مصرها مدة سفر رجعت ولو بين

مصرها مدته (إلى قوله) تعتد ثم إن لم تجد محرما اتفاقا، وكذا إن وجدت عند الإمام رحمه الله تعالى.

(ردالمحتار باب العدة: ۳)

موت کی عدت چار ماہ دس دن

کسی کا شوہر مر گیا تو وہ چار مہینے اور دس دن تک عدت گزارے، شوہر کے مرتے وقت جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں رہنا چاہیے، باہر نکلنا درست نہیں، البتہ اگر کوئی غریب عورت ہے جس کے پاس گزارے کے جتنا بھی خرچ نہیں اس نے کھانا پکانے وغیرہ کی نوکری کر لی تو اس کے لیے گھر سے باہر نکلنا درست ہے، لیکن رات کو اپنے گھر ہی میں رہا کرے، چاہے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اور چاہے کسی قسم کی تنہائی ہوئی یا نہ اور چاہے حیض آتا ہو یا نہ، سب کا ایک ہی حکم ہے کہ چار مہینے دس دن عدت گزارنا چاہیے البتہ اگر وہ عورت حاملہ تھی، اس حالت میں شوہر کی وفات ہوئی تو بچہ پیدا ہونے تک عدت گزارے، اب مہینوں کا اعتبار نہیں، اگر شوہر کے مرنے سے کچھ ہی دیر بعد بچہ پیدا ہو گیا تو بھی عدت ختم ہو گئی۔

لقوله تعالى: ﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرا﴾ (بقرة: ۲۳٤)

معتدہ کے لیے بناؤ سنگھار ممنوع ہے

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا، زیور پہننا، پھول پہننا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، منجن لگانا، سر میں تیل ڈالنا کنگھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، ریشمی اور رنگے ہوئے بھڑکیلے کپڑے پہننا، یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں البتہ اگر بھڑکیلے نہ ہوں تو درست ہے، چاہے جیسا رنگ ہو، مطلب یہ ہے کہ زیب و زینت کا کپڑا نہ ہو۔

سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو جس تیل میں خوشبو نہ ہو وہ ڈالنا درست ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت بطورِ دوا سرمہ لگانا بھی درست ہے، لیکن رات کو لگا کر دن کو صاف کر لے۔ سر دھونا اور نہانا بھی درست ہے، ضرورت کے وقت کنگھی کرنا بھی درست ہے، لیکن باریک کنگھی سے کنگھی نہ کرے جس میں بال چکنے ہو جاتے ہیں بلکہ موٹے دندانے والی کنگھی کرے تاکہ خوبصورتی نہ آنے پائے۔

على المتوفىٰ عنها زوجها إذا كانت بالغة الحداد في عدتها كذا في الكافي، والحداد الاجتناب عن الطيب، والدهن، والكحل، والحناء، والخضاب، ولبس المطيب والمعصفر والثوب الأحمر إلى قوله ولبس الحلي والتزين والامتشاط كذا في التتاخانية إلى قوله وإنما يلزمها الاجتناب في حالة الاختيار وأما في حالة الاضطرار فلاباس بها إن اشتكت رأسها أو عينها فصبت عليها الدهن أو اكتحلت لأجل المعالجة فلا بأس به ولكن لا تقصد به الزينة كذا في المحيط.

(عالمگيريه: ۵۳۳/۱ الباب الرابع عشر في الحداد)

لاعلمی میں عدت گزر جائے تو دوسری عدت لازم نہیں

کسی کا شوہر مرگیا مگر اس کو خبر نہیں ملی، چار مہینے دس دن گزر جانے کے بعد خبر آئی تو اس کی عدت پوری ہوچکی، جب سے خبر ملی ہے تب سے عدت گزارنا ضروری نہیں، اسی طرح اگر شوہر نے طلاق دے دی، مگر عورت کو پتہ نہیں چلا، کچھ دنوں کے بعد خبر ملی اور جتنی عدت اس کے ذمہ تھی وہ خبر ملنے سے پہلے ہی گزر چکی تھی تو اس کی بھی عدت پوری ہوگئی، خبر ملنے کے بعد دوبارہ عدت گزارنا واجب نہیں۔

وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة فإن لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتى مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها.

(شرح البداية: ۴۰۵/۲، وشرح التنوير:۳)

نومسلمہ کی عدت کا حکم

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہوجائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہوسکتا ہے، اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ٹوٹے گا، اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں رہے، لہٰذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہیں، پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہیں کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں، اور اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبین کے نزدیک دوسری عدت لازم ہے، جبکہ امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں۔

قال في العالمگيرية: وإذا أسلم أحد الزوجين في دارالحرب ولم يكونا من أهل الكتاب أو كان والمرأة هي التي أسلمت فإنه يتوقف انقطاع النكاح بينهما على مضي ثلاث حيض سواء دخل بها أو لم يدخل بها كذا في الكافي(إلى أن قال) وهذه الحيض لا تكون عدة لهذا يستوى فيها المدخول بها وغير المدخول بها ثم إذا وقعت الفرقة قبل الدخول بذلك فلا عدة عليها وإن كان بعد الدخول والمرأة حربية فكذلك وإن كانت هي المسلمة فكذلك الجواب عند أبي حنيفة ١هـ.

عنین کی مطلقہ بیوی کی عدت

عنین شخص نے اگر اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ تنہائی میں رات گزاری چاہے ایک رات گزاری یا کئی راتیں، اس کے بعد طلاق دیدی تو اس عورت پر عدت گزارنا لازم ہے، اگرچہ ہمبستری نہ ہوئی ہو۔

قال في الدرالمختار: والخلوة بلا مانع حسي وطبعي وشرعي كالوطي ولو كان الزوج مجبوبا أو عنينا أو خصيا أو خنثى إن ظهر حاله في ثبوت النسب وتأكد المهر والنفقة والسكنى والعدة.(ردالمحتار باب العدة:٣)

شوہر سے ناراض ہوکر دو سال میکے میں رہی

ایک خاتون شوہر سے ناراض ہوکر میکے چلی گئی دو سال تک باپ کے گھر رہی شوہر کے پاس نہیں آئی اس کے بعد طلاق واقع ہوئی، تو اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر کے پاس رہتے ہوئے اگر ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ ہوگئی تھی تو طلاق ہوجانے کی صورت میں طلاق کے بعد عدت پوری کرنا لازم ہے، عدت کے دوران گھر سے نکلنا دوسری جگہ شادی کرنا یا نکاح کا پیغام قبول کرنا جائز نہیں۔

(وسبب جوبها) عقد(النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه) من موت، أو خلوة أي صحيحة.

(الدرالمختار على هامش ردالمحتار :٣/ ٥٠٤ طبع سعيد)

خلوتِ فاسدہ میں عدت واجب ہے

اگر کسی نے خلوت فاسدہ کے بعد طلاق دیدی تو بیوی پر عدت واجب ہے۔

كما في عدة العلائية إن وطئت ولو حكما كالخلوة ولو فاسدة.

(ردالمحتار: ۶۵۴/۲)

وفي المهر منها وتجب العدة في الكل أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة، وفي الشامية هذا في النكاح الصحيح أما النكاح الفاسد لا تجب العدة في الخلوة فيه بل بحقيقة الدخول. (فتح)

(ردالمحتار: ۳۷۳/۲)

عدت میں پان کھانا

عدت کے دوران عورت کے لیے پان کھانے کی تفصیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں پان کھانا جائز ہے، طلاق بائن اور موت کی عدت میں جائز نہیں، بوقتِ ضرورت بغیر کتھ والا بچی ولونگ کھا سکتی ہے۔

(ماخوذ از احسن الفتاوی: ۴۴۶/۵)

مطلقہ بائنہ کا شوہر کے ساتھ عدت گزارنے کا طریقہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیتا ہے یا طلاق بائن دیتا ہے ایسی صورت میں شرعاً لازم ہے کہ شوہر کے ساتھ عورت اسی مکان میں عدت گزارے مگر میاں بیوی کے درمیان کوئی حائل یعنی پردہ وغیرہ کرنا ضروری ہے، تاکہ خلوت میں دونوں کا اجتماع نہ ہو، اگر ایک مکان میں رہنے سے گناہ میں ابتلاء کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسی عورت ساتھ رہے جو دونوں کو الگ رکھنے پر قادر ہو اگر ایسا نہ ہو سکے تو شوہر پر واجب ہے کہ عدت ختم ہونے تک اُس مکان کو چھوڑ دے، کسی دوسرے مکان میں رہے اگر اس کو اس پر مجبور نہ کیا جا سکتا ہو تو بیوی یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں عدت گزارے۔

قال في شرح التنوير: ولا بد من سترة بينهما في البائن لئلا يختلي بالأجنبية ومفاده إن الحائل يمنع الخلوة المحرمة وإن ضاق المنزل عليهما أو كان الزوج فاسقا فخروجه أولىٰ لأن مكثها واجب لأمكثه

ومفاده وجوب الحكم به ذكره الكمال وحسن أن يجعل القاضي بينهما امرأة ثقة ترزق من بيت المال بحر عن تلخيص الجامع قادرة على الحيلولة بينهما وفي المجتبىٰ الأفضل الحيلولة بستر ولو فاسقا فبامرأة ، وفي الشامية (قوله ومفاده) أي مفاد التعليل بوجوب مكثها وجوب الحكم به أي بخروجه عنها وقولهم وخروجه أولىٰ لعل المراد أنه أرجح كما يقال إذا تعارض محرم ومبيح فالمحرم أولىٰ أو أرجح فإنه يراد الوجوب فتح. (قوله وفي المجتبىٰ إلخ) حيث قال والأفضل أن يحال بينهما في البيتوتة بستر إلا أن يكون فاسقا فيحال بامرأة ثقة وإن تعذر فلتخرج هي وخروجه أولىٰ ١ هـ (ملخصا وفيه مخالفة لما مرفإن السترة لابد منها كما عبر المصنف تبعا للهداية وهو الظاهر لحرمة الخلوة بالأجنبية.

(ردالمحتار:۳/۶۷۵)

شوہر مرزائی۔عیسائی یا کوئی اور مذہب اختیار کر کے مرتد ہو جائے

شریعتِ اسلام میں ہر اس جدائی پر عدت واجب ہے جو میاں بیوی کے درمیان نکاح کے رشتہ کو ختم کر دے لہٰذا شوہر دین اسلام کو چھوڑ کر جو مذہب بھی اختیار کرے وہ مرتد ہے اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا، اور عورت پر عدت واجب ہوگی۔

وفي الهندية قال: وإن أخبرت المرأة إن زوجها فقد ارتد لها أن تتزوج باٰخر بعد انقضاء العدة في رواية الاستحسان وفي رواية السير ليس لها أن تتزوج قال شمس الأئمة سرخسي الأصح رواية الاستحسان.

(الفتاوىٰ العالمگيريه:۱/۳۴۰ الباب النكاح الكافر)

میکہ میں طلاق ہوگئی تو عدت کہاں گزارے؟

زینب اپنے خاوند سے جھگڑ کر اپنے والد کے مکان پر چلی گئی، عرصہ ڈیڑھ سال تک جھگڑا ختم نہ ہوسکا بالآخر طلاق ہوگئی، ایسی صورت میں عدت کہاں گزارے؟ اور نفقہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، قاعدہ یہ ہے کہ بوقتِ موت یا طلاق جس مکان میں بیوی کی مستقل سکونت ہو اسی میں عدت گزارنا واجب ہے، اگر میکہ وغیرہ میں کہیں ملنے گئی اور اس حال میں عدت واجب ہوگئی، تو وہاں سے واپس آ کر اپنے مکان میں عدت گزارے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات درست ہونے پر شوہر کے پاس آنے کا ارادہ تھا تو عدت شوہر کے مکان میں گذارے۔ اور اگر اس کا شوہر کے پاس نہ جانے کا قطعی فیصلہ تھا تو میکہ ہی میں عدت گزارے، تو اس صورت میں عدت طلاق کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں۔ اس لیے کہ بیوی نے طلاق سے پہلے نشوز کر کے خود ہی نفقہ ساقط کر دیا ہے، اور طلاق کے بعد اس نشوز کو مرتفع کرنا ممکن نہیں، اس لیے شوہر کے مکان کی طرف انتقال جائز نہیں۔

(احسن الفتاوی: ٥/٤٤٩)

عدت کے دوران ووٹ ڈالنے جانا

عدت کے دوان ووٹ ڈالنے کے لیے عورت گھر سے باہر پولنگ اسٹیشن جانا چاہے تو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی چاہے عدت طلاق ہو یا وفات کیونکہ ووٹ ڈالنا کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کی وجہ سے عورت کو نکلنے کی اجازت دی جاسکے۔

ومعتدة الموت تخرج يوما وبعض الليل والحاصل أن مدار الحل كون خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدر فمتى انقضت حاجتها لايحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج البيت.

(البحر الرائق :٢٥٩ باب العدة فصل الأحدادمطبوعه رشيديه)

دورانِ عدت شادی میں شرکت

عدت کے دوران کسی عزیز وقریب کی شادی میں شرکت کے لیے گھر سے نکل کر کسی دوسرے شہر جانا، یا اسی شہر میں شادی ہال وغیرہ میں جانا نہیں، بلکہ جس مکان میں عدت گزار رہی ہے اس سے نکل کر برابر والے کسی مکان میں جانا بھی جائز نہیں، چاہے عدت وفات ہو یا عدت طلاق کیونکہ شادی میں شرکت کوئی ایسی ضرورت نہیں جسکی خاطر عدت کے مکان سے نکلنے کی گنجائش ہو سکے۔

ولاتخرج معتدة رجعي وبائن بأي فرقة كانت لو حرة مكلفة من بيتها

أصلا ولو بإذنه لأنه حق الله تعالیٰ.

(الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۳/۵۳۵ باب العدة)

عدت سے نکلنے کا طریقہ

شرعاً عدت سے نکلنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں بلکہ عدت کے دوران جو باتیں ممنوع ہیں، عدت کے ایام پورے ہونے پر وہ جائز ہو جائیں گی، مثلاً زیب و زینت اختیار کرنا یا نکاح کا پیغام قبول کرنا وغیرہ عدت ختم ہوتے ہی جائز ہو جائے گا، اسی دن کسی دوسرے گھر میں جا کر عزیز و قریب سے ملاقات کرنا بھی جائز ہو جائے گا، پس عدت ختم ہونے کا مطلب یہی ہے اس کے علاوہ کسی اور رسم کو پورا کرنا شریعت سے ثابت نہیں اس لیے جائز نہیں۔

من أحدث في أمرنا هذا مالیس منه فهو رد.

(مشکوٰۃ ۲/۲۷ باب الاعتصام)

مریض کی طلاق کی عدت

کسی نے اپنی بیماری میں طلاقِ بائن دے دی اور طلاق کی عدت ابھی پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ مر گیا تو دیکھا جائے کہ طلاق کی عدت گزارنے میں زیادہ دن لگیں گے یا موت کی عدت پوری کرنے میں؟ جس عدت میں زیادہ دن لگیں گے وہ عدت پوری کرے اور اگر بیماری میں طلاقِ رجعی دی ہے اور ابھی طلاق کی عدت نہیں گزری تھی کہ شوہر مر گیا تو اس عورت پر وفات کی عدت لازم ہے۔

وفي حق امرأة الفار من الطلاق البائن إن مات وهي في العدة أبعد الأجلين من عدة الوفاة وعدة الطلاق وقيد بالبائن لأن للمطلقة الرجعية ما للموت إجماعا. (الدرالمختار ۳)

خلع کی عدت

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے، اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے، حاملہ ہو تو وضع حمل۔

مالك عن نافع أن ربيعة بنت معوذ بن عفراء جاءت هي عمتها إلى عبدالله بن عمر فأخبرته أنها اختلعت من زوجها في زمن عثمان فبلغ

ذلك عثمان بن عفان فلم ينكره قال عبدالله بن عمر عدتها عدة المطلقة. مالك أنه بلغه أن سعيد بن المسيب وسلمان بن يسار وابن شهاب كانوا يقولون عدة المختلعة مثل عدة المطلقة ثلاثة قروء.
(مؤطاء إمام مالك: ٢١٥)

عدت میں حج وعمرہ کا سفر جائز نہیں

جو عورت عدت میں ہو چاہے عدت طلاق ہو یا عدت وفات جب تک عدت کے ایام پورے نہ ہو جائیں حج یا عمرہ کا سفر اختیار کرنا جائز نہیں، اگر چہ قرعہ اندازی میں نام نکل چکا ہو یا ٹکٹ کنفرم ہو چکا ہو تب بھی لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک سفر ملتوی کر دے۔

وعلى المعتدة إن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت لقوله تعالى: ولا تخرجوهن من بيوتهن والبيت المضاف إليها هو البيت الذي تسكنه إلي قوله وقال عليه السلام "للتي قتل زوجها" أسكني في بيتك حتى يبلغ الكتب أجله. (هدايه شرح البدايه: ٢/٤٣٤ باب العدة)

حج کے ایام میں عدت لازم ہونے کا حکم

اس سلسلہ میں دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی کا ایک مفصل ومدلل فتویٰ پیش خدمت ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام درج ذیل مسائل کے بارے میں:

۱۔ایک عورت زبیدہ بی بی اپنے محرم خورشید کے ساتھ پاکستان سے حج کرنے گئی، دورانِ حج یا قبل الحج زبیدہ بی بی کا خاوند سلیمان فوت ہو گیا، اب عورت پر عدت بھی فرض ہے اور حج بھی، اب قابل استفتا درج ذیل ہیں:

۱۔عورت فریضہ حج چھوڑ کر پاکستان آ کر عدت گزارے؟

۲۔وہیں سعودی عرب ہی میں فریضہ حج چھوڑ کر عدت پوری کرے؟

۳۔اپنا حج ادا کرنے کے بعد پاکستان آ کر عدت گزارے؟

۴۔اپنا حج ادا کرنے کے بعد وہیں عدت گزارے؟

اور یہ بات بھی کہ ان تمام صورتوں میں نفلی حج، فرض حج اور عمرہ میں احکام کے اعتبار سے

کچھ فرق ہے یا تمام کے احکام ایک جیسے ہیں؟
براہ کرم تفصیلی جواب تحریر فرمائیں!

الجواب حامدا ومصلیا ومسلما

ا تا ۴: سوال میں حجِ فرض، حج نفل اور عمرہ تینوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ ذیل میں معتدہ عورت کے حج میں ان تینوں کے احکام الگ الگ لکھے جاتے ہیں۔ واللہ عز وجل ہو الموفق للصواب۔

فرض حج میں عدت واجب ہونے کا حکم

(ا) حجِ فرض: اگر زبیدہ بی بی حج فرض ادا کرنے کے لیے سعودیہ گئی تھیں کہ اسی دوران ان کے شوہر وفات پا گئے تو اصل حکم یہ ہے کہ ایسی حالت میں وہ حج نہ کریں اسے ترک کر دیں اور گھر میں رہ کر ایامِ عدت گذاریں اور پھر آیندہ سال حج ادا کریں۔

فقہاءِ متقدمین کی اس سلسلہ کی عبارت اور نصوص سے یہی حکم مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

لیکن پچھلے زمانے میں حج کا معاملہ کچھ اور تھا اور موجودہ زمانے میں اس کا مسئلہ کچھ اور بن گیا۔ اس وقت حج کے سلسلہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں:

اول تو اس کے لیے زرِ کثیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو کئی مرتبہ اس کا بندوبست کر سکیں، بلکہ ایک مرتبہ کے لیے اتنی کثیر رقم مہیا کرنا ہی کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔

دوسرے مذکورہ خرچہ سے قطعِ نظر اب حج کرنا کسی کے اپنے اختیار میں نہیں رہا اس کے لیے کم از کم دو ملکوں سے حکومتی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے: ایک تو سعودی حکومت کی، دوسرے حاجی جس ملک سے جا رہا ہے اس کی حکومت کی۔ اور یہ اجازت ملنا اب کوئی آسان بات نہیں ہے بلکہ انتہائی دشوار گزار بن چکا ہے اور اب تو ایسا قانون بن چکا ہے جس کی رو سے آدمی ایک مرتبہ حج کے لیے جانے کے بعد پھر کئی سال تک دوبارہ اس کے لیے نہیں جا سکتا۔

تیسرے سعودیہ میں قیام کرنا بھی ایک مسئلہ ہے، جس میں کسی کی اپنی مرضی چل نہیں سکتی، اسی طرح فلائٹ کی بھی مشکلات ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اور بھی مسائل پیش آتے ہیں بالخصوص عورتوں کے حق میں، مثلاً ان کو ہر وقت محرم ملنا بہت مشکل ہے۔

حاجیوں کو پیش آنے والی مذکورہ بالا مشکلات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے دردوسری طرف فقہ اسلامی نے حاجت وضرورت کے پیش نظر جو قواعد وضوابط مقرر کیے ہیں ان کو مدنظر رکھا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ:

صورت مسؤلہ میں زبیدہ بی بی حج فرض ادا کریں البتہ وہ باہر نکلنے میں پوری احتیاط سے کام لیں کہ صرف فرض وواجب افعالِ حج ادا کرنے کے لیے ہی گھر سے نکلیں باقی اور اوقات گھر میں گذاریں اور ضرورتِ شدیدہ کے بغیر باہر نہ نکلیں۔

مذکورہ بالا مشکلات کے پیش نظر عمدۃ المناسک شرح زبدۃ المناسک کے مصنف حضرت مولانا شیر محمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان بھی اس گنجائش کی طرف معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح مجمع الفقہ الاسلامی ہند (جس کی سرپرستی حضرت مولانا قاضی مجاہد اسلام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے،اس کے) بہت سے ارکان نے اسی کے مطابق اپنا اظہارِ خیال فرمایا ہے، نیز صاحب فتاویٰ رحیمیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ گنجائش صرف اس عورت کے حق میں ہوگی جسے تفصیلِ بالا کے مطابق واقعی حاجت اور ضرورت پیش آئے،ورنہ مسئلہ مذکورہ کا حکم اپنے اصل پر باقی رہے گا۔

رہی یہ بات کہ زبیدہ بی بی عدت کے ایام کہاں گذارے گی،تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ پورے امن وامان اور عفت پر تحفظ کے ساتھ سعودیہ رہ سکتی ہوں اور وہاں اس کی تمام ضروریاتِ زندگی پوری ہوسکتی ہوں، نیز حکومتی کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو اور نہ فلائٹ کا کوئی مسئلہ ہو تو اس صورت میں وہ عدت کے باقی ایام سعودیہ میں ہی گذاریں اور ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلیں۔اور اگر یہ سہولتیں اسے میسر نہ ہوں تو وہ اپنے ملک آکر اس مکان میں عدت کے باقی ایام گذاریں جہاں وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عدتِ وفات شوہر کی وفات کے متصل بعد شروع ہوجاتی ہے خواہ عورت اس وقت کہیں بھی ہو۔

حج نفل میں عدت واجب ہونے کا حکم

اگر زبیدہ بی بی حج نفل ادا کرنے گئی تھیں اور انہوں نے حج کا احرام بھی باندھ لیا تھا جس سے ان پر حج واجب ہوگیا تو اس کا حکم وہی ہے جو حج فرض کے ضمن میں گذر چکا۔اور اگر ابھی احرام نہیں باندھا تھا نہ ان پر حج کی ادائیگی واجب ہوئی تھی کہ وہ معتدہ ہوگئی تو ایسی صورت میں

حج نہ کریں۔ ورنہ ایک نفل کے لیے واجب کو ترک کرنا لازم آئے گا۔ جبکہ اس صورت میں انہیں وہ ضرورت بھی درپیش نہیں ہے جو حج فرض کی صورت میں تھی۔ کیونکہ اس صورت میں ان کو دوبارہ حج کے لیے جانا ضروری نہیں۔

اور ایام عدت گذارنے کا مسئلہ وہی ہے جو اوپر گزر چکا کہ اگر سعودیہ میں رہنے کی سہولت موجود ہو تو وہیں باقی ایام عدت گزاریں۔ ورنہ اپنے ملک واپس آجائیں، اور اگر فلائٹ کی وجہ سے واپسی میں چند دن تاخیر کرنا پڑے تو تاخیر کرلیں۔

عمرہ کے سفر میں عدت واجب ہونے کا حکم

(ج) عمرہ: اگر کوئی خاتون عمرہ کے لیے سعودیہ گئی کہ اس کے شوہر کی وفات ہوگئی تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے لیے سعودیہ میں عدت گزارنے کی سہولت موجود ہو جس کی تفصیل گزر چکی ہے تو وہیں اولا ایام عدت گزارے پھر عمرہ ادا کرے۔

اور اگر ایام عدت وہاں گزارنا ممکن نہ ہو مگر اس نے عمرہ کا احرام باندھ لیا ہے جس سے اس پر عمرہ واجب ہوگیا ہے تو اس کی گنجائش ہے کہ وہ عمرہ ادا کرے اور پھر اپنے ملک واپس آجائے جیسا کہ حج فرض کے ضمن میں گزر چکا۔ اور اگر عمرہ کا احرام نہیں باندھا اور اس پر عمرہ واجب نہیں ہوا تو عمرہ کو ترک کردے اور نفل کی وجہ سے ترک واجب کا ارتکاب نہ کرے۔

في الهداية (٢/٤٢٨):

" ولا يجوز للمطلقة.. الخروج من بيتها والمتوفى عنها زوجها تخريج نهارا وبعض الليل، ولا تبيت في غير منزلها أما المطلقة فلقوله تعالىٰ: ولا تخرجوهن من بيوتهن ولايخرجن... وأما المتوفىٰ عنها زوجها فلأنها لا نفقة لها، فيتحتاج إلى الخروج.. ولى المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت...

وإذا خرجت المرأة مع زوجها إلى مكة... أو غيرها فطلقها ثلاثا أو مات عنها في غير مصر، فإن كان بينها وبين مصرها أقل من ثلاثة أيام: رجعت إلى مصرها... وإن كانت مسيرة ثلاثه أيام: إن شائت رجعت، وإن شاءت مضت إذا كان إلى المقصد ثلاثة أيام أيضا...

إلا أن يكون طلقها أو مات عنها زوجها في مصر، فإنها لا تخرج حتى تعتد... عند أبي حنيفة.

وفي البدائع(٢/١٢٤):

فصل: وأما شرائط فرضية الحج... وأما الذي يخص النساء فشرطان: والثاني أن لا تكون معتدة ... لأن الله تعالىٰ نهى المعتدات عن الخروج... ولأن الحج يمكن أداءه في وقت آخر، فالمعتدة، فإنها إنما يجب قضاءها في هذا الوقت خاصة وإن لزمتها بعد الخروج إلى السفر وهي مسافر، فإن كانت معتدة عن وفات، فإن كان إلى منزلها أقل من مدة سفر وإلى مكة مدة سفر، فإنها تعود إلى منزلها... وإن كان إلى مكة أقل من مدة السفر وإلى منزلها مدة سفر، مضت إلى مكة وإن كان من الجانبين أقل من مدة سفر فهي بالخيار... فإن كان من الجانبين أقل من مدة سفر، فإن كانت في المصر فليس لها أن تخرج حتى تنقضي عدتها في قول ابي حنيفة، وإن كان ذلك في المفازة أو بعض القرى بحيث لا تأمن على نفسها ومالها فلها أن تمضي فتدخل موضع الأمن.

وفيه أيضا:

وقد قالوا فيمن خرجت محرمة فطلقها الزوج أنها ترجع وتصير بمنزلة المحصر، لأنها صارت ممنوعة من المضي في حجها.

وفي الفتح (٢/٣٣):

وكما يشترط في المرأة المحرم، كذا يشترط عدم العدة... وعن ابن مسعود رضي الله عنه أنه ردالمعتدات من النجف، فإن لزمتها العدة في السفر...

وفيه أيضا(٤/١٦٦،١٦٨):

وقوله: لأن المتوفىٰ عنها زوجها لا نفقة لها... ويعرف من التعليل أيضا أنها إذا كان لها قدر كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها أن تخرج لزياة ونحوها.

وفيه أيضا:

وخروج المطلقة والمتوفى عنها زوجها مادون السفر مباح إذا مست الحاجة إليه.

وفي البحر (٢/٥٥٣):

قوله: بشرط... محرم أو زوج لا مرأة في سفر... وأشار باشتراط المحرم أو الزوج إلى أن عدم العدة في حقها شرط أيضا بجامع حرمة السفر عليها، أي عدة كانت."

وفي مناسك الملا علي القاري (٥٨):

الخامس من شرائط الحج في حق النساء عدم العدة من طلاق بائن أو رجعي أو وفاة أو فسخ.

وفيه أيضا(٤١٦):

الثاني عشر من وجوه الإحصار: العدة، فلو أهلت بحجة الإسلام أو غيرها، فطلقها زوجها، فوجب عليها العدة: صارت محصرة وإن كان لها محرم، وذلك لأنها ممنوعة من الخروج عن بيتها، ويجب عليها أن يكون في محل طلاقها. فما في بعض النسخ من زيادة قيد: إذا كانت على مسيرة سفر من مكة، ليس في موقعه، فإنها وإن كانت بمكة وطلقها زوجها بعد إحرامها ليس لها أن تخرج إلى عرفة...

وفي الشامية(٥/١٨):

معتدة الوفاة لما كانت في العادة محتاجة إلى الخروج لأجل الكسب للنفقة قالوا: تخرج في النها روبعض الليل بخلاف المطلقة وأما الخروج للضرورة فلا فرق فيه بينهما كما نصوا عليه... فالمراد به ههنا غير الضرورة.

وفيه أيضا (٤/٥):

وزاد في اللباب مما يكون به محصرا أمورا آخر منها العدة فلو أهلت بالحج وطلقها زوجها ولزمتها العدة: صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم.

قال كاتب هذه الحروف: ومعتدة الوفاةمثل معتدة الطلاق في جواز

الخروج للضرورة، والمنع عن الخروج إذا لم تكن ضرورة كما قرروا.

وفي المجلة (١٨ المواد: ١٧ـ٢٢)

المشقة تجلب التيسير الأمر إذا ضاق اتسع، الضرر يزال الضرورات تبيح المحظورات الضرورات تقدر بقدرها"

ويراجع أيضا: زبدة المناسك مع عمدة المناسك (٣٤. ٣٦)

(حج وعمرہ مسائل اور ان کاحل، وفتاوی رحیمیہ: ٥/٣٣٨)

(رجسٹر نقل فتوی جامعہ دارالعلوم کراچی، ٢٦/٢/١٤٢٤ھ)

پاکستانی عورت کو سعودیہ میں طلاق ہوگئی عدت کا حکم

اس سلسلہ میں ایک سوال جواب نقل کیے جاتے ہیں:

ایک شخص اپنی بیوی کو سعودی عرب لے گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے بیوی کو تین طلاقیں دے دی، یہ بھی یاد رہے کہ یہ شخص وہاں مزدوری کے لیے گیا۔ مستقل رہنے کا ارادہ نہیں۔ اب اس کی یہ بیوی عدتِ طلاق شوہر کے ساتھ سعودی عرب میں اس کے گھر میں گزارے یا عدت گزارنے کے لیے پاکستان میں جو شوہر کا گھر ہے ادھر آ جائے، باقی وہاں پر ان کے کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہیں جو بیوی کے ساتھ شوہر کے گھر میں رہے تاکہ شوہر اور بیوی کے درمیان میں حائل ہوں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

صورتِ مسؤلہ میں اگر اس عورت کے لیے سعودی عرب میں رہ کر عدت پوری کرنے میں کسی قسم کا خوف کا اندیشہ نہ ہو اور قانونی طور پر اس کے لیے وہاں ٹھہرنا ممکن بھی ہو اور وہاں ان کی ضرورت پوری ہوسکتی ہو تو وہ وہاں رہ کر عدت پوری کرے گی اور اگر وہاں اطمینان سے نہیں رہ سکتی اور اس کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتیں تو وہ پاکستان آ کر اپنے گھر (جہاں وہ شوہر کے ساتھ رہا کرتی تھی) عدت پوری کرے گی۔

في الدرر المختار: ٣/٥٣٨):

(أبانها أو مات عنها في سفر، ولو في مصر وليس بينها وبين مصرها مدة سفر رجعت ولو بين مصرها مدته وبين مقصدها أقل مضت

(وإن كانت تلك) أي مدة السفر (من كل جانب خيرت (إلى أن) أو كانت في مصر او قرية تصلح للإقامة (تعتد ثمه) إن لم تجد محرما اتفاقا و كذا إن وجدت عند الإمام.

وفي الشامية تحت قوله (تصلح للإقامة) بأن تأمن فيها على نفسها ومالها وتجد ما تحتا جه إلخ.

وفي الهداية: (۲/۷ ۰ ٤):

وعلى المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنىٰ حال وقوع الفرقة أو الموت لقوله تعالىٰ ولا تخرجوهن من بيوتهن، والبيت المضاف إليها هو البيت الذي تسكنه ولهٰذا لو زارت أهلها وطلقها زوجها كان عليها أن تعود إلى منزلها فتعتد فيه وقال عليه السلام للتي قتل زوجها أسكنىٰ في بيتك حتى يبلغ الكتاب أجله (وإن كان نصيبها من ولد الميت لا يكفيها فاخرجها الورثة من نصيبهم إنتقلت ، لأن هذا انتقال بعذر والعبادات تؤثر فيها الأعذار فصار كما إذا خافت على متاعها أو خافت سقوط المنزل أو كانت فيها بأجر ولا تجد ما تؤديه (وإن وقعت الفرقة بطلاق بائن أو ثلاث لا بد من سترة بينهما ثم لا بأس لأنه معترف بالحرمة إلا أن يكون فاسقا يخاف عليها منه فحينئذ تخرج لأنه عذر ولا تخرج عما انتقلت إليه والأولىٰ أن يخرج هو ويتركها وإن جعلا بينهما امرأة ثقة تقدر على الحيلولة فحسن ومن ضاق عليها المنزل فلتخرج والأولىٰ خروجه. إلخ. والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب.

عدت میں چوڑی پہننا جائز نہیں

عدت میں چونکہ ہر طرح کی زینت ترک کرنا واجب ہے، اس لیے اگر عدت والی عورت کے ہاتھ میں سونے کی کنگن یا بوتل کی چوڑیاں ہوں تو ان کو اتار لینا واجب ہے، باقی ہندو عورتیں عدت میں چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں، مسلمان خواتین کے لیے توڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک تو ہندو عورت سے مشابہت کا گناہ ہے۔ دوسرا بلاوجہ مال ضائع کرنے کا گناہ۔ البتہ چوڑی اتارے میں تکلیف اور دشواری ہو تو اس غرض سے توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

يترك الزينة بحلي في ردالمحتار قوله بحلي اي بجميع أنواعه من فضة وذهب وجواهر .(بحر)

قال القهستاني والزينة ماتتزين به المرأة من حلي أو كحل. ۳

زنا کی کوئی عدت نہیں

جس عورت سے زنا ہوا اس سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرنا چاہے تو زنا کے بعد عدت گزارے بغیر نکاح ہوسکتا ہے، کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں، مگر زنا کے بعد سے ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے۔ (صرح بہ فی الدر)

اگر اس عورت کو زانی کا حمل ٹھہر گیا تو وضع حمل تک اس سے ہمبستری کرنا جائز نہیں۔ (امداد الاحکام ۲/۸۲۶ باب العدۃ)

❁❁❁❁❁

باب ثبوت النسب

جب کسی شوہر والی عورت کے ہاں اولاد ہوگی تو اسی شوہر کی کہلائے گی کسی شبہ کی بناء پر یہ کہنا کہ یہ بچہ اس کے شوہر کا نہیں بلکہ فلاں کا ہے، درست نہیں، اور اس بچہ کو حرامی اور ناجائز کہنا بھی جائز نہیں۔ بشرطیکہ یہ بچہ نکاح سے کم از کم چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو، چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے کی صورت میں نسب ثابت نہ ہوگا۔

يثبت نسب ولد المنكوحة حقيقة إذا جاء ت به لستة أشهر أو أكثر من وقت التزوج بأحد الشيئين أما بالسكوت من غير اعتراف ولا نفي له وأما بشهادة القابلة عند إنكار الولادة لأن الفراش قائم والمدة تامة فوجب القول بثبوته اعترف به أو سكت أو أنكر حتى لو نفى لا ينتفي إلا باللعان. (بحر: ۱۶۲/٤)

ثبوتِ نسب میں احتیاط

شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی صورت میں ثبوتِ نسب کا امکان ہو تب تک بچہ کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، جب بالکل مجبوری ہو جائے کسی صورت میں نسب ثابت کرنا ممکن نہ ہو تب ناجائز ہونے کا حکم لگایا جائے گا، عورت کو گنہگار ٹھہرایا جائے گا۔

لما في الهندية : والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة لا ينتفي بمجرد النفي وإنما ينتفي باللعان.

(الفتاوىٰ الهندية: ١٦٣/١ باب ثبوت النسب)

ثبوتِ نسب کے لیے ایک عورت کی گواہی

اگر نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو صرف ایک عورت کی گواہی سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا، اسی طرح شوہر کے اعتراف یا سکوت سے بھی، اگر شوہر انکار کرے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے بلکہ عورت نے زنا کروایا اس سے بچہ پیدا ہوا تو ایسی صورت میں شوہر کے ذمہ لعان لازم ہوگا، لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کروا دے گا، اسکے بعد بچے کو ماں کی طرف منسوب

کیا جائے گا، لعان کے بغیر نسب منتفی نہیں ہوسکتا ہے۔ اور لعان کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

فإن جاء ت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت لأن الفراش قائم، والمدة تامة فإن جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة حتى لو نفاه الزوج يلاعن.

(هداية ۲/۴۳۷ باب ثبوت النسب)

وكذلك إذا كان من أهل اللعان فلم يتلاعنا فإنه لا ينتفي النسب كذا في شرح الطحاوي. (عالمگیریه :۲/۱۵۳)

وفي الدرالمختار قال: ومتى سقط اللعان بوجه ما(كعدم صلاح أحدهما للشهادة أو عدم إحصان) لم ينتف نسبه أبدا. اھ

(ردالمحتار باب اللعان :۳)

منکوحہ عورت کا بچہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا

ایک عورت کے نکاح کے بعد رخصتی ہوگئی، شوہر بیوی کے ساتھ کچھ مدت گزارنے کے بعد بیرون ملک چلا گیا، یہاں عورت نے کسی سے منہ کالا کیا، اور بچہ پیدا ہوا اب اگر یہ بچہ نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا اور شوہر نے نسب کا انکار نہیں کیا تو بچہ کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا جس کے نکاح میں یہ بچہ پیدا ہوا اور اگر شوہر نے نسب کا انکار کیا لعان نہیں ہوا تب بھی نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الولد للفراش وللعاهر الحجر.

(رواه ابوداؤد مشکوٰة:۲/۲۸۱)

چار ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا

ایک شخص کا نکاح ہوا اور نکاح کے ٹھیک چار ماہ بعد صحیح سالم بچہ پیدا ہوا اور زندہ ہے، اور یہ شخص دعویدار ہے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے، شرعاً اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : أكثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضي الله عنها كما مر في الرضاع وعندالأئمة الثلاثة رحمهم الله سنين وأقلها ستة أشهر إجماعا.

(ردالمحتار :۳ باب ثبوت النسب)

منکوحہ عورت کا بچہ ثابت النسب ہونے کا مطلب

منکوحہ عورت کا بچہ ثابت النسب ہونے کے بارے میں ایک سوال وجواب امداد الفتاویٰ سے نقل کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

سوال (۶۱۸): کتاب بہشتی زیور مصنفہ جناب جلد چہارم میں مسئلہ ذیل دیکھ کرنا چیز کو ونیز دیگر اشخاص کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بابت یہ رائے قرار پائی کہ حضور ہی سے اس کا اطمینان کرلیا جائے۔

مسئلہ: (شوہر پردیس کو چلا گیا اور برسیں گزر گئیں بلکہ مدتیں ہوگئیں اور یہاں لڑکا پیدا ہوگیا تو وہ لڑکا حرامی نہیں کہلائے گا۔ ہاں اگر شوہر انکار کردے تو حکم لعان کا ہوگا) مسئلہ ہذا میں اعتراض یہ ہے کہ اگر شوہر کے چلے جانے کے پانچ سال بعد لڑکا پیدا ہوا ہے اور شوہر پردیس میں ہے تو حالتِ ظاہری میں حرامی ہوا اور شوہر نے اقرار بھی کردیا کہ لڑکا میرا ہے چونکہ اس کا مکان پر آنا ثابت نہیں ہے تو شوہر کی نسبت بھی دیوث کا گمان ہوگا۔ اگر ہم لوگوں کی رائے غلطی پر ہے تو بروئے شرع شریف کیا سند ہے اور آیاتِ قرآنی یا احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس میں کیا حکمت ہے اور دلائل عقلیہ بھی اس کی نسبت کیا ہیں کیونکہ اسبابِ ظاہری ہم لوگوں کے شک کو رفع نہیں کرسکتے ہاں اگر غلطی کتابت سے کوئی عبارت یا الفاظ سہوا کاتب سے تحریر ہونا باقی رہ گئے ہیں یا اگر ایسا ہے کہ شوہر کے جانے کے بعد کچھ ماہ یا انتہائے معیار دو برس کے بعد بھی لڑکا پیدا ہوا تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا ہے۔ صرف اس قدر گزارش ضرور ہوگی کہ چونکہ بہشتی زیور کی تعلیم عورتوں کو خصوصا اور عموما کم عمر بچوں کو دی جاتی ہے لہٰذا میعاد پیدائش صاف تحریر ہونا چاہیے تھی کیونکہ مسئلہ حضور ہی کا تحریر کردہ ہے اور حضور کو بحیثیت نائب رسول ہونے کے ہم لوگوں کی تسکین کافی طور پر کرنا ضروری ہے اور جناب کی ذات مجمع فیض واخلاق ہے امید ہے کہ بصراحت جواب کافی وشافی تحریر فرمایئے گا؟

الجواب: اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقع میں وہ لڑکا اس شوہر کا ہے اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس عورت پر یا اس کے شوہر پر واجب ہے کہ وہ ایسا سمجھیں کیونکہ ان دونوں کو تو اصل حال معلوم ہے پس ان پر کیسے واجب ہوگا کہ واقع کے خلاف کا یقین رکھیں اور دوسروں کو واقع کا حال معلوم نہیں ان پر کیسے واجب ہوگا کہ جس بات کا حال معلوم نہ ہو اس کا یقین رکھیں۔ بلکہ مطلب اس مسئلہ کا یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو حرامی سمجھیں۔ بلکہ ان کو سمجھنا چاہیے

کہ قانوناً اور ضابطہ کی رو سے یہ لڑکا اس شوہر کا ہے کیونکہ ان مرد و عورت میں نکاح ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ یہ باہم ملے ہوں جس کا علم کسی کو بجز زوجین کے نہ ہوا ہو۔ جس طرح بعض اشتہاری لوگ خفیہ اپنے گھر آ جاتے ہیں یا بعضے لوگ بذریعہ تسخیر جن کے جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور گو یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ایک عورت منکوحہ کو احتمال بعید کے ہوتے ہوئے زانیہ کہنا درست نہیں اور اسی کی کیا تخصیص ہے اگر شوہر پاس بھی ہو اس حالت میں جو اولاد ہوتی ہے وہاں بھی واقعہ کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو یقیناً کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا نطفہ ہے مثلاً اگر پاس رہ کر پانچ برس تک ہم بستر نہ ہو جس کا کسی کو علم نہ ہو تو اس حالت کی اولاد صرف قانونی اولاد کہا جاتا ہے واقعی ہونے کا کون حکم کر سکتا ہے؟ ایسا ہی یہ ہے البتہ چونکہ شوہر کو یقیناً معلوم ہے کہ میں اس عورت سے کتنے روز سے ہمبستر نہیں ہوا۔ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کہہ دے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے پھر اگر اس نے کہا تو اگر عورت بھی اس کا اقرار کرے اس کو زانیہ کہا جاوے گا۔ اور اگر شوہر کی تکذیب کرے تو چونکہ دوسرے لوگوں کو کسی دلیل سے کسی خاص شخص کا جھوٹا یا سچا ہونا معلوم نہیں ہو سکتا ہر ایک میں دونوں احتمال ہیں اس واسطے پھر بھی اس عورت کو زانیہ نہیں کہا جاوے گا بلکہ اس صورت میں شریعت نے لعان کا قانون مقرر کیا ہے جس کا بیان ایک مستقل باب بہشتی زیور میں بھی ہے اور یہ مسئلہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہے اور سمجھدار آدمی کے نزدیک قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے۔

قرآن کی یہ آیتیں ہیں:

قوله تعالیٰ: ﴿ اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم . ﴾

وقوله تعالیٰ ﴿لو لا جاء وا باربعة شهدا فإذ لم يأتوا بالشهداء فأولئك عندالله هم الكاذبون﴾

اور حدیثیں یہ ہیں:

قوله عليه السلام الولد للفراش وللعاهر الحجر.

وقوله عليه السلام إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث.

اور احتمالات بعیدہ پر دوسروں سے تہمت اور بدگمانی کا موقع کرنا حدیث کے اس قصہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا اور ٹوکا، تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے چوری نہیں کر رہا۔

آپ نے اپنی بدگمانی کی تغلیط اوراس کی تصدیق فرمائی، اوراس اعتراض کے جواب میں ایک صاحب نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے ''رفع الارتیاب عن مسئلۃ الانساب''۔ (امدادالفتویٰ: ۵۱۸/۲)

نسب پرفخر کرنے کا گناہ

اس وقت دنیا میں یہ گناہ بھی عام ہوگیا ہے کہ لوگ نسب کی بنیاد پرفخر کرتے ہیں یہ سلسلہ عرب جاہلت میں بہت رائج تھا۔ اسلام نے اسکومٹایا لیکن آج کی دنیا پھراس میں بتلا ہوگئی کفارتو کفار مسلمانوں میں بھی دوبارہ یہ بلا پیدا ہوگئی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پرسخت وعید بیان فرمائی ہے۔ اورواضح فرمایا کہ نسب کوئی قابل فخر چیز نہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز طواف سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں ارشادفرمایا:

اللہ تعالیٰ کاشکر ہے جس نے تم سے عیوب جاہلیت اورغروروتکبر کو دورفرمایا، اب انسان کی (صرف) دوقسمیں ہیں: ایک نیک، متقی اوروہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہےاوردوسرافاسق وفاجراوروہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

(الغرض مدارعزت اللہ کے نزدیک تقویٰ وعمل صالح ہے، انساب وقبائل نہیں) سب آدم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اورآدم علیہ السلام کواللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدافرمایا۔''

اس کے بعدآپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

یہ حدیث ترمذی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے۔ (تفسیر روح المعانی: ۱۴۸/۳)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے درمیان ایک خطبہ دیا جس کے بعض کلمات یہ تھے:

''اے لوگو! تمہارا مالک پروردگارایک ہے، کسی عربی کوکسی عجمی پریاعجمی کوعربی پرکوئی

فضیلت نہیں اور نہ کسی کالے کو گورے پر، نہ گورے کو کالے پر مگر تقویٰ کے ساتھ۔" ﴿إن أكرمكم عندالله أتقاكم﴾

پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے حکم خداوندی اچھی طرح پہنچادیا یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا بیشک آپ نے پہنچا دیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم حاضرین یہ نصائح غائبین تک پہنچادیں۔"

(بیهقی، ابن مردویه از روح: ۱۴۸/۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے، ہر قوم کو چاہیے کہ اپنے آبا و اجداد پر فخر کرنے سے باز آجائے ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوجائیں گے۔"

(رواه البزار في مسنده روح: ۱۴۹)

لہٰذا کسی مومن کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ نسب پر فخر کرے اور کبھی ایسا ہوجائے تو فوراً توبہ کرلینی چاہیے دوسروں کو بتاتے رہنا چاہیے کہ یہ عظیم گناہ ہے اس سے بچا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

نسب بدلنے کا گناہ

نسب کے معاملہ میں دوسرے بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا آبائی نسب چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے اور اپنا نسب انصار سے جاملائے تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے آپ کو قریش میں داخل کرے، تیسری یہ چاہتی ہے کہ راعی بن کر عرب میں داخل ہوجائے کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے۔

اور منشاء اس کا تکبر و غرور ہے جو فی نفسہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی وجہ سے یہ نسب بدلنا مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے، احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من ادعی إلی غیر أبیه وهو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام."

(رواه البخاري ومسلم وأبو داؤد، وابن ماجة ترغيب وترهيب: ۵۷/۳)

"جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔"

اور اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس سوائے اس کتاب اللہ کے اور کوئی نیا قرآن نہیں جس کو ہم پڑھتے ہوں، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ ہے جس میں چند احکام مذکور ہیں جس کو کھول کر سنایا اس میں منجملہ دوسرے احکام کے ایک یہ بھی تھا:

"من ادعیٰ إلی غیر أبیه أو انتمی إلی غیر موالیه فعلیه لعنة الله والملائكة والناس أجمعین لایقبل الله منه یوم القیامة عدلا ولا صرفا."

(رواه البخاري، ومسلم وأبو داؤد وابن ماجة ترغيب وترهيب: ۸۸/۳)

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا آزاد کردہ غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے قبیلہ کے سوا اور قبیلہ کی طرف منسوب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

اور اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوداؤد اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسند احمد و ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے دادا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انسان کے گناہ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے تبری کرے اگرچہ وہ نسب

ادنیٰ ہی ہو، اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں۔"

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(ترغیب: ۳/۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔'' (مسند احمد ابن ماجہ از ترغیب: ۳/۸۸)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"من ادعى نسبا لا يعرف كفر بالله أو انتفى من نسب وإن دق كفر بالله. (رواه الطبراني في الأوسط ترغيب: ۳/۸۸)

''جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لیے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا (یعنی نافرمانی کی) یا کسی نسب سے تبری کی اگر چہ وہ ادنیٰ نسب ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔''

احادیث مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلاف واقع ظاہر کرنے پر جرات کرے گا؟

ہرگز باور نمی آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ کار ہا کردن ودین پیمبر داشتن

ایک مسلمان کے لیے یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ایسے کام بھی کرے پھر اپنے کو مسلمان بھی ظاہر کرے۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاترغبوا عن ابائكم فمن رغب عن أبيه فقد كفر.

(متفق عليه مشكوٰة باب اللعان: ۲/۲۸۷)

قال الملا علي قاري رحمه الله تعالى: والإدعاء إلى غير الأب مع

العلم به حرام، فمن اعتقد إباحته كفر، لمخالفة الاجماع ومن لم يعتقد إباحته فمعنى كفر وجهان:
أحدهما أنه قد أشبه فعله فعل الكفار. والثاني: أنه كافر نعمة الإسلام.
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب اللعان:۲/ ۲۵۰)

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو حرز جان بنائیں، اپنے اندر عاجزی انکساری پیدا کریں، اور ہر قسم کی خلاف اسلام باتوں سے اجتناب کریں، خصوصاً فخر وغرور نسبی بنیاد پر ایک دوسرے کو طعن وتشنیع کرنا وغیرہ، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے خلاف شرع باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اولاد زنا کا نسب

جس عورت کے شوہر نہ ہو اس کے جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہے، اس کا نسب زانی سے ثابت نہ ہوگا اگرچہ زانی اس کا اقرار کرے کہ یہ میرے نطفہ سے ہے، بلکہ زنا کرنے والے مرد وعورت دونوں ہی اقرار اور اتفاق کرلیں کہ یہ بچہ زنا کا ہے تب بھی زانی سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ شرعاً ثبوت نسب کا مدار عقد نکاح پر ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

عن عمر بن شعيب عن أبيه عن جده قال قام رجل قال يارسول الله أن فلانا ابني عاهرت بأمه في الجاهلية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لادعوة في الإسلام ذهب أمر الجاهلية الولد للفراش وللعاهر الحجر. رواه أبو داؤد.

(مشکوٰۃ: ۲/ ۲۸۱ باب اللعان)

سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت

اسلام میں اولاد کا نسب باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور باپ ہی سے نسل چلتی ہے. البتہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی اولاد کی نسبت انہی کی طرف ہے، پھر ان کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی بھی خاتون کو یہ شرف حاصل نہیں، اس لیے آج سادات کا سلسلہ دنیا میں قائم ہے۔

روي الحاكم عن جابر بن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم كل

بني ام ينتمون إلى عصبة إلا أولاد فاطمة فأنا وليهم عصبتهم.

(المجمع الزوائد: ۹/۲۷٤ كتاب االمناقب الباب ١٤)

قال الشيخ المفتي عزيز الرحمان: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گونسب باپ کی طرف سے ثابت ہوا ہے لیکن بنی فاطمہ اس سے مستثنیٰ ہیں، حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نسب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، آیندہ کسی عورت کی جانب خواہ سیدہ ہی کیوں نہ ہو نسب ثابت نہ ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۱/۷۵ هكذا في فتاوىٰ حقانيه: ٤/٥٦٨)

غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

اس مسئلہ کی وضاحت کے سلسلہ میں فتاویٰ حقانیہ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے، تاکہ مسئلہ منقح ہو جائے۔

(سوال:) ہمارے گاؤں گھلوڑ ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر میں ایک آدمی ہے جس کی شادی ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن وہ خدا کی قدرت سے ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے، اس نے اپنی جائیداد کا وارث بنانے کے لیے ایک کھیل کھیلا کہ شاید اس طرح میرے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے، اس طرح اس نے اپنی بیوی کو کسی نامعلوم شخص کی منی کا ٹیکہ لگوایا جس سے وہ حاملہ ہوگئی، مقررہ مدت کے بعد اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی جو کہ قدرتی نشوونما سے محروم اور ہر وقت بیمار رہتی ہے، اس کا قد بڑھنے کا عمل بہت سست ہے، بچی کی شکل بھی اس کے خاندان کے کسی فرد سے معمولی مشابہت بھی نہیں رکھتی، اس بچی کی پیدائش کے بعد چھ سال تک اس کے ہاں کوئی بچی بچہ نہیں ہوا، واضح ہو کہ اس شخص کا باپ اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا دعویدار سمجھتا ہے اور کسی کا حق دبانے میں ذرا برابر فرق نہیں کرتا، بینک کے سودی معاملات میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا ہے، اسے بھی اپنے بیٹے کی اس گھناؤنی حرکت کا بخوبی علم ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کا اسلام میں کوئی مقام ہے؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں اور اگر وہ اسلامی حدود وقیود سے تجاوز کا مرتکب ہوا ہے تو قرآن وسنت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(الجواب:) مذکورہ بالا طریقہ (انجکشن کے ذریعے) سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تاہم اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر." (الحديث)

تو اس آدمی سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے۔ ثبوت نسب' کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح خاوند کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

البكر إذا جومعت في مادون الفرج فحملت بأن دخل الماء في فرجها فلما قرب أوان ولادته فزال عزرتها ببيضة او بحرف درهم. (٤/١١٤)

"کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ (مرد کا) مادۂ منویہ اس کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے اور جب ولادت کا وقت آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعے اس کا پردۂ بکارت (کنوار پن) چاک کر دیا جائے گا۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمت نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کا سلسلہ نسب ٹھیک اسی طرح حرام ہو جائے جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا، البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ یہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل ۱۵۲)

مذکورہ بالا صورت میں اس آدمی کا کیا ہوا عمل جائز نہیں بلکہ حرام ہے، البتہ اس پر نسب وغیرہ کے احکام سب ثابت ہوتے ہیں، خواہ اس بچی کی شکل وصورت اس خاندان کے افراد کے

مشابہ ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ حقانیہ: ۴/۲/۵۷)

متبنیٰ (لے پالک) کا نسب

متبنیٰ (لے پالک) نسبی بیٹے کے حکم میں نہیں ان کا باپ وہی ہے، جس سے یہ پیدا ہو، لہٰذا متبنی شخص کا بیٹا کہنا جائز نہیں جس کے گھر یہ پل رہا ہے، نہ اس کی بیوی اس کی ماں ہے، لہٰذا بڑے ہونے کے بعد لے پالک سے شرعی پردہ کرنا، اس کی بیوی پر فرض ہے، نیز لے پالک میراث کا حقدار بھی نہیں، البتہ جس باپ سے یہ پیدا ہوا اس کی میراث کا حقدار ہے، نیز شناختی کارڈ اسکول سرٹیفکیٹ وغیرہ اصلی باپ کا نام لکھوانا ضروری ہے۔

لقوله تعالى: ﴿ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله﴾ (الأحزاب: ٥)

باب الحضانۃ

ماں باپ میں جدائی ہوگئی یا شوہر کا انتقال ہوگیا دونوں کے نابالغ اولاد موجود ہیں ان کی پرورش کا حق کس کو حاصل ہے، اس بارے میں اکثر آپس میں نزاع ہو جاتا ہے اس لیے اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

حقِ پرورش کی مدت

حق حضانت لڑکے کی عمر سات سال مکمل ہونے اور لڑکی کے لیے نو سال تک یہ ماں کا حق ہے اسکے بعد چونکہ تربیت کی ضرورت ہے باپ اس کا زیادہ حق ادا کرسکتا ہے، اس لیے مدت حضانت مکمل ہونے کے بعد باپ اس کو اپنی تربیت گاہ میں لے گا اور ماں کی پرورش کی مدت میں بھی بچہ کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا۔

(والحاضنة) اما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى. لأنه الغالب والأم والجدة أحق بها حتى تحيض. (إلى قوله) وغيرهما أحق بها حتى تشتهي وقدر بتسع وبه يفتي وبنت إحدىٰ عشرة مشتهاة اتفاقا. زيلعي وعن محمد رحمه الله تعالى: إن الحكم في الأم والجدة كذلك وبه يفتى لكثرة الفساد زيلعي. (ردالمحتار :۵٦٦/۳باب الحضانة)

قال في الشامي: وفي الشرح المجمع وإذا استغنىٰ الغلام عن الخدمة الأب أو الوصي أولىٰ على أخذه لأنه أقدر على تاديبه وتعليمه.إلخ.

ماں کے حق حضانت ساقط ہونے کی صورتیں

۱- ماں بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے شادی کرے۔

۲- بچہ کی پرورش پر اجرت طلب کرے جبکہ بچہ کے ذی محرم میں سے کوئی دوسری عورت بلا اجرت پرورش پر راضی ہو۔

۳- ماں کمائی وغیرہ کی غرض سے بکثرت باہر نکلتی ہو جس سے بچہ کے ضائع ہونے

کا اندیشہ ہو۔

۴۔ ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہوں اس سے بچہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔

۵۔ اگر فاجرہ کے پاس بچہ کا ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا، جس میں برے اخلاق سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(احسن الفتاویٰ: ٥/٤٥٩ باب الحضانة)

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه أي الصغير وكذا بسكناها عندمبغضين له.

(الدر المختار علی هامش ردالمحتار :٣/٥٦٥ باب الحضانه)

ماں کے علاوہ حق پرورش کی ترتیب

اگر بچہ کے غیر محرم سے شادی کی وجہ سے ماں کا حق پرورش ساقط ہو جائے تو مندرجہ ذیل افراد کو بالترتیب حق پرورش ہوگا۔

نانی اگرچہ بہت دور کی ہو، یعنی پرنانی وغیرہ۔ پھر دادی پردادی وغیرہ، اوپر تک پھر حقیقی بہن، پھر ماں شریک بہن، پھر باپ شریک بہن، پھر حقیقی بھانجی، پھر ماں شریک بھانجی، پھر حقیقی خالہ، پھر ماں شریک خالہ، پھر نانا کی ماں، پھر باپ شریک بھانجی، پھر حقیقی بھتیجی، پھر ماں شریک بھائی کی بیٹی، پھر باپ شریک بھائی کی بیٹی، پھر حقیقی پھوپھی، پھر باپ کی ماں شریک بہن، پھر باپ کی باپ شریک بہن، پھر ماں کی خالہ اسی ترتیب سے یعنی پہلے حقیقی خالہ، پھر ماں کی ماں شریک بہن، پھر باپ شریک بہن، پھر باپ کی خالہ اسی ترتیب سے پھر ماں کی پھوپھی اسی ترتیب پھر باپ کی پھوپھی اسی ترتیب سے، پھر عصبات وراثت کی ترتیب پر یعنی باپ پھر دادا پردادا اوپر تک۔ پھر حقیقی بھائی باپ، شریک بھائی پھر حقیقی بھتیجا پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا، پھر باپ کا باپ شریک بھائی (علی چچا) پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر علی چچا کا بیٹا، عینی اور علی چچا کے بیٹے کو صرف لڑکے کی پرورش کا حق ہے لڑکی کی پرورش کا حق نہیں، پھر ذوی الارحام محارم یعنی نانا، پرنانا اوپر تک پھر ماں شریک بھائی پھر اس کا بیٹا، پھر خیفی چچا، پھر حقیقی ماموں، پھر علی (یعنی ماں کا باپ شریک بھائی) پھر ماں شریک بھائی۔ عینی وعلی چچا کی بیٹی اور پھوپھی ماموں، خالہ، خیفی چچا کی اولاد، مذکر ومونث کو حق حضانت حاصل نہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۵/۴۵۹)

وفي شرح التنوير قال (ثم) أي بعد الأم بان ماتت أو لم تقبل أو

تزوجت باجنبی (أم الأم) ثم أم الأب، وإن علت ثم الأخت لأب، وأم ثم لأم ثم لأب، ثم الخالات كذلك، ثم العمات كذلك، إلى قوله ثم العصبات بترتيب الإرث، فيقدم الأب ثم الجد ثم الأخ الشقيق ثم لأب ثم بنوه كذلك، ثم العم ثم بنوه إلخ.

(ردالمحتار:۳/۵٦۳ باب الحضانة)

پرورش کے کئی حقدار ہونے کا حکم

اگر پرورش کے مساوی درجہ کے کئی حقدار ہوں تو ان میں سے جس میں بچہ کی پرورش کی زیادہ صلاحیت ہو وہ مقدم ہے، پھر جو زیادہ متقی ہو پھر جو عمر میں زیادہ ہو۔

وإذا اجتمعوا فالأورع ثم الأسن اختيار. (ردالمحتار: ۳/۵٦۳)

فاسقہ عورت کا حق حضانت

اگر کسی بچہ کی ماں فاجرہ ہو، یعنی اعلانیہ گناہ بدکاری وغیرہ میں مبتلا ہو اور بچہ اس عمر کو پہنچ چکا ہو کہ ان باتوں کو غیر محسوس طور پر سمجھ سکتا ہو تو ایسی ماں کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔ تا کہ بچہ کے اخلاق متاثر نہ ہو۔

قال في التنوير: في باب الحضانة تثبت للأم ولو بعدالفرقة إلا أن تكون مرتدة. أو فاجرة، وفي الشامية (قوله مالم يعقل ذلك) أي مالم يعقل الولد حالها وحينئذ يجب تقييد الفجور بأن لايلزم منه ضياع الولد كمالايخفى.

وفي النهر مالم تفعل ذلك وفسره بقوله أي مالم يثبت فعله عنها وهوصحيح أيضا ١ هـ. وفيه أن قول القنية معروفة بالفجور يقتضى فعلها له فالمناسب الأول وتكون الفاجرة بمنزلة الكتابية فإن الولد يبقى عندها إلى أن يعقل الأديان، كما سيأتي خونا عليه من تعلمه منها ماتفعله فكذا الفاجرة وقدجزم الرملي بأن مافي النهر تصحيف والحاصل أن الحاضنة إن كانت فاسقة فسقا يلزم منه ضياع الولد عندها سقط حقها وإلا فهي أحق به إلى أن يعقل فينزع منها كالكتابية. (ردالمحتار باب الحضانة :۳/۵۵۵)

ماں باپ کی عدم توجہ سے بچہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو

میاں بیوی میں جدائی کے بعد ماں کے فسق وفجور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا بچہ کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر اکثر اوقات گھر سے باہر گزارنے کی وجہ سے، یا کسی اور وجہ سے بچہ کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ پیدا ہوگیا ہو تو ایسی حالت میں باپ کو حق حاصل ہوگا کہ بچہ ماں سے لے لے اور خود اس کی پرورش کرے۔

قال في التنوير: وتثبت لأم ولو بعدالفرقة إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة أو غير مامؤنة وقال العلامة الحصكفي رحمه الله في شرح قوله(فاجرة) فجورا يضيع الولد به وفي شرح قوله(غير مامونة) ذكر في المجتبیٰ بأن تخرج كل وقت وتترك الولد ضائعا، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله المراد كثرة الخروج لأن المدار على ترك الولد ضائعا والولد في حكم الأمانة عندها ومضيع الأمانة لايستأمن إلخ.(ردالمحتار ۳/باب الحضانة)

وقال المفتي رشيد احمد اللدهيانوي رحمه الله: قلت هذه العبارات صريحة في أن مدار الحكم هو الضياع فقط.

(احسن الفتاویٰ: ٥/ ٤٦٠)

کتابیہ (یہودی/عیسائی) عورت کا حکم

اگر کتابیہ عورت سے کسی مسلمان نے شادی کرلی اور بعد میں جدائی ہوگئی دونوں کی کم سن اولاد موجود ہیں، تو مسلمان ماں کی طرح کتابیہ عورت کو بھی حق پرورش ہے، حاصل ہے۔ البتہ جب بچہ اس عمر کو پہنچ جائے جس میں ماں کا دین قبول کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو اس سے پہلے ماں سے بچہ لے لیا جائے عموماً سات سال سے پہلے ہی یہ سمجھ پیدا ہوجاتی ہے اس لیے یہ مدت سات سال سے تجاوز نہ کرے۔

قال في شرح التنوير: والحاضنة الذمية ولو مجوسية بسبع سنين، لصحة اسلامه حينئذ نهر.

وفي الشامية: (تحت قوله بسبع سنين) فائدة هذا تظهر في الأنثیٰ لأن الذكر تنتهي حضانته بالسبع حموی.

(ردالمحتار:۳/ ٥٦٤ باب الحضانة)

کتابیہ عورت کی اولاد کے دین کو خطرہ لاحق ہو

اگر کسی کتابیہ عورت سے جواز نکاح کی شرائط پائی جانے کی صورت میں نکاح ہوا، یا کسی عیسائی/ یہودی عورت نے اسلام قبول کیا بعد میں دونوں میں جدائی ہوگئی یا شوہر کا انتقال ہوگیا، اور اولاد موجود ہیں تو ان کی پرورش کا ماں کو حاصل ہوگا، لیکن اگر بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہو اس طرح کہ وہ خاتون بچوں کو لے کر اپنے عیسائی گھرانہ میں رہائش پذیر ہو اور بچوں کو اپنے عبادت خانہ لیجاتی ہو، یا شراب خنزیر وغیرہ استعمال کروانے کی کوشش کررہی ہو، ایسی صورت میں بچے اس سے لے لیے جائیں گے۔ اور مسلمان دادا دادی، یا اور قریبی رشتہ داروں کا حوالہ کیے جائیں گے۔

وفي الشاميه: تحت (قوله أو إلى أن يخاف أن يألف الكفر) فينزع منها وإن لم تعقل دينا . بحر

أشار إلى أن قول المصنف أو يخاف منصوب بأن مضمرة بعد أو التي بمعنى إلى كما في الفتح. وهذا زاده في الهداية فظاهره أنه إذا خيف أن يألف الكفر نزع منها وإن لم يعقل دينا. بحر.

قال ولم يمثلوا لآلف الكفر والظاهر أن يفسر سببه بنحو أخذه لمعابدهم، وفي الفتح تمنع أن تغذيه الخمر ولحم الخنزير وإن خيف ضم إلى ناس من المسلمين إلخ.

(ردالمحتار:۳/ ٥٦٥ باب الحضانة)

باپ کی عدم موجودگی میں چچا کو بھی بچہ کی پرورش کا حق ہے

اگر بچہ کا باپ موجود نہ ہو اور دادا بھی نہ ہو تو چچا ولی ہوگا، حق پرورش اسی کو حاصل ہوگا البتہ اس کے بارے میں اعتماد ہو کہ بچہ کے حق میں دیانتداری وامانتداری سے کام لیتے ہوئے اس کے دین ودنیا دونوں کی بھلائی سوچے گا۔

كما في ردالمحتار وإن لم يكن للصبي أب وانقضت الحضانة فمن سواه من العصبة أولى الأقرب فالأقرب غير أن الأنثىٰ لا تدفع إلا إلى محرم ا هـ. (شامية: ۳/ ٥٦٩ باب الحضانة)

بچہ کو دار الحرب لے جانے کا حق نہیں

اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے:

سوال: ایک شخص یہاں سے جاپان چلا گیا، اور وہاں اس نے ایک عورت سے شادی کر لی، کئی سال کے بعد واپس پاکستان آیا بیوی بھی ساتھ آ گئی اور یہیں رہنے لگا اور کچھ عرصہ بعد گھریلو ناچاقی کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچ گئی اور اس نے بیوی کو طلاق دے دی، اس شخص کا اس عورت سے ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے جسے اب وہ عورت اپنے ساتھ جاپان لے جانا چاہتی ہے جبکہ یہ شخص بچے کو اس کے ساتھ جاپان نہیں جانے دیتا، تو کیا اس عورت کو بچہ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حضانت میں یہ ضروری ہے کہ بچہ زوجین میں سے کسی ایک کے گھر میں پرورش پائے مگر دار الحرب اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس لیے صورت مسؤلہ میں یہ عورت اس بچے کو شرعاً ساتھ جاپان نہیں لے جا سکتی بلکہ بچے کی تربیت پاکستان میں رہ کر ہی کرے گی۔

لما في الهندية: ليس للمرأة أن تنقل ولده إلى دار الحرب وإن كان تزوجها هناك وكانت حربية بعد أن يكون زوجها مسلما أو ذميا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵٤٥ الباب السادس عشر في الحضانة)

ولد الزنا کی حضانت کا حق؟

جس بچہ کا باپ معلوم نہ ہو یعنی زنا کے نطفہ سے پیدا ہوا اور اس کا نسب شرعی طور پر ثابت نہ ہو سکا، تو اس کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے اور پرورش کی ذمہ داری بھی ماں پر ہوگی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: الحضانة تثبت لأم النسبية.

(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/ باب الحضانة)

باب النفقة

بیوی کا نان نفقہ شرعاً شوہر کے ذمہ لازم ہے

بیوی چاہے کتنی ہی مالدار ہو، یا برسر روزگار ہو اور شوہر غریب ہو تب بھی بیوی کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہے، اسی طرح بیوی غریب ہو اس کا شوہر مالدار ہو تب بھی لازم ہے۔

يجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها أو لم يدخل كبيرة كانت المرأة أو صغيرة.

(عالمگیریہ: ۱/ ۵٦٠)

رخصتی سے قبل خرچہ کا مطالبہ

اگر کسی عورت کا نکاح ہو گیا لیکن رخصتی نہیں ہوئی، اور عورت شوہر کے گھر جانے کے لیے آمادہ ہے لیکن شوہر کسی مجبوری کی وجہ سے رخصتی نہیں کروا رہا ہے تو شرعاً عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے شوہر سے نفقہ کا مطالبہ کرے، اور اگر شوہر رخصتی کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن عورت بلاوجہ شوہر کے گھر نہیں جا رہی ہے تو اس کو نان نفقہ کے مطالبہ کا حق نہیں۔

الكبيرة إذا طلبت النفقة وهي لم تزف إلى بيت الزوج فلها ذلك إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة فإن كان الززوج قد طالبها بالنقلة فإن لم تمتنع عن الانتقال إلى بيت الزوجب فلها النفقة فأما إذا امتنعت عن الانتقال فإن كان الامتناع بحق بأن امتنعت لتستوفىٰ مهرها فلها النفقة وإذا كان الامتناع بغير حق بأن كان أوفاها المهر أو كان المهر مؤجلا أو وهبته منه فلا نفقة لها.

(فتاویٰ هندیه: ۱/ ۵٦٠)

بیوی چھوٹی بچی ہو تو نفقہ کی تفصیل

اگر ایسی چھوٹی بچی سے نکاح ہوا جو جماع کے قابل نہیں، تو اگر شوہر نے کام کاج کے لیے یا اپنا دل بہلانے کے لیے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا، یعنی رخصتی کروا لیا تو اس کا نان نفقہ پورا

خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے، اگر اس کو اپنے پاس نہ رکھا بلکہ میکے میں چھوڑا ہوا ہے تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے، اور اگر شوہر چھوٹا بچہ ہو اور بیوی بڑی ہو شوہر کا گھر سنبھالنے کے قابل ہے، تو بیوی کا نان نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہے۔

وإن كانت صغيرة لا يتمتع بها فلا نفقةَ لها وإن كان الزوج صغيرا لا يقدر على الوطي وهي كبيرة فلها النفقة من ماله.

(شراح البداية: ٢/٤١٨)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ :(تحت قوله) وصغيرة لاتوطأ وكذا إن كان صلحت للخدمة أو الاستيناس ولم يمسكها في بيته كما مرفافهم. (ردالمحتار:٣/٥٧٦ سعيد كراچى)

ناشزہ کا نفقہ واجب نہیں

جو عورت بلا وجہ شوہر کا گھر چھوڑ کر میکے چلی گئی، یا کہیں اور رک گئی شوہر کے گھر آنے پر قادر ہے اور شوہر گھر آنے کا مطالبہ بھی کر رہا ہے پھر بھی نہیں آ رہی تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : لانفقة لأحد عشر (إلى قوله) وخارجة من بيته لغير حق وهي الناشزة حتى تعود.

(ردالمحتار:٢/٧٠٢مصري)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله (قوله بخلاف حرة نشزت إلخ) أي إن الحرة إذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسكنىٰ إذا عادت إلى بيت الزوج.

(ردالمحتار باب النفقة: ٢/٧١٩مصري)

ایام عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے

طلاق کی عدت میں ایام عدت کا نفقہ یعنی رہائش اور خرچہ دونوں شوہر کے ذمہ ہے۔

كما في نفقة شرح التنوير وتجب لمطلقة الرجعي والبائن.

(ردالمحتار:٣)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة الأصل أن الفرقة متى كانت من

جهة الزوج فلها النفقة وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق لها النفقة.

(عالمگيريه: ۱/ ۵۵۷ الفصل الثالث في نفقة المعتدة)

البتہ جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا ہو اس کو عدت وفات دوران رہائش اور نفقہ شوہر کے مال سے نہیں ملے گا، بلکہ اس کا ذمہ دار عورت خود ہے۔ باقی ورثہ کی اجازت سے ورثہ کے مکان رہے اس کی گنجائش ہے۔

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله: ولا نفقة لأحد عشر (إلى قوله) ومعتدة موت. (ردالمحتار:۳/ ۵۷۷ باب النفقة)

عدت شوہر کے مکان میں نہ گزارے تو نفقہ لازم نہیں

مطلقہ عورت اگر عدت شوہر کے گھر نہ گزارے بلکہ میکے چلی جائے تو شوہر کے ذمہ نفقہ لازم نہیں، اور نفقہ نہ دینے سے شوہر گناہگار بھی نہ ہوگا۔

وفي الشامية (قوله بخلاف حرة نشزت إلخ) أي ان الحرة إذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسكنىٰ إذا عادت إلى بيت الزوج.(ردالمحتار:۳/ ۵۷۵ باب النفقة)

خلع میں عدت کا نفقہ واجب ہے

خلع میں عدت شوہر کے مکان میں گذارنے کی صورت میں شوہر پر ایام عدت کا نفقہ واجب ہے، البتہ اگر عقد خلع میں اسقاط نفقہ کی شرط لگائی گئی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

قال في التنوير ويسقط الخلع والمبارأة كل حق لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذلك النكاح إلا نفقة العدة إلا إذا نص عليها.

(ردالمحتار:۳/ ۴۵۲ باب الخلع)

گذشتہ ایام کا نفقہ

ایک شخص شادی کے بعد کافی عرصہ وطن سے دور رہا، مثلاً عرصہ دس تک دور رہا، بیوی کو میکے چھوڑ دیا۔ اس عرصہ میں بیوی کو خرچہ نہیں دیا، لڑکی اپنے والدین کے گھر ہی رہی اب دس سال کے بعد وطن واپس آیا اور بیوی کو اپنے گھر آباد کرنا چاہتا ہے لیکن سسرال والے دس سال

کے خرچہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو کیا سسرال والوں کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ دس سال کے خرچے کا مطالبہ کرے تو اس بارے میں شریعت کا حکم اگر شوہر نے ماہانہ خرچہ کی ایک خاص مقدار دینے کا وعدہ کیا، یا لڑکی نے خرچہ کے لیے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور عدالت نے فیصلہ کیا کہ اتنی مقدار ماہانہ قرض لے کر یا اپنی ذاتی رقم سے خرچ کریں تب تو شوہر سے اس مقدار کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

لیکن اگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تو اس مدت کا خرچہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہے، شوہر سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔

قال في العلائية والنفقة لا تكون دينا إلا بالقضاء أو الرضاء أي إصطلاحهما على مقدار معين إصنافا أو دراهم فقبل ذلك لا يلزمه شيء وبعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا أمر قاض. (ردالمحتار:۳/باب النفقة)

وفيها وأما ما دون شهر ونفقة الزوجة والصغير فتصير دينا بالقضاء وفي الشامية أما الصغير ففيه ماعلمت وأما الزوجة فإنما تصير دينا بالقضاء ولا تسقط بمضي المدة لأن نفقتها لم تشرع لحاجتها كالأقارب بل لاحتباسها (إلى قوله) والحاصل أن نفقة الزوجة قبل القضاء كنفقة الأقارب بعد القضاء في أنها تسقط بمضي المدة الطويلة. (ردالمحتار: ۳/باب النفقة)

پیشگی نفقہ کی واپسی کا مطالبہ

اگر کسی شخص نے بیوی کو پیشگی نفقہ دیا بعد میں وہ عورت ناشزہ ہونے یا کسی اور عارضہ پیش آنے کی وجہ سے نفقہ کا مستحق نہیں رہی تو ادا کردہ نفقہ کی واپسی کا حق نہیں بلکہ اس کی مالک بیوی ہے۔

ولا ترد النفقة والكسوة المعجلة بموت أو طلاق عجلها الزوج أو ابوه ولو قائمة به يفتى اهـ. وفي الشامية ووجه الحاصله لزوجته ولا رجوع فيما يهبه لزوجة.

(ردالمحتار: ۹٦/۳ ایچ ایم سعید کراچی)

علاج کا خرچہ شوہر کے ذمہ لازم نہیں ہے

عورت اگر بیمار ہو جائے تو اور بیماری کے زمانہ میں شوہر کے گھر میں ہو یا شوہر کی اجازت سے میکے گئی ہو بہرصورت خرچہ شوہر کے ذمہ ہے، لیکن ہر دو صورت بیوی کے علاج ومعالجہ کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں البتہ اگر شوہر بیوی کے علاج کا خرچہ برداشت کرے تو یہ اس کا احسان ہے، اور مروۃ اس کو برداشت کرنا چاہیے۔

ولا يجب الدواء للمرض ولا الفصد ولا الحجامة كذا في السراج الوهاج ا هـ. (فتاوى عالمگيريه: ۱/۵٤۹ باب النفقة ردالمحتار مطلب لا تجب على الأب نفقة زوجة إبنه الصغير باب النفقة)

حج کے زمانہ کا نفقہ

عورت اگر حج کے لیے جائے، چاہے بغیر محرم کے جائے یا شوہر کے علاوہ کسی محرم کے ساتھ دونوں صورتوں میں عورت نفقہ کی حقدار نہیں بلکہ اپنا خرچہ اس کو خود برداشت کرنا ہو اور اگر اپنے شوہر کے ساتھ حج کے لیے تو جہاز اور گاڑی کا کرایہ وغیرہ تو شوہر کے ذمہ لازم نہیں لیکن کھانے پینے کا اتنا خرچہ شوہر پر لازم جو وہ گھر میں ادا کرتا تھا یا اس پر خرچ کرتا تھا۔

فإن حجت بلا محرم ولا زوج فهي ناشزة وإن حجت مع محرم لها دون الزوج فلا نفقة لها في قولهم جميعا وأما إذا حج الزوج معها فلها النفقة إجماعا ويجب عليه نفقة الحضر دون السفر ولا يجب الكراء. (عالمگيريه: ۱/۵٦۲)

ولادت کے مصارف

بیوی اگر شوہر کے گھر میں ہے، اور گھر میں ولادت ہوئی یا شوہر خود یا اس کی مرضی سے کوئی دوسرا شخص ہسپتال لے گیا تو ولادت کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہوگا اور اگر بیوی روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی اور شوہر کے بلانے کے باوجود واپس نہیں آتی اسی زمانہ میں بچے کی ولادت ہوئی اس کے لیے عورت کے گھر والے اپنی مرضی سے ہسپتال لے گئے یا باپ کے گھر میں ولادت ہوئی تو خرچہ شوہر کے ذمہ لازم نہیں، مصالحت پر اپنی خوشی سے ولادت کے مصارف ادا کرے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

وأجرة القابلة على من استاجرها من زوجة وزوج، ولو جأت بلا استيجار قيل عليه وقيل عليها وفي الشامية ويظهر لي ترجيح الأول.

(الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۳/۵۷۹ مطبوعه سعید کراچی)

هكذا في بهشتي زيور باب النفقة.

کسب سے عاجز کا نفقہ

اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: جولوگ کمانے کی قدرت نہیں رکھتے جیسے بیوہ عورتیں، یتیم بچے، آنکھ یا ہاتھ پاؤں سے معذور یا کسی شدید مرض میں مبتلا لوگ، کیا ان کے مصارف حکومت کے ذمہ فرض ہیں؟ اگر نہیں تو اسلام میں ان کے معاش کا کیا انتظام ہے؟ بینوا توجروا عند اللہ الجلیل۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کسب سے عاجز لوگوں کا نفقہ ان کے ذی رحم محارم رشتہ داروں کے ذمہ ہے، وجوب نفقہ کے لحاظ سے ان کی سات قسمیں ہیں:

۱- فقط فروع: الاقرب فالاقرب، یعنی پہلے اولاد، وہ نہ ہو تو اولاد کی اولاد، مذکر ومؤنث پر برابر۔

۲- فروع مع حواشی: اس میں نفقہ فقط فروع پر ہے، اور اس کا ضابطہ قسم اول کی طرح ہی ہے۔

۳- فروع مع اصول: اس میں والدین پر ولد بلاواسطہ مقدم ہے، یعنی والدین کے ساتھ بیٹی یا بیٹا ہو تو نفقہ والدین پر نہیں، بلکہ بیٹے یا بیٹی پر ہے، اس کے بعد الاقرب فالاقرب، اس لیے باپ کے ساتھ پوتا یا پوتی ہو تو نفقہ باپ پر ہے، قرب وبعد میں برابر ہوں تو ہر ایک پر بقدر ارث، اس لیے دادا اور پوتا ہوں تو دادا پر ۱/۶ اور پوتے پر ۵/۶۔

۴- فروع مع اصول وحواشی: اسکا حکم قسم ثالث کی طرح ہے۔

۵- فقط اصول: باپ سب سے مقدم ہے، وہ نہ ہو تو یا بعض اصول وارث ہوں گے اور بعض غیر وارث اور یا سب وارث ہوں گے، نوع اول میں الاقرب فالاقرب، اس لیے ماں اور نانا ہوں تو نفقہ ماں پر ہے، قرب وبعد میں برابر ہوں تو ان میں سے جو وارث ہو اس پر

نفقہ ہے، اس لیے نانا ودادا ہوں تو نفقہ دادا پر ہے، اور نوع ثانی یعنی سب وارث ہوں تو بقدرِ ارث اس لیے ماں اور دادا ہوں تو ماں پر ۱/۳ اور دادا پر ۲/۳۔

۶۔ اصول مع حواشی: اگر فریقین میں سے کوئی فریق غیر وارث ہو تو نفقہ اصول پر ہے، اس لیے دادا اور بھائی ہوں تو نفقہ دادا پر ہے، اور نانا اور چچا ہوں تو نانا پر ہے، اور اگر دونوں فریق وارث ہوں تو نفقہ بقدرِ ارث ہے، اس لیے ماں کے ساتھ عینی یا علی بھائی یا بھتیجا یا چچا وغیرہ کوئی عصبہ ہوں تو ماں پر ۱/۳ اور عصبہ پر ۲/۳

اس قسم میں اگر اصول متعدد ہوں تو ان میں قسم خامس والا ضابطہ جاری ہوگا۔

جب جد حاجب ہونے میں بمنزلہ اب ہوں تو وجوب نفقہ میں بھی بمنزلہ اب شمار ہوگا، مثلاً ماں، دادا بھائی ہوں تو چونکہ جد بھائی کے لیے حاجب ہے اس لیے بمنزلہ اب ہو جانے کی وجہ سے پورا نفقہ اسی پر ہوگا۔ ماں پر کچھ نہیں، اور اگر بھائی نہ ہوتا صرف ماں اور دادا ہوتے تو جد بمنزلہ اب نہ ہوتا، اس لیے نفقہ بقدرارث ماں پر ۱/۳ اور دادا پر ۲/۳ ہوتا، جیسا کہ قسم ثالث میں گذرا۔

۷۔ فقط حواشی: اس میں نفقہ بقدرارث ہے، بشرطیکہ ذی رحم محرم ہوں، غیر ذی رحم محرم جیسے چچازاد وغیرہ پر نفقہ نہیں۔

تفصیل مذکور اس وقت ہے جب کہ سب موجود رشتہ دار غنی ہوں، اگر ان میں سے کوئی مسکین ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ دوسرے وارثوں کو محروم کر رہا ہو تو اس کو بمنزلہ میت قرار دینے سے جو رشتہ دار بنتے ہوں نفقہ ان پر بقدرارث ہوگا، اور اگر یہ دوسروں کو محروم نہیں کرتا تو اس کو زندہ شمار کرنے سے دوسرے وارثوں کو جس مناسبت سے حصہ وراثت ملتا ہے اس کے مطابق ان پر نفقہ ہوگا، مثلاً بیٹا مسکین، خیفی بھائی اور عینی بھائی ہوں تو چونکہ بیٹا ہر قسم کے بھائی کو محروم کر رہا ہے اس لیے اس کو مردہ تصور کریں گے اس کے بعد حصہ وراثت خیفی بھائی کا ۱/۶ اور عینی بھائی کا ۵/۶ ہے، اس لیے ان پر نفقہ بھی اسی مناسبت سے واجب ہوگا، اور اگر صورتِ مذکورہ میں مسکین بیٹے کی بجائے مسکین بیٹی ہو تو چونکہ وہ صرف خیفی بھائی کو محروم کرتی ہے عینی کو نہیں، اس لیے اس بیٹی کو زندہ شمار کریں گے، تو خیفی بھائی کو ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اسلیے اس پر نفقہ بھی نہیں، کل نفقہ عینی بھائی پر واجب ہوگا۔ اگر مذکورہ رشتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو یا سب مسکین ہوں تو سرکاری بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا، اس میں بھی گنجائش نہ ہو تو عامۃ المسلمین پر فرض ہے۔

وهذا تلخيص تحرير العلامة ابن عابدين في ردالمحتار: ۲/۷٤۰

رحمه الله تعالىٰ ونفعنا بعلومه وجزاه عنا وعن سائر المسلمين أحسن الجزاء فقط والله تعالىٰ أعلم.

(ماخوذ از احسن الفتاوىٰ لمفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ٥/٤٧٠)

تجب على الموسر نفقة أبويه وأجداده وجداته.

(مجمع الأنهر: ٢/١٩٥ باب النفقة)

مکان نہ ملنے کی وجہ سے میکے چلی گئی

بیوی کی الگ رہائش کے لیے ایک ایسے کمرہ کا انتظام کرنا شوہر پر فرض ہے جس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہ ہو، شوہر کی طرف سے ایسی رہائش کا انتظام ہونے کے باوجود بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے تو وہ ناشزہ ہے، اس کا نفقہ شوہر پر نہیں، اگر شوہر ایسی رہائش کا انتظام نہ کرے تو بیوی بلا اجازت دوسری جگہ جانے سے ناشزہ نہیں بنتی، اس لیے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اب اگر کسی نے بیوی کی الگ رہائش کا ایسا انتظام نہیں کیا، اس لیے اس پر بیوی کا نفقہ واجب تھا، قاضی کے فیصلہ کے بعد جتنی مدت گزری اس کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے، اس سے پہلے جو ایام گزرے ان کا نفقہ نہیں لے سکتی۔ لان النفقة تسقط بمضي المدة بدون القضاء أو الرضاء أي تراضي الزوجين على قدر معين۔

بیوی کے لیے مکان کی تفصیل

بیوی اگر شوہر کے والدین سے الگ مکان طلب کرے تو اسے بالکل الگ مکان میں رکھنا ضروری ہے، یا کہ والدین کے مکان میں ایک مستقل کمرہ دیدینا کافی ہے؟ تو اس مسئلہ کی تفصیل یوں ہے کہ:

اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ علاوہ باورچی خانہ، غسلخانہ اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسلخانہ اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضایقہ نہیں۔

قال في التنوير وكذا تجب له السكنىٰ في بيت خال عن أهله وأهلها

بقدر حالهما وبيت منفرد من دار له غلق كفاها، وفي الشرح زاد في الاختيار والعيني ومرافق ومفاده لزوم كنيف ومطبخ، وينبغي الافتاء به بحر (إلى قوله) وفي البحر عن الخانية يشترط أن لا يكون في الدار أحد من أحماء الزوج يؤذيها، ونقل المصنف عن الملتقط كفايته مع الاحماء لا مع الضرائر، وفي الشامية (قوله ومفاده لزوم كنيف مطبخ) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار، قلت وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء، ويأتي تمامه قريبا، وفيها تحت (قوله وفي البحر عن الخانية) وعلى ما نقلنا عن ملتقط أبي القاسم وتجنيسه للأسترشني أن ذلك يختلف باختلاف الناس ففي الشريفة ذات اليسار لابد من أفرادها في دار، ومتوسط الحال يكفيها بيت واحد من دار ومفهومه أن من كانت من ذوات الأعسار يكفيها بيت واحد ولو مع أحمائها وضرتها كأكثر الأعراب وأهل القرى وفقراء المدن الذين يسكنون في الاحراش والربوع، وهذا التفصيل هو الموافق لما مر من أن المسكن يعتبر بقدر حالهما ولقوله تعالىٰ اسكنوهن ن حيث سكنتم من وجدكم، وينبغي اعتماده في زماننا هذا، قد مر أن الطعام والكسوة يختلفان باختلاف الزمان والمكان (إلى قوله) وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتبارا في السكنىٰ بالمعروف، إذ لاشك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان، فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده، إذ بدون ذلك لاتحصل المعاشرة بالمعروف، وقدقال تعالىٰ ولاتضاروهن لتضيقوا عليهن. (ردالمحتار: ۲/۷۱۹)

فقط والله تعالىٰ اعلم۔ (ماخوذ از احسن الفتاوىٰ: ۵/۴۷۶)

معتدۂ موت کے لیے نفقہ سکنیٰ نہیں

معتدۂ موت کا نفقہ اور سکنیٰ (رہائش) شوہر کے مشترکہ ترکہ میں سے لازم نہیں بلکہ اس کو

شوہر کے ترکہ سے جو حصہ ملا اس کو اپنے اوپر خرچ کرے، نیز شوہر کے مکان سے جو حصہ ملا اس میں رہائش اختیار کرے، اگر حصہ چھوٹا ہونے کی بنا پر رہائش کا قابل نہ ہو تو دوسرے وارثوں پر واجب نہیں کہ اپنے حصہ میں ایام عدت گزارنے دیں بلکہ بطیب خاطر اجازت دیں تو بہتر ورنہ دوسرے قریب تر مکان میں عدت گزارے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: ولا نفقة لأحد عشر (إلى قوله) ومعتدة موت. (ردالمحتار: ۳/۷۵۷ باب النفقة)

سئل فيمن توفي وزوجته حامل فهل نفقة في مال الزوج أم لا؟ أجاب اختلف المشايخ فيما إذا كانت حاملا قال بعضهم نفقتها في جميع المال وقال بعضهم لا نفقة لها في مال الزوج وهو الصحيح كما في الخلاصة.

(خلاصة الفتاوىٰ: ۲/۵۸، كتاب النكاح الفصل التاسع العشر في النفقات)

عورت پر گھر کا کام لازم ہونے کی تفصیل

عورت اگر بیماری کی وجہ سے گھر کے کام کرنے پر قادر نہیں، یا ایسے اونچے خاندان کی لڑکی ہے کہ ان کے ہاں اپنے ہاتھوں سے کپڑے دھونا، جھاڑو پونچھا لگانا، برتن مانجنا عیب ہے تو ایسی صورت میں شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ تیار کھانا بیوی کو فراہم کرے، اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں تو گھر کا سب کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنا عورت پر واجب ہے، مرد کے ذمہ یہ لازم ہے کہ چولہا چکی کچا اناج اور کھانا پکانے کے دیگر سامان فراہم کرے، اور عورت خود پکانے کا کام انجام دے۔

امتنعت المرأة من الطحن والخبز إن كانت ممن لا تخدم أو كان بها علة فعليه أن يأتيها بطعام مهياً وإلا بأن كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك لايجب عليه، ويجب عليه آلة طحن وآنية شراب، وطبخ ككوز وجرة وقدر ومغفرفة.

(الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳)

ضعیف والدین کا نفقہ

اگر والدین مالی تعاون کا محتاج ہوں، کہ اپنے خرچہ پورا کرنے پر قادر نہ ہوں اور اولاد

کے پاس موجود ہو تو اولاد پر والدین کا مالی خرچہ برداشت کرنا لازم ہے، اگر کئی لڑکے موجود ہوں تو آپس میں تقسیم کر کے خرچہ برداشت کرے اگر بعض صاحب حیثیت اور بعض لڑکے غریب ہیں تو صاحب حیثیت پر لازم ہے۔

اگر اولاد بھی سب کے سب غریب ہوں تب بھی اپنے بچوں کے ساتھ والدین کا خیال رکھنا اپنا خرچہ کر کے ان کا خرچہ برداشت کرنا یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاقی برتاؤ میں داخل ہے، یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور والدین بھوکے پڑے رہیں۔

عن عمر بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله إن لي مالا وولد وإن والدي يحتاج مالي قال انت ومالك لوالدك أن أولادكم من اطيب كسبكم فكلوا من كسب اولادكم.

(أبوداؤد :۲/۴۹۸ كتاب البيوع باب الرجل يأكل من مال ولده)

تجب على الموسر نفقة أبويه وأجداده وجداته.

(مجمع الأنهر :۲/۱۹۵ باب النفقة)

وفي الهندية قال: فإن كان فيه فضل عن قوته يجبر الإبن على نفقة الأب وإن لم يكن فيه فضل عن قوته فلا شيئ عليه بالحكم ولكن يؤمر من حيث الديانة هذا إذا كان الإبن وحده وإن كان زوجة وأولاد الصغار يجبر الإبن على أن يدخل الأب في قوته ويجعله كأحد من عياله ولا يجبر على أن يوتيه شيئا على حدة.

(عالمگيريه: ۱/۵۶۵ باب النفقة الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام)

فاسقہ والدہ کا نفقہ

اگر کسی کی والدہ غریب محتاج ہے، وہ کمانے پر قادر نہیں ہے تو لڑکے پر والدہ کا نفقہ واجب ہے، اگر چہ وہ کافرہ، فاسقہ ہو کسی فسق وفجور میں مبتلا ہو۔

ويجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين مسلمين كانا أو ذميين والأم إذا كانت فقيرة فإنه يلزم الإبن نفقتها.

(عالمگيريه:۱/۵۶۴ الباب الخامس في نفقة ذوي الأرحام)

مطلقہ کی دودھ پلانے کی اجرت

مطلقہ عورت کی ایام عدت کا نفقہ چونکہ شوہر کے ذمہ لازم ہے، اس لیے عدت کے دوران بچے کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں لے سکتی، البتہ بچہ مالدار ہو تو اسکے مال سے اجرت طلب کر سکتی ہے، عدت گذرنے کے بعد بہر حال اجرت لے سکتی ہے۔ اگر کوئی اجنبیہ بلا اجرت دودھ پلانے پر راضی ہو تو ماں اجرت نہیں لے سکتی۔

قال في شرح التنوير: لايستأجر الأب أمه لومنكوحة ولو من مال الصغير خلافا للذخيرة والمجتبىٰ أو معتدة رجعي وجاز في البائن في الأصح جوهرة كاستاجر منكوحته لوالده من غيرها وهي أحق بارضاع ولدها بعد العدة إذا لم تطلب زيادة على ماتأخذه الأجنبية ولو دون أجر المثل بل الأجنبية المتبرعة أحق منها. زيلعي

(ردالمحتار :۳)

بالغ طالب علم کا نفقہ والد پر ہے

دینی علم حاصل کرنے والے طالب علم اگر چہ بالغ ہو اس کا نفقہ والد کے ذمہ ہے، بشرطیکہ فقیر ہو، اور طلب علم میں کوتاہی نہ کرتا ہو، جیسا عموماً آج کل طلبہ کی حالت ہے کہ تضیع الوقت کے سوا ان کا کوئی کام نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله وكذا تجب (النفقة) لولده الكبير العاجز عن الكسب (إلى أن قال) وطالب علم لايتفرغ لذلك كذا في الزيلعي والعيني وافتى أبو حامد بعدمها لطلبة زماننا كما بسطه في القنية ولذا قيده في الخلاصة بذي رشد، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله أقول الحق الذي تقبله الطباع المستقيمة ولا تنفر منه إلا ذواق السليمة القول بوجوبها لذي الرشد لاغيره إلخ.

(ردالمحتار:۳)

❁❁❁❁❁

باب المتفرقات

نکاح کے متفرق مسائل

منگنی ہو جانے کے بعد لڑکے اور لڑکی کا آزادانہ ملنا خلوت میں رہنا گناہ ہے

منگنی نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں، رشتہ طے ہونے کے بعد جب تک دو گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول نہ ہوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی ہوتے ہیں لہٰذا آپس میں آزادانہ ملنا، خلوت میں رہنا سب حرام ہے صحبت کرنا زنا کے حکم میں، بچہ پیدا ہوگا تو حرامی شمار ہوگا، اگر منگنی کے بعد الگ رہنا ناقابل برداشت ہے تو نکاح ہی کر لیا جائے۔ اس والدین کو بھی تعاون کرنا چاہیے نکاح پڑھوا دے۔

ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین إلخ. (هدایه کتاب النکاح:۲/۳۶)

منگنی کے لیے لڑکی کا فوٹو بھیجنا

جس لڑکی سے منگنی کا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھنا یا رشتہ دار محرم کا خواتین کے ذریعہ اس کے اوصاف عادات واخلاق کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے لیکن اس کے لیے فوٹو بھیجنا جائز نہیں، نیز منگنی ہو جانے کے بعد نکاح سے قبل بھی ایک دوسرے کے تصویر کا تبادلہ جائز نہیں کیونکہ فوٹو دیکھنا فی نفسہ گناہ ہے۔ منگیتر کو بھیجنے کے لیے فوٹو کھینچوانا پھر بھیجنا ایک دوسرے کے فوٹو کو دیکھنا سب ناجائز ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا علي لا تتبع النظر النظر فإن الأولیٰ لك والثاني عليك. (مشکوٰة)

ويجوز النظر إلى المرأة الذي يريد أن يتزوجها عندنا وعندا لشافعي

وأحمد وأكثر العلماء وجوز مالك بإذنها. وروي عنه المنع مطلقا ولو بعث امرأة تصفها له لكان أدخل في الخروج عن الخلاف.
(لمعات شرح مشکوٰۃ حاشیة مشکوٰۃ: ۲/ ۲٦۸)

خطبہ کے بغیر نکاح

نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے خطبہ مسنونہ پڑھا جائے اس کے بعد ایجاب وقبول کرایا جائے اگر خطبہ مسنون کے بغیر دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرالیا جائے تب بھی نکاح تو منعقد ہو جائے گا مگر یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

ویندب إعلانه وتقدیم خطبة إلخ. (ردالمحتار: ۳/ ۸ سعید کراچی)

شادی ہال میں دعوت

شادی ہال میں اگر مرد وعورت کا مخلوط ماحول نہ ہو اور پردے کا پورا اہتمام ہو نیز گانا بجانا، مووی وتصویر کشی جیسی دیگر خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہو تو مختصر وقت کے لیے شادی ہال جا کر دعوت میں شرکت کرنا جائز ہے۔ نیز مذکورہ شرط پائی جانے کی صورت میں خواتین کے لیے بھی شرکت جائز ہے۔ البتہ کپڑوں اور زیورات کی نمائش سے اجتناب لازم ہے اور جہاں ان شرائط کا لحاظ نہ ہو تو مرد وخواتین دونوں کے لیے شادی میں شرکت جائز نہیں۔

رخصتی گھر سے یا شادی ہال سے؟

خیر القرون میں شادی ہال کا وجود ہی نہیں تھا، اس لیے رخصتی گھر سے ہوتی تھی، اور سادگی کے ساتھ ہوتی تھی، لہٰذا اصل طریقہ تو یہی ہے کہ گھر سے رخصتی ہو تاہم کوئی اپنی سہولت کے پیش نظر شادی ہال سے رخصتی کروانا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ شادی ہال میں مرد وخواتین کا مخلوط ماحول نہ ہو، بلکہ پردے کا پورا اہتمام ہو اور مووی اور تصویر جیسی خرافات کا ارتکاب نہ ہو اور ریا نمود بھی نہ ہو، اس کی وجہ سے قرض وغیرہ کا بوجھ بھی اپنے اوپر نہ ہو۔ نیز رخصتی کے موقع پر دعوت کو سنت نہ سمجھا جائے محض رشتہ داروں کو کھانا کھلانے کی نیت ہو۔

شادی کے موقع پر ہدایا اور تحائف

شرعاً ایک دوسرے کو ہدیہ دینے میں کوئی مضایقہ نہیں بلکہ یہ مطلوب ہے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کو محبت بڑھانا کا ذریعہ بتلایا ہے، تہادو تحابوا مگر جب اس کو جانبین سے لازم سمجھا جانے لگے، اور نہ دینے پر عملاً ناراضگی کا اظہار کرتے ہوں جیسا کہ آج کل اکثر علاقوں اور برادریوں میں اسی طرح ہوتا ہے جس کا نام رسم نیوتہ رکھا ہے تو ایسے وقت ایک ناجائز رسم بن کر رہ جاتی ہے اس لیے اس رسم کی پابندی ناجائز اور اجتناب لازم ہے۔

قلت ومن ذلك ما يبعثه إليها قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي، وكذا مايعطيها من ذلك أو من دراهم ودنانير صبيحه ليلة العرس ويمسي في العرف صبيحة فإن كل ذلك لعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر لا سيما المسمي صبيحة فإن الزوجة تتعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحه العروس أيضا. (ردالمحتار مطلب فيمايرسله إلى الزوجة: ۳/۱۵۳)

نابالغ بچوں کے نکاح کا طریقہ

باپ اور دادا اگر نابالغ اولاد کا مناسب جگہ رشتہ کرائے تو ایجاب وقبول کا طریقہ یہ ہوگا:

مجلسِ نکاح میں نکاح خواں دو گواہوں کی موجودگی میں حاضرین مجلس کے روبرو نابالغہ لڑکی کے باپ سے خطاب کرکے یوں کہے کہ آپ نے اپنی لڑکی اتنے مہر کے عوض میں فلاں صاحب کے لڑکے کے نکاح میں بیوی بنا کر دی، نابالغہ کے والد کہے ہاں دی اب نکاح خواں نابالغ کے باپ سے خطاب کرکے کہے کہ میں فلاں صاحب کی لڑکی کو اپنے لڑکے کے نکاح میں بیوی بنا کر قبول کی تو نابالغ کا باپ کہے کہ قبول کی اس طرح ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جائے گا، رجسٹر میں نام انہی بچوں کا درج ہو اور دونوں کے والد بقلم کرکے اپنا نام لکھے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۸/۲۲۳)

نکاح خوانی کی اجرت

نکاح پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے اجرت لی جائے جس نے بلایا ہے، اور وہی شخص اجرت لے سکتا ہے جس نے نکاح پڑھایا ہے۔ اور یہ جو رواج ہے کہ بلانے والا لڑکی والا ہوتا ہے اور اجرت لڑکے والے دیتے ہیں یہ ناجائز ہے۔

نیز یہ رواج بھی ناجائز ہے کہ نکاح پڑھانے والے کو تھوڑی سی اجرت دیکر باقی روپیہ قاضی کو بطور حق دیا جاتا ہے، قاضی نے جب کام نہیں کیا اس کا حق کچھ نہیں۔

(امدادالاحکام ۳/۶۱۱. کتاب الاجارۃ)

البتہ قاضی اگر نکاح رجسٹرار ہو تو سرکاری فیس اور فارم کی لکھوائی وصول کر سکتا ہے، جو پہلے سے متعین کر لی جائے تا کہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

جنسی بے راہ روی کے تباہ کن اثرات

اس وقت مغربی معاشرے کی تباہی بربادی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب جنسی بے راہ روی ہے۔ مغربی معاشرہ کا ہر دسواں فرد ایڈز کا مریض ہے اور یہ بیماری تیزی سے مشرقی ممالک کی طرف بھی سرایت کر رہی ہے۔ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اس مرض کا سبب، مرد کا مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا ہے۔ اسی طرح شہوت رانی کے دوسرے غلط طریقے یہ مرض اس قدر خطرناک ہے کہ اس سے مغربی معاشرہ سخت پریشان ہے لیکن ان کا معاشرہ اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ دوبارہ اس کو استوار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوئی صورت ان کے پاس نہیں۔ اس کے برخلاف دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اعتدال کا راستہ دکھایا ہے، جنسی بے راہ روی کو دنیا و آخرت کے لیے تباہ کن قرار دے کر اس سے سختی کے ساتھ روکا اور دوسری طرف جنسی تسکین حاصل کرنے کے لیے عفت و عصمت کا نظام قائم کیا۔ وہ یہ کہ حلال طریقے سے مرد، عورت کے ساتھ نکاح کرے اور جنسی ضرورت کو پوری کرے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔

شادی سے شرمگاہ محفوظ ہو جاتی ہے:

چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عن عبداللہ بن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يامعشر الشباب من استطاع منكم الباة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء. متفق عليه. (مشکوٰۃ:۲/۲۶۷)

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت (یعنی بیوی کے نفقہ و مہر پر قدرت) رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح، نظر کو پست کرتا ہے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ (یعنی نکاح کے ذریعے حلال طریقے سے قضاء شہوت سے اجنبی عورت کی طرف نظر قصداً مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے

بچا رہتا ہے) اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزہ رکھا کرے کیونکہ روزہ اس کے خصی کرنے کا فائدہ دے گا (یعنی روزہ سے شہوت کے زور میں کمی آجائے گی، جنسی ہیجان کمزور ہو جائے گا)''۔

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب عام کے ذریعے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے اس کے دو اہم فوائد بیان فرمائے:

ایک تو اجنبی عورت اور دیگر حرام جگہ (جہاں پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں) ان پر نظر ڈالنے سے بچا رہتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ حرام کاری (زنا) سے محفوظ رہتا ہے۔ نکاح کے علاوہ ایک اور صورت کی بھی اجازت ہے کہ کسی کی مِلک میں شرعی باندی (لونڈی) موجود ہو اور اس سے جنسی تسکین حاصل کرنے میں کوئی مانع موجود نہ ہو تو اس سے بھی جنسی تسکین حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں جنسی تسکین حاصل کرنے کے یہی دو راستے ہیں، اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے کامل مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿والذین هم لفروجهم حافظون إلا علی أزواجهم أو ماملك ایمانهم فإنهم غیر ملومین﴾ (مومنون:۷)

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔ ہاں! جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں۔'' (مومنون:۷)

اس کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں جو تیسرا جملہ ہے کہ یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدے سے حاصل شدہ لونڈی کے ساتھ قضاء شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پوری کرنے کے لیے حلال نہیں، اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اس پر حرام ہے، اس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی امرد لڑکے سے یا

جانور کے ساتھ شہوت پوری کرنا اور جمہور کے نزدیک (استمنا بالید) یعنی ہاتھ سے منی خارج کرنا بھی اس حرمت میں داخل ہے۔ (معارف القرآن بحوالہ بیان القرآن، تفسیر قرطبی، بحرمحیط)

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے جنسی بے راہ روی کی تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں ہر صورت کو واضح طور پر ممنوع فرمایا اس سے معاشرے کے بگاڑ کا سبب اور اس کی دنیا و آخرت کے تباہ کن اثرات کا ذکر فرمایا۔

زنا کی تباہ کاریاں

قرآن وحدیث میں زنا کاری پر سخت وعید وارد ہوئی ہیں چنانچہ ایک طویل حدیث میں مختلف گناہوں کا وبال ذکر کرتے ہوئے زنا کو کثرتِ موت کا سبب قرار دیا ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال ماظهر الغلول في قوم إلا لقى الله في قلوبهم الرعب، ولا فشاء الزنا في قوم إلا كثرفيهم الموت ولا نقص قوم المكيال والميزان إلا قطع عنهم الرزق، ولا حكم قوم بغير حق إلا فشا فيهم الدم ولا ختر قوم بالعهد إلاسلط عليهم العدو. رواه مالك (مشكوٰة باب تغير الناس: ٢/٤٥٩)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ:

1 جب کوئی قوم مالِ غنیمت میں خیانت کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں دشمن کا رعب پیدا کر دیتا ہے۔

2 جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے۔ (یعنی وبائی امراض پھیل جاتے ہیں، یا علماء صلحا اٹھالیے جاتے ہیں جس سے قوم جہالت میں مبتلا ہو جاتی ہے)

3 جو قوم (خرید و فروخت کے وقت) ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس کا رزق اٹھالیا جاتا ہے (یعنی رزق کی برکت ختم ہو جاتی ہے)۔

4 جو قوم (یعنی جس قوم کا ارباب اقتدا) ظالمانہ فیصلے صادر کرتے ہیں ان میں آپس کی خون ریزی بڑھ جاتی ہے (فتنے فساد پھوٹ پڑتے ہیں۔)

5 جو قوم اپنے عہد پیمان آپس کے معاہدے وعدہ وعہد توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں دوسرے گناہوں پر وبال کے ساتھ زنا کاری کا خاص وبال یہ ذکر ہوا کہ اس سے موت کی کثرت ہو جاتی ہے، نئی نئی بیماریاں پھیلنا، ہیضے، طاعون، زلزلے طوفان اور دیگر حادثاتی اموات وغیرہ۔

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"ما من ذنب بعد الشرك أعظم عندالله من نطفة وضعها رجل في رحم لا يحل له. (ابن كثير: ۳/ ۳۸)

"شرک کے بعد اس سے کوئی بڑا گناہ نہیں ہے کہ آدمی ایسی عورت کے رحم میں نطفہ ڈالے جو اس کے لیے حرام ہے۔ (یعنی زنا کرے)" (احمد وطبرانی)

زنا کے وقت ایمان کی حالت

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا زنى العبد خرج منه الإيمان فكان فوق رأسه كالظلة فإذا خرج من ذلك العمل يرجع إليه الإيمان. (مشكوٰة باب الكبائر)

بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن کر رہتا ہے، اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے گویا مومن مومن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

لايزني الزاني حين يزني وهو مومن إياكم إياكم.

(مشكوٰة باب الكبائر)

"زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا (لہٰذا اس قبیح فعل سے بچو بچو!)"

قوله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشة وساء سبيلا﴾

(إسراء: ١٤)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات اور برا راستہ ہے۔''

زنا جرمِ عظیم ہے

زنا کے مفاسد بے شمار ہیں، یہ انجام کے لحاظ سے ناحق خون بہانے سے کم نہیں، قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان: ٦)

''جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر، اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا برا کام کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔''

زنا کاری ہلاکت کا سبب

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماظهر الربا والزنا في قرية إلا أذن الله باهلاكها.

(الجواب الكافي: ٢٢٠)

''کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت دیدیتا ہے۔''

زنا قحط سالی کا سبب ہے

اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مامن قوم يظهر فيهم الزنا إلا أخذوا بالسنة ما من قوم يظهر فيهم الرشاء إلا أخذوا بالرعب. (مشكوٰة باب الحدود: ٣١٣)

جس قوم میں زنا کاری عام ہو جاتی ہے، وہ قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کی جاتی ہے،

اور جس قوم میں رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے، اس پر دشمن کا خوف مسلط کردیا جاتا ہے۔"

انسان جب عفت اور عصمت کے سلسلہ میں شرعی حدود کی پاسداری نہیں کرتا جائز اور ناجائز کی تفریق مٹادیتا ہے، تو اس وقت پوری قوم فتنے میں اور عذاب میں ڈال دی جاتی ہے، بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی امتوں میں سے ایک خاص تاریخی امت ہے، اس میں بھی فتنہ عورتوں کے راستہ سے آیا، اور فتنہ جب آیا تو پوری کی پوری قوم تہس نہس ہوکر رہ گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"فاتقوا الدنيا واتقوا النساء فإن أول فتنة بني إسرائيل كانت في النساء. (مشکوٰۃ باب النکاح)

"دنیا اور عورتوں سے بچو اس لیے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔"

(مشکوٰۃ)

یوسف علیہ السلام کا اعلانِ حق

یوسف علیہ السلام کا واقعہ جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے اس سے بھی زنا کی برائی اور اس کے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو خرید کر جب عزیز مصر نے اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو۔ تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر کچھ ہی عرصہ گذرا تھا اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال پر مفتوں ہوگئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کرلے، جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی، عیش ونشاط کے سارے سامان فراہم، نفسانی جذبات اپنے شباب پر محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے، تنہائی کا عالم، سارے دروازے اور کھڑکیاں بند، تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان، پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی، شبابی قوت وطاقت کا سمندر موجزن، تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم، اور ایسے وقت میں ایک غارتگر ہوش وخرد اپنے آپ کو خود حضرت یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے، الغرض

﴿وراودته التي هو في بيتها عن نفسه وغلقت الأبواب

﴿وقالت هيت لك﴾ (یوسف)

''اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے وہ عورت ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کو ان کو پھسلانے لگی اور دروازے بند کر دیے اور کہنے لگی آ جاؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔''

کی صورت جب پیش آئی، آسمان دیکھ رہا تھا، زمین دیکھ رہی تھی، ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوب علیہ السلام کا چشم و چراغ اب کدھر جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے بلانے میں شیطانی قوت کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا تھا۔ مگر اللہ کے بندے یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھتے ہیں اور چاہتے تو جو کچھ امرأۃ عزیز چاہتی تھی اسے کر گزرتے، لیکن جیسا قرآن ہی میں اطلاع دی گئی ہے:

﴿قال معاذا الله إنه ربي أحسن مثواي إنه لا يفلح الظالمون﴾ (یوسف)

''یوسف نے کہا: اللہ بچائے وہ میرا مربی ہے اس نے مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔''

زانی ظالم ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب نہیں ہوگی اور اگر میں زنا کا ارتکاب کروں تو خود میں بھی ظالم بن جاؤں گا، پھر کیسے جرأت کی جائے۔ رب کا احسان بھول جانا اور اس کی دی ہوئی قوت کو اسکے ہی حکم کے خلاف استعمال کرنا، اسی کا نام تو شیطنت ہے شیطان کا قصور ہے اس کے سوا کیا ہے کہ توانائیوں کا جو ذخیرہ خالق کائنات کی طرف سے اس کو ملا ہے، بجائے مرضی حق کے ان کو خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

زنا کاری مظالم کی جڑ ہے

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں سوچئے تو یقین کرنا پڑے کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے۔ دنیا کی ساری برائی زنا کاری میں پائی جاتی ہے، پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

زانی کا فعل زنا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے، مادہ تولید جو باعث افزائش نسل انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے، ذلت اور رسوائی ہوتی ہے، ذاتی خوف و ہراس میں مبتلا

رہتا ہے، حزن وملال سے دوچار ہوتا ہے، مرض متعدی سوزاک وآتشک وغیرہ کے خطرے میں اپنے کو گرفتار کرنا پڑتا ہے، بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبطِ نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور دوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

(۲) زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زنا کار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے اور پھر خاندان کے لیے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے، اہل خاندان اور اپنے بال بچوں کے لیے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

(۳) زنا نسوانی عفت وعصمت کی لوٹ ہے، زانی ڈاکو ہے، ایک کمزور ارادے والی ذات کو ہوسناکیوں کا تختہ مشق بناتا ہے، شرم وحیا کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتا دبی ہوئی ہے، ان چٹانوں کو یہی پاجی زانی اٹھا لیتا ہے، جس کے بعد عورت جس کے لیے کسی مرد سے خواہ اس کا باپ اور بھائی کیوں نہ ہو، خطاب میں حیا دامن گیر ہوتی تھی اب وہ ایک بیباک فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہے آنکھوں کا پانی اس کے ڈھل جاتا ہے، بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے، اور آج عصمت فروشیوں کے سارے بازار جو شہروں میں نظر آتے ہیں درحقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

(۴) عورت بہر حال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی بیوی یا ماں ہوگی، سوچئے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات خودکشی تک ان ہی رسوائیوں کے غیر معمول احساس نے لوگوں کو پہنچا دیا۔

(۵) اور عورت کسی مرد کی اگر باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حق ناموس پر یہ کیسی شرمناک اور بے جا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

(۶) زنا بچہ پر بھی ظلم ہے، کیونکہ یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا اور بے قصور قتل کیا جائے گا یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی وتربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا اور کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع بھی مل جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے؟ جو خود اس کے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے سوسائٹی میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے

امراض خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً گونگے بہرے لنگڑے لڑکے جو پیدا ہوتے ہیں، یعنی نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہو کر پیدا ہوتے ہیں۔ بظاہر قدرت کی طرف ان کوتاہیوں کو منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں لیکن موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتہ چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جن سے گزر کر بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ آئندہ نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے وہ امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے پھلنے پھولنے کا دارومدار ہی "جذبہ امانت" کے اس احساس پر مبنی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی دماغی اور روحانی بربادیوں کی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔

زنا پر کال کوٹھری کو ترجیح:

کچھ بھی ہو اسی سے اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھری میں قید کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی اور دعا مانگی:

﴿رب السجن أحب إلي مما يدعونني إليه وإلا تصرف عني كيدهن أصب إليهن وأكن من الجاهلين﴾ (یوسف: ٤)

"اے میرے رب جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔"

(ماخوذ اسلام کا نظام عفت وعصمت)

وہ گناہ جو زنا کاری میں مبتلا کرتے ہیں

اسی طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسباب سے بھی منع فرمایا جو دواعی زنا ہیں۔ یعنی جن کی وجہ سے انسان آہستہ آہستہ زنا کاری کا راستہ اختیار کرتا ہے اور بالآخر زنا کاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

العينان زناهما النظر والأذنان زناهما الاستماع واللسان زناها الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطا والقلب يهوي ويتمني ويصدق ذلك الفرج أو يكذبه. رواه مسلم.

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر: ۱/ ۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ:

''جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا (غیر محرم عورتوں کی طرف حرام طریقہ سے) دیکھنا ہے اور کان کا بھی زنا ہے اور اس کا زنا (غیر محرم عورت کی آواز بلا ضرورت) سننا ہے اور زبان کا بھی زنا ہے (اور اس کا زنا (غیر محرم عورت سے بلا ضرورت) باتیں کرنا ہے اور ہاتھ کا بھی زنا ہے اور اس کا زنا (غیر محرم عورت کو بلا ضرورت شدیدہ) ہاتھ لگانا، پکڑنا اور پاؤں کا زنا (غیر محرم عورت سے ناجائز طریقے پر گفت وشنید کے لیے) اس کی طرف چل کر جانا ہے اور دل کا زنا یہ ہے کہ (غیر محرم عورت کی طرف) مائل ہونا اور آرزو کرنا۔ (یہ سارے اسباب پائے جانے کے بعد شرمگاہ آخر میں تصدیق کر کے زنا کر لیتی ہے یا تکذیب کر کے زنا سے بچ جاتی ہے۔'' (بخاری ومسلم)

ستر دیکھنے کی ممانعت

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وعن أبي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاينظر الرجل الى عورة الرجل ولا المرأة إلى عورة المرأة ولا يفضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد ولا تفضي المرأة إلى المرأة في ثوب واحد

.رواه مسلم.

(مشكوٰة باب النظر إلى المخطور به ٢٦١)

''کوئی مرد دوسرے مرد کے ستر کو نہ دیکھے۔ اسی طرح کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔ اسی طرح کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ سوئے۔ (جس سے ایک کے جسم کی گرمائش دوسرے کو پہنچے) اسی طرح کوئی عورت، دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ سوئے۔'' (مسلم)

یہ وہ اسباب ہیں جو انسان کو زنا کاری اور بدکاری میں مبتلا کر دیتے ہیں لیکن بہت کم افراد ایسے ہیں جو ان اسباب زنا سے احتیاط کرتے ہوں۔ اگر توجہ دلائی جائے تو جواب ملتا ہے کہ دل صاف ہونا چاہیے۔ اگر دل واقعی صاف ہوتا تو ایمان کامل ہوتا تو پھر اللہ کو ناراض کر کے خلاف

شرع طریقہ پر اجنبی عورت سے میل جول کیوں رکھتا؟ ان سے میل جول رکھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ دل صاف نہیں ہے۔ انہیں اسباب سے احتیاط نہ ہونے کی وجہ سے زنا کاری، بدکاری عام ہورہی ہے جو مختلف عذاب الٰہی کے نزول کا سبب ہیں جس کے برے اثرات معاشرے پر مرتب ہورہے ہیں۔

عمل قوم لوط کی سزا

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

عن ابن عباس وأبي هريرة رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ملعون من عمل عمل قوم لوط رواه رزين وفي رواية له عن ابن عباس أن عليا أحرقهما وأبابكر هدم عليهما حائطا.''

(مشكوٰة كتاب الحدود: ٣١٢)

''جو شخص قوم لوط کا سا عمل کرے (بدفعلی کرے) وہ معلون ہے۔'' (رزین)

اور رزین کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور سزا بدفعلی کرنے والا اور کروانے والی دونوں کو آگ میں جلوا دیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں پر دیوار گرا دی تھی۔''

وعن جابر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه ولسم إن أخوف ماأخاف على أمتي عمل قوم لوط. رواه الترمذي وابن ماجة.

(مشكوٰة كتاب الحدود: ٣١٢)

وفي رواية ولعن من فعل فعلهم ثلاثافقال لعن الله من عمل عمل قوم لوط، لعن الله من عمل عمل قوم لوط لعن الله من عمل عمل قوم لوط.

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

''جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی امت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خطرہ ہے، وہ قوم لوط کا عمل (یعنی بدفعلی) ہے۔ پھر بدفعلی کرنے والوں کے حق میں تین مرتبہ لعنت فرمائی۔'' (ترمذی ابن ماجہ)

خنزیر کی شکل:

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

''لوطی (یعنی بدفعلی کرنے والا) جب بغیر توبہ کے مرجاتا ہے تو قبر میں مسخ ہو کر خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔'' (الکتاب الکبائر للذہبی)

استمناء بالید (یعنی ہاتھ سے منی خارج کرنا)

مشت زنی اتنا بڑا گناہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الکبائر'' میں حدیث نقل کی ہے کہ:

وجاء النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: [سبعة يلعنهم الله تعالىٰ ولاينظر إليهم يوم القيامة ويقول ادخلوا النار [مع الداخلين: الفاعل والمفعول به. يعني اللواط وناكح البيهمة وناكح الأم وابنتها وناكح يده إلا أنْ يتوبوا وروي أن قوما يحشرون يوم القيامة وأيديهم حبالي من الزنا كانوا يعبثون في الدنيا بمذاكيرهم (كتاب الكبائر للذهبي)

''سات قسم کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے۔ ان کے بارے میں حکم ہوگا کہ دوسرے جہنمیوں کے ساتھ ان کو بھی جہنم میں داخل کرو۔

۱۔ فاعل و مفعول (یعنی بدفعلی کرنے والے اور کروانے والے)

۲۔ جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے والے۔

۳۔ ماں یا بیٹی کے ساتھ زنا کرنے والے۔

۴۔ اور ہاتھ کے ساتھ نکاح کرنے والے (یعنی مشت زنی کرنے والے) مگر یہ کہ توبہ کرلے) یعنی توبہ کرلے تو مذکورہ لوگ عذاب سے بچ سکتے ہیں۔''

اور دوسری روایت میں ہے کہ:

''قیامت کے روز کچھ لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے زنا کی وجہ سے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں مشت زنی کیا کرتے تھے۔ (کتاب الکبائر)

اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ناكح الكف ملعون"

(یعنی ہتھیلی کے ساتھ نکاح کرنے والے یا مشت زنی کرنے والے) ملعون ہیں۔ یعنی ان کو منازل ابرار سے دور کر دیا جائے گا۔

آگے فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

"بعض لوگ حشر کے میدان میں آئیں گے، ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے اور ان کے ہاتھ سے ایک مخلوق پیدا ہوگی بغیر سر کے اور مشت زنی کرنے والے سے مطالبہ کیا جائے گا کہ بغیر سر کے پیدا ہونے والی مخلوق کے اعضاء مکمل کرے۔ یہ مطالبہ بطور عذاب کے ہوگا، وہ کسی حال میں اس پر قادر نہیں ہوں گے اور اہل محشر کے سامنے رسوا ہوں گے۔" (طحطاوی)

وجاء عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال: [سحاق النساء بينهن زنا] وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: [أربعة يصبحون في غضب الله ويمسون في سخط الله تعالى قيل: من هم يا رسول الله؟ قال: المتشبهون من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال والذي يأتي البهيمة والذي يأتي الذكر يعني اللواط] وروي أنه إذا ركب الذكر الذكر اهتز عرش الرحمنٰ خوفا من غضب الله تعالىٰ وتكاد السموات أن تقع على الأرض فتمسك الملائكه باطرافها وتقرأ قل هو الله أحد إلى آخرها حتى يسكن غضب الله عزوجل.

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جنسی بے راہ روی کی تمام صورتوں کو، شریعت نے حرام قرار دے دیا ہے، کیونکہ وہ دنیوی واخروی دونوں زندگیوں کے لیے تباہ کن ہے۔ چنانچہ معاشرے میں پھیلے ہوئے جرائم، بدامنی بے چینی اسی جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہر جرم کے پیچھے یا تو مال کی حرص یا عورت کی ہوس کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوگی۔

اب یہ جنسی بے راہ روی کے عوامل واسباب کیا ہیں......؟ آخر مغربی معاشرہ اس طرح کیوں بگڑ گیا۔ یہ ناسور، مسلم معاشرے میں اس طرح تیزی کے ساتھ کیوں پھیل رہا ہے؟ اولاد، ماں باپ کے قابو میں نہیں رہی، آئے دن عصمت دری کے واقعات، اخبارات کی زینت بن

رہے ہیں اسی طرح لڑکیوں کا اغوا، شناسا کے ساتھ فرار ہونے کے دسیوں واقعات روزمرہ پیش آرہے ہیں اور دیگر جنسی جرائم کے واقعات، والدین خاندان اور معاشرے کے لیے باعث عار بنے ہوئے ہیں۔ اب اہل مغرب کی طرح، مسلم معاشرہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا ہے کہ کہیں ہماری نسل بھی غیر محفوظ نہ ہو جائے۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنسی بے راہ روی سے بچنے کے لیے جو تدابیر بتائی ہیں، ان کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے شرعی پردہ کا فقدان، نظر کی حفاظت کا نہ ہونا (یعنی بدنظری مرد وعورت دونوں کی طرف سے) اخرد یبہتی، اسی طرح دفاتر، اسکول وکالجز، پارک اور دیگر تفریحی مقامات میں مرد وزن کا بے محابا اختلاط و میل جول، فحش ناول لٹریچر، وی سی آر اور سینما میں مشغولیت وغیرہ وغیرہ۔

ہر ذی شعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ مذکورہ افعال میں سے ہر فعل جنسی ہیجان کو ابھارتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ تسکین کے لیے جب جائز صورت موجود نہ ہو یا اختیار کرنے کے اسباب موجود نہ ہوں تو انسان حرام کاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ غلط کاری سے بچنا اور اپنی اولاد و دیگر ماتحتوں کو بچانا بھی ہر انسان پر فرض ہے۔

لہٰذا خوب کوشش کی جائے کہ اپنے گھروں میں شرعی پردے کا اہتمام ہو اور اپنی اولاد کو اسکول وکالج کے ایسے ماحول میں تعلیم نہ دلائی جائے، جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہو کیونکہ یہ ماحول اولاد کے لیے زہر قاتل ہے۔ ایسے ماحول کی تعلیم سے معصومانہ ذہن پر جو غلط نقش ثبت ہو جاتے ہیں، اس کے اثرات مدتوں رہتے ہیں۔ اسی طرح مضر اشیاء ٹی وی، وی سی آر، وی سی ڈی، کمپیوٹر ویڈیو سی ڈی اور کیبل وغیرہ سے اپنے گھروں کو پاک کریں اور فحش ناول وڈائجسٹ کے مطالعے سے اجتناب کریں۔

اور اپنے بے ریش بچوں کو بقول حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تین کاموں سے بچایا جائے:

۱- بال بڑے رکھنے سے۔

۲- اپنے سے بڑی عمر کے لڑکوں کے ساتھ میل جول سے۔

۳- پان کھانے سے۔

اس طرح حدیث کی رو سے بچوں کی عمر دس سال پوری ہونے پر ان کے بستر الگ

کردیے جائیں، یعنی ماں، بیٹے، بھائی، بہن، باپ، بیٹی ایک ساتھ نہ سوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو دین کی سمجھ عطا فرمائے اور اسلامی معاشرہ کو جنسی بے راہ روی کی لعنت سے پاک فرمائے۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پاکدامنی پر جنت کی بشارت

جس طرح شرمگاہ کی حفاظت نہ کرنے اور بے راہ روی کا شکار ہونے پر وعیدیں ہیں، اگر کوئی شخص اپنی ایمانی قوت اور خوف خدا، وفکر آخرت کو سامنے رکھ کر اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے تو سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنت کی بشارت دی ہے:

عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من يتوكل لي ما بين لحييه وما بين رجليه أتوكل له الجنة. (ترمذي ٢/٦٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص میرے لیے اپنی زبان اور شرمگاہ کا ضامن ہوگا، میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔“

شادی سے اجتناب اور اس کے نقصانات

نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت وحکمت پر مبنی ہے انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے، بلوغ کے بعد اس میلان کے آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے تقاضے کا رنگ اختیار کرلیتا ہے، سوتے جاگتے چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اسی احساس کو اپنے اوپر غالب وحاوی پاتا ہے، دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے طبیعت حدود کی پروا کیے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے۔ الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے۔ غیر ازدواجی زمانہ خصوصا ایام شباب میں یہی کشمکش ہے جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر انسان جب شادی کرلے اور جائز راستہ حصول خواہش کے لیے پیدا ہوجائے تو پھر وہ

اس خود آفرید کشمکش سے نجات پا جاتا ہے اور لا حاصل خیالات کی ادھیڑ بن سے، محفوظ ہو کر وقت کو صحیح مصارف میں صرف کرنے کا موقع خود بخود مل جاتا ہے طمانیت اور یکسوئی میسر آتی ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو کام یکسوئی اور دل کی طمانیت کے ساتھ انجام پائے گا وہی نتیجہ خیز ہوگا۔

مقاصدِ نکاح

زن و شوہر کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کیے گئے ہیں، یعنی نسل انسانی کے اجراء کا یہ ذریعہ ہے یہ تو خیر عام بات ہے، قیام قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہین منت ہے، پہلی بات تو یہ ہوئی، دوسرا طبی نفع بھی کہ مادہ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہو تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت و سرور یہ تیسرا فائدہ ہے ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے۔

(زاد المعاد: ۱۴۶/۳)

مادۂ تولید اور اس کا اخراج

جالینوس کا قول ہے کہ مادۂ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم و تر ہے، اس کا فاضل حصہ جب بھی روک لیا جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے نیز مادہ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے، بہت سی بیماریوں سے آدمیوں محفوظ رہتا ہے ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اسکے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے۔ (ایضا)

''نفیسی'' جو طب کی مشہور کتاب ہے اسکے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت سے مقاربت اس وقت کرنا چاہیے جب طبعی خواہش پوری قوت سے اس کی متقاضی ہو، طبیعت کا واقعی تقاضا ہو تکلف اور جبری تصورات وخیالات کا نتیجہ نہ ہو، علامت طبعی تقاضے کی ہے کہ مادہ تولید میں گویا اضطراب والتہاب کی کیفیت محسوس ہو، بے قراری کا سا حال طاری ہو جائے یہی مقاربت کا صحیح وقت ہے، ورنہ بغیر اس کے صحت کو اس فعل سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

آخر میں علامہ نفیسی لکھتے ہیں کہ:

وحينئذ لا بد من الجماع ودفع المني لأنه إذا ترك وكثر في الأوعية خنق الحار الغريزي واطفاه ويلزم ذلك أن يبرد ويبرد البدن. (نفيسي: ٤١٣)

اور اس وقت مقاربت اور مادۂ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کردیا جائے گا اور وہ ظرف میں زیادہ ہوجائے گا تو حرارت غریز کا یہ گلا گھونٹ دیگا اور اسے بجھا دیگا اور لازم ہوگا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کردے۔

مادۂ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات:

نقصانات یہیں ختم نہیں ہوجاتے، بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

وقد يستحيل المني إلى طبيعة سمية ويرسل إلى القلب والدماغ بخارا رويا سمعيا يوجب الغشي والصرع ونحوهما (نفسي: ٤١٣)

''مادۂ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جاتی ہے اور یہ زہر آلود مادہ دل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخار کو روانہ کرے گا جو غشی مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب ہوگا۔''

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

''مادۂ تولید جو خود نکلنے کے لیے بے چین ہو، تو اس کو خارج کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ غذا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرسکے۔'' (نفیسی: ۴۱۴)

علامہ ابن القیم نے بہت درست لکھا ہے کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا، چاہیے ورنہ جس طرح اس کوئیں کا پانی خراب ہوجاتا ہے جس کا پانی نکالا نہیں جاتا یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہوگا۔

محمد بن زکریا فرماتے ہیں کہ ترک مقاربت سے اگر وہ کچھ عرصہ قائم رہے تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، اس کے سوت بند ہوجاتے ہیں اور نسلی عضو سکڑ کر رہ جاتا ہے۔

ایک موقع پر علامہ نووی لکھتے ہیں:

وربما بلغت على الرجل شهوته فيتضرر بالتاخير في بدنه أو في قلبه أو في بصره. (نووي شرح مسلم: ١/ ٤٥٠).

مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات متولی ہو جاتا ہے اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے اور دل کو بھی بینائی کو بھی۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے کیونکہ مادہ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت نہ کیا جائیگا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اسکے سوا بھی دینی و دنیوی نقصانات کا آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

آوارگی اور زنا کا راستہ:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

مادہ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے، اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے، اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً جوانی کے دور میں ہوتا ہے، اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لیے ابھارتی ہے اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے، بڑے خطرے میں ڈال دیتی ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ:۲/۱۲۲)

ہم بستری کے فائدے:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباۃ فلیتزوج فإنه أغض للبصر واحصن للفرج (مشکوۃ:۲/۲۶۷)

"اے جماعتِ نوجوانان! تم میں سے جو اسباب مقاربت پر قدرت رکھے اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے، نکاح ناجائز جگہ نگاہ ڈالنے دید کی روک ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہے۔"

جالینوس نے اپنی کتاب حفظ الصحۃ میں لکھا ہے کہ:

"بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرسی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کی شفا ہے۔"

(حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام)

علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

''مقاربت کرنے سے حرارت غریزی بڑھتی ہے اور یہ فعل بدن کو غذا قبول کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے، انسان کو خوش رکھتا ہے، غصہ کو توڑتا ہے بیہودہ خیالات کو دور کرتا ہے اور بہت سے سوداوی اور بلغمی امراض کے لیے مفید ہے ترک مقاربت صحت کے لیے مضر ہے اور اس سے پرہیز کرنے والا بہت سی تکلیف دہ اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(نفیسی: ٤١٥)

جائز ہمبستری اور صفائی قلب:

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ اپنی ایک ارادتمند کو لکھتے ہیں:

"أما قولكم أن الباطن مع الاشتغال بالزوجة لا يمكن فلا أكاد أسلمه فإن الجماع يصفي القلب ويزيل الكدورات الروحية وقد قال شارح كتاب القاضي عياض: كل شهوة يسود القلب إلا الجماع فإنه يزيده صفاء." (مكتوبات شيخ الإسلام:٢/٣١)

''تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد باطن کی، اصلاح ناممکن ہے میں اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ مقاربت تو دل کو جلا بخشتی ہے اور روحانی آلائشوں کو صاف کرتی ہے۔ قاضی عیاض کی کتاب کے شارح نے کہا ہے کہ ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔''

ہم بستری میں اعتدال:

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعتدال کے حدود کو توڑ کر اسی مشغلہ میں آدمی ڈوب جائے، کیونکہ یہ بے اعتدالی بھی سخت مضر ہے۔ اوپر جالینوس اور نفیسی کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ اس فعل میں اعتدال کا لحاظ ازبس ضروری ہے صادق اور سچے تقاضے کے بعد ہی یہ مفید ہے، ورنہ خواہ مخواہ زور و جبر سے آمادہ ہو کر اس میں مشغول ہونا حد سے زیادہ مضر ہے۔ نفیسی لکھتے ہیں:

والافراط في الجماع يسقط القوة ويضر العصب فيوقع في الرعشة والفالج ويضعف البصر.

مقاربت کی کثرت قوت کو گھٹادیتی ہے رگ پٹھوں کو نقصان پہنچاتی ہے پھر رعشہ فالج اور تشنج اس سے پیدا ہوتا ہے، اور بینائی کی قوت کمزور ہوتی ہے۔

معلوم ہو کہ مقاربت کی زیادتی انسان کو سخت نقصانات میں ڈالتی ہے۔ اس سے پرہیز بڑی حد تک ضروری ہے، اس حد تک رہے جو اس کو صحت کے لیے مفید ہو اور دین کے کاموں میں الجھن سے محفوظ رکھے۔

فطری راستوں کا ترک اور اس کا عبرتناک انجام:

اس بات سے جب ثابت ہو چکی کہ مادۂ تولید کا خارج ہوتے رہنا صحت کے لیے ضروری ہے جو فطری طریقہ اس کے اخراج کا مقرر کر دیا ہے اس سے انحراف کر کے جو مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے نکال نکال کر برباد اور ضائع کرتے ہیں ان کو قدرت کے انتقام سے ڈرنا چاہیے، آدمی آئندہ نسلوں کا امین ہے اس امانت کے ساتھ خیانت ہولناک مستقبل کو سامنے لاتا ہے اتنا ہولناک جس کا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جس وقت خیانت کرنے والے اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں اور غیر فطری راہوں سے اس کو ضائع کرتے ہیں۔

محمد بن زکریا کا بیان ہے کہ ایک جماعت جس نے مقاربت کا فطری طریقہ چھوڑ دیا تھا اور مادہ تولید کو غیر فطری راہوں سے ضائع کرتے تھے میں نے دیکھا ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے ان کی تیزی میں سستی آ گئی۔ بلاسبب ان پر حزن وملال چھایا رہنے لگا ان کی امنگیں پژمردہ ہو کر رہ گئیں اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔

بچے کے کان میں اذان کہنا

جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے لڑکا ہو یا لڑکی، تو بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہنا مسنون ہے۔

عن حسين بن علي رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنىٰ وأقام في أذنه اليسرىٰ لم يضره أم الصبيان.

(عمل اليوم والليلة لابني السني والجامع الصغير للسيوطي)

وروي عن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه أنه كان يؤذن في اليمين ويقيم في اليسرىٰ إذا ولد الصبي. (شرح السنة)

بچے کے کان میں اذان کہنے کا طریقہ

بچے کو گود میں لے کر قبلہ رو کھڑے ہوں، نماز کی اذان کی طرح اذان کہہ کر دائیں کان میں پھونک مارے اور اقامت کہہ کر بائیں کان میں۔ اس کے لیے دو آدمیوں کا ہونا ضروری نہیں، ایک آدمی بھی بچے کو گود میں اٹھا کر اذان و اقامت کہہ سکتا ہے۔

قال الرافعي رحمه الله: قال السندي رحمه الله فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنىٰ ويقيم في اليسرىٰ ويلتفت فيها بالصلوٰة لجهة اليمين وبالفلاح لجهة اليسار وفائدة الأذان أنه يدفع أم الصبيان عنه.

(التحرير المختار: ۱/۴۵)

بچے کے کان میں اذان کا وقت

نومولود کے کان میں اذان کا کوئی وقت متعین نہیں حتی الامکان جلد کہنا چاہیے، اگر غفلت میں کئی روز گذر گئے یاد آتے ہی اذان کہی جائے۔

عن رافع رضي الله عنه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلوٰة، قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: (حين ولدته فاطمة) يحتمل السابع وقبله. (مرقاة: ۸/۱۵۹)

اذان صلوۃ واذان نومولود میں فرق

تمام الفاظ جو نماز کی اذان کے ہیں، نومولود کی اذان میں بھی وہ تمام الفاظ ہیں، البتہ نومولود کی اذان میں، رفع صوت نہیں، اس لیے کان میں انگلی دینا بھی مسنون نہیں کیونکہ اس سے مقصد رفع صوت ہے، باقی اذان میں قبلہ کی طرف رخ کرنا، اسی طرح ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' میں دائیں بائیں التفات نیز ترسل وغیرہ ساری باتیں اذان نومولود میں بھی مسنون ہیں۔

عن أبي رافع رضي الله عنه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلوٰة، قال علي

القاري رحمه الله والمعنى أذن بمثل أذان الصلوٰة.

(مرقاة:۸/۱۵۹)

بچے کا ختنہ مسنون ہے

لڑکے کا ختنہ کروانا مسنون ہے، اس کا ابتدائی وقتِ مستحب سات سال سے شروع ہوتا ہے، اور بارہ سال تک اس درمیان ختنہ کروانا چاہیے، باقی اگر کوئی پیدائش کے ساتویں روز یا اس کے بعد کروانا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الفطرة خمس، الختان والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الأبط. متفق عليه.

(مشكوٰة باب الترجل :۲/ ۳۸۰)

وفي الهندية قال: واختلفوا في الختان قيل أنه سنة وهو الصحيح كذا في الغرائب، ابتداء الوقت المستحب للختان من سبع سنين إلى اثنتي عشرة سنة هو المختار كذا في السراجية، وقال بعضهم: يجوز بعد سبعة أيام من وقت الولادة كذا في جوهر الفتاوى. (عالمگيريه: ۵/ ۳۵۷ الحضر والإباحة)

تحنیک مسنون ہے

بچے کی ولادت کے بعد "تحنیک" کا عمل بھی مسنون ہے کہ کوئی بزرگ شخصیت کوئی میٹھی چیز مثلاً کھجور وغیرہ چبا کر بچے کے تالو میں لگائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نومولود بچوں کو لایا جاتا اور آپ یہ عمل فرماتے۔

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يؤتي الصبيان فيبرك عليهم ويحنكهم. رواه مسلم.

(مشكوٰة باب العقيقة :۲/ ۳۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نومولود بچوں کو لایا جاتا اور آپ ان کے حق میں دعا فرماتے اور تحنیک کا عمل فرماتے۔

عن أسماء بنت أبي بكر أنها حملت بعبد الله بن الزبير بمكة قالت

فولدت بقباء ثم أتيت به رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته في حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل في فيه ثم حنكه ثم دعا له وبرك عليه وكان أول مولود ولد في الإسلام. متفق عليه. (مشكوٰة باب العقيقة)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں عبداللہ بن زبیر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حاملہ ہوئی اور ہجرت کے بعد قبا میں اس کی ولادت ہوئی ولادت کے بعد اس کو آپ علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور آپ علیہ السلام نے گود میں اٹھایا اور کھجور چبا کر عبداللہ بن زبیر کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا اور تحنیک فرمایا، اس کے بعد ان کے حق میں برکت کی دعا دی، اور یہ ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں پیدا ہونے والا پہلا بچہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

بچے کا سر مونڈانا

لڑکی ہو یا لڑکا ولادت کے ساتویں دن سر مونڈانا بھی مسنون ہے، کہ بچے کا سر منڈا کر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی، (یا اس کی قیمت کا) صدقہ کیا جائے۔

عن بريدة رضي الله عنه قال كنا في الجاهلية إذا ولد لأحدنا غلام ذبح شاة ولطخ رأسه بدمها، فلما جاء الإسلام كنا نذبح الشاة يوم السابع ونحلق رأسه ونلطخه بزعفران. رواه أبوداؤد وزاد رزين وتسميه. (مشكوٰة باب العقيقة)

وفي رواية للترمذي عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة وقال يا فاطمة أحلقي رأسه وتصدق بزنة شعره فضة فوزناه فكان وزنه درهما أو بعض درهم. رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب. (مشكوٰة:۲/۳۶۲)

بچے کا نام رکھنا

پیدائش کے ساتویں روز کوئی اچھا سا نام بھی رکھنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له ولد فليحسن إسمه وأدبه. (مشكوٰة باب الولي في النكاح)

اچھا نام سے مراد بامعنی نام ہو، پکارنے میں ہلکا پھلکا ہو، متواضعانہ نام ہو، اس میں کوئی تکبر اور تعلّی نہ ہو نیز کوئی بے ڈھنگا بے معنی نام نہ ہو، انبیاء کرام، صحابیات وغیرہ کے نام بابرکت بھی ہیں اور بامعنی بھی لہٰذا ایسے نام رکھنے چاہئیں۔

نام رکھنے میں بے احتیاطی

آج کل یہ ایک وبا چل پڑی ہے، کہ نام رکھنے کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا نام ہو کہ رشتہ داروں میں سے کسی کا بھی وہ نام ہو بلکہ محلہ اور علاقہ میں سے بھی کسی کا نام نہ ہو، دادا ، دادی، یا نانی، خالہ پھوپھی وغیرہ میں سے کسی کا نام نہ ہو بلکہ ایک بالکل انوکھا نام ہونا چاہیے، یہ سارے خیالات غلط ہیں، اس سے آگے بڑھ گئے، بعض لوگوں نے نام رکھنے کا یہ طریقہ نکالا ہے کہ آنکھیں بند کر کے قرآن کریم کھولتے ہیں پھر جو صفحہ بھی نکل آئے اس کے پہلے لفظ سے ملا کر کوئی نام، تجویز کر لیتے ہیں، یہ طریقہ بھی سراسر غلط ہے، اور بے اصل اور من گھڑت طریقہ ہے۔ ایک موقع پر اس غلط طریقہ پر رد کرتے ہوئے حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اگر پہلا لفظ شیطان لکھا ہو تو کیا اپنی اولاد کا نام شیطان تجویز کر لیا جائے گا؟

پس مناسب یہ ہے کہ کسی باعتماد عالم کے مشورہ سے کوئی بھی مناسب نام تجویز کر لیا جائے۔

ساتویں دن عقیقہ کرنا

بچہ کی ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کرنا سنت مستحبہ ہے، اور اسلامی طریقہ ہے ساتویں روز سے مطلب یہ ہے جس روز پیدا ہو مثلاً جمعرات کو پیدا ہوا تو آئندہ بدھ ساتواں روز، اگر بدھ کو نہ کر سکا اب آنے والا ہر بدھ پیدائش کا ساتواں روز بنے گا، تو چودہویں یا اکیسویں روز کر ہی لینا چاہیے۔ اس سے تاخیر نہ کیا جائے۔

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق رأسه. (ترمذي ١٨٣/١ باب ماجاء في العقيقة)

بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے لہٰذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام طے کر لیا جائے نیز اس کا سر منڈایا جائے۔ (ترمذی)

وعنه قال عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة وقال يا فاطمة احلقي رأسه تصدقي بزنة شعره فضة فوزنته فكان وزنه درهما أو بعض الدرهم إلخ.

(ترمذي ۱/۱۸۳ باب ماجاء في العقيقة)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکرا ذبح کر کے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تعمیل کی بالوں کا وزن ایک درہم یا درہم سے کچھ کم تھا۔ (حوالۂ مذکور)

عن أبي بردة يقول كنا في الجاهلية إذا ولد لأحدنا غلام ذبح ولطخ رأسه بدمها فلما جاء الله بالإسلام كنا نذبح شاة ونحلق رأسه ونلطخه بزعفران.

(أبو داؤد: ۲/۳۷ كتاب الضحايا باب في العقيقة)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں (قبل از اسلام بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں نیز بچہ کا سر مونڈتے ہیں اور اس کے سر پر زعفران لگاتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

عن أم كرز رضي الله عنها قالت سمعت يقول صلى الله عليه وسلم عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة لايضركم اذكرانا كن أم اناثا. (أبو داؤد: ۲/۳٦ أيضا)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بکرا ہو یا بکری۔

یہاں عقیقہ سے متعلق چند سوالات وجوابات تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ منقح ہو جائے۔

عقیقہ کی مدت

(سوال:) مدت عقیقہ کب تک ہے؟

(جواب:) عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے جیسا کہ گزشتہ فتویٰ میں حدیث نمبر ا میں آیا ہے اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودہویں روز یا اکیسویں روز کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودہویں روز یا اکیسویں روز۔

عن بردة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال العقيقة لسبع أو اربع عشرة أو إحدىٰ وعشرين. رواه الطبراني في الصغير والأوسط إلخ.

بحواله أعلاء السنن ، كتاب الذبائح ، باب أفضلية ذبح الشاة.

بہت سے علماء نے ساتویں دن دن کی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے اور بہت سے حضرات نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پچاس برس کی عمر میں عقیقہ کیا ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ضعیف ہے، نیز یہ ایک مجبوری کی صورت ہوگی۔ یہاں پر تو بلا عذر مہینوں بلکہ برسوں تک ٹالتے رہتے ہیں اور گھر میں کسی کی شادی یا ختنہ وغیرہ رواج کی راہ دیکھتے ہیں اور ساتویں دن کا لحاظ بھی نہیں ہوتا اس کے خلاف مستحب ہونے میں کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہیے لہٰذا ساتویں روز عقیہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودہویں یا اکیسویں روز بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاویٰ رحیمیه باب العقیقه)

عقیقہ کی دعاء

(سوال:) بتایئے عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت کون سی دعا پڑھی جائے؟

(جواب:) عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللّٰهم هذه عقيقة إبني.... (اسم ولد) دمها بدمه وعظمها بعظمه وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللّٰهم اجعلها فداء لابني. (لڑکے کا نام)

نوٹ: لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مؤنث بنا دے۔ جیسے:

اللّٰهم هذه عقيقة بنتي.... (لڑکی کا نام) دمها بدمها وعظمها بعظمها وجلدها بجلدها وشعرها بشعرها اللّٰهم اجعلها فداء لبنتي. (لڑکی

کا نام)

والد کے علاوہ دوسرا کوئی آدمی ذبح کرے تو ابنی یا بنتی کی جگہ بچہ اور اس کے باپ کا نام لے۔ دعاء مذکورہ کے ساتھ یہ بھی پڑھے:

﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ بِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾

عقیقہ کا ذمہ دار والدین میں سے کون ہے؟

(سوال:) عقیقہ کس کے ذمہ ہے باپ کے یا ماں ہے؟

(جواب:) جس کے ذمہ بچہ کا نفقہ واجب ہے۔ اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے۔ باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے۔ حیثیت نہ ہو قرض لے کر عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لڑکے کے عقیقہ میں بھی ایک بکرا کافی ہے:

(سوال:) لڑکے کے لیے ایک بکرا کافی ہے یا نہیں؟

(جواب) حیثیت ہو تو لڑکے کے لیے دو بکرے، ۲ بھیڑ ے، ۲ دمبے یا قربانی کی گائے یا اونٹ یا بھینس یا کٹڑے میں دو حصے افضل ہیں۔ ورنہ ایک بکرا، بھیڑ یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے اس سے عقیقہ ہو جاتا ہے۔

شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا:

(سوال:) ایک شخص شادی کے موقع پر عقیقہ کرتا ہے اور دعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرتا ہے عرفا لوگ اس موقعہ پر ''چڑھاوا'' (دیوار) دینے کے عادی ہیں اگر کوئی نہیں دیتا تو داعی کو ناگواری بھی ہوتی ہے اور مدعو بھی چڑھاوا دینا ضروری سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں عقیقہ کا گوشت دعوت میں کھلا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب) عقیقہ کا گوشت بلا کسی عوض مفت کھلانا چاہیے شادی کی تقریب میں چونکہ کھانا

کھلا کر چڑھاوا (زیوار) لیا جاتا ہے اس لیے عوض اور بدلہ کا شبہ ہوتا ہے، ہاں ناشتہ وغیرہ کی دعوت میں جس میں چڑھاوا لینے کا دستور نہیں کھلانے میں مضائقہ نہیں، شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا رواج ہو جانے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ استحباب کی رعایت نہ ہوگی، مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ ہو اور تیسرا حصہ غربا کو دیا جائے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱۰/ ۶۰ تا ۶۲ دار الاشاعت)

مرحوم بچہ کا عقیقہ

عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے محض شفاعت کی امید اور مغفرت کی لالچ سے کر دی جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے حج نہیں کیا بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائے، اس صورت میں عقیقہ کا جانور مستقل ہو احتیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے۔ اگر بچہ پیٹ سے مردہ پیدا ہو تو اس کا عقیقہ نہیں۔

وحاصله أن الغلام إذا لم يعق عنه فمات لم يشفع لوالديه، ثم إن الترمذي أجاز بها إلى أحد عشرين قلت بل يجوز إلى أن يموت لما رأت في بعض الروايات أن النبي صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بنفسه إلخ. (فيض الباري :٤/ ٣٣٧ كتاب العقيقة)

دوسرے علماء سے تحقیق کر کے عمل کیا جائے۔

(فتاوی رحیمیہ: ۱۰/ ۶۲ ترتیب جدید)

بچے کو سب سے پہلے کیا سکھائیں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' سکھاؤ۔''

(كنز العمال ،الثامن، النكاح، الفراغ الثاني في الأمر: ١٦/ ١٨٣، رقم: ٤٥٣٢٤)

﴿تمت بالخیر﴾

بابرکت شادیاں، مثالی دولہا و دولہن

بابرکت شادیاں، مثالی دولہا ودولہن

اس عنوان کے تحت ایسی چند شادیوں کی مثالیں پیش کی جائیں گی، جن میں شریعت کی مکمل پابندی کی گئی ہیں، اور خلاف شرع رسم ورواج کو توڑ کر خالص سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی گئی، پھر ان کی زندگی کس قدر پرسکون گزری ہے اور دیکھنے والوں نے دیکھا اور گواہی دی کہ یہ سب کچھ اتباع شریعت اور خلافِ شرع رسم ورواج سے بچنے کے برکات ہیں، اب سادگی کے ساتھ انجام پانے والی ان شادیوں کے واقعات قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ایک مثال اور ایک نمونہ ہے، جو چاہے پیروی کرے اور فضلِ خداوندی کے سایہ میں امن وسکون راحت واطمینان والی زندگی گزارے، ان شاء اللہ آخرت میں پھر اس سے کئی گنا زیادہ راحت وسکون نصیب ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد ہوگا۔

سنت کی پیروی کرتے ہوئے انجام پانے والی شادیوں کی تعداد، سینکڑوں میں نہیں ہزاروں میں ہیں، ہم صرف چند ایک شادیوں کے تذکرے پر اکتفا کریں گے، اتباع کرنے والوں کے لیے یہی چند مثالیں کافی ہیں۔

حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ

(بانی و مہتمم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد نمبر ۴ کراچی)

کچھ ذاتی اور خاندانی حالات

صالحہ رفیقہ حیات کی طلب میں عجیب دعاء:

حضرت والا کی تقریباً چودہ سال کی عمر میں آپ کے ماموں کی صاحبزادی سے نسبت طے ہو چکی تھی، حضرت والا نے فرمایا:

''بڑے بھائیوں کی شادی ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ جس کی شادی ہو جاتی ہے اس کی وقعت والدین کی نظر میں بہت کم ہو جاتی ہے مجھے اس بات کا شدید احساس ہوا، اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ میری شادی ہوئی تو کہیں خدانخواستہ مجھ سے بھی والدین کی محبت اور شفقت میں کمی نہ آ جائے، چنانچہ ایک روز یہی فکر اتنی غالب ہوئی کہ دل تنہائی اور خلوت کی جگہ ڈھونڈھنے لگا، بالآخر اٹھ کر گھر سے قریب ہی گنے کے کھیتوں میں چلا گیا، اور وہیں سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ سے انتہائی عجز و انکسار سے رو رو کر یہ دعا کی، یا اللہ! ایسی بیوی مقدر فرما جس کی وجہ سے والدین کی شفقت و محبت اور برتاؤ میں فرق نہ آنے پائے، اور تیری رضا بھی حاصل رہے، ابھی سجدہ میں تھا کہ بڑی قوت کے ساتھ یہ بات قلب میں وارد ہوئی ''تمہاری دعا قبول ہو گئی اب سر اٹھالو'' اس کے بعد یہ لطیفۂ غیبیہ پیش آیا کہ میری سابقہ نسبت ختم ہو کر دوسری جگہ بات طے پا گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کا ظاہری سبب یہ پیدا فرمایا کہ وہ لڑکی بیمار ہو گئی، مرض اس قدر شدید اور مدید ہوا کہ زندگی کی امید نہ رہی، اس لیے ماموں کی رضا ہی سے اپنے خاندان ہی میں دوسری جگہ بات ہوئی، اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شادی ہو گئی، شادی ہو جانے کے بعد ماموں کی صاحبزادی کو بھی اللہ تعالیٰ

نے از سر نو زندگی بخشی، اور اس کی شادی میرے خالہ زاد کے ساتھ کر دی گئی۔''
الحمدللہ میری شادی کے بعد قبولیتِ دعا کے آثار بکمالہا نظر آنے، اور ہم دونوں ہی سے والدین ہمیشہ بے حد خوش و خرم رہے رو برو اور خطوط میں بہت محبت وشفقت کا اظہار فرماتے رہے حضرت والد صاحب نے ایک خط میں یہ شعر تحریر فرمایا:

من تو شدم تو من شدی | من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں | من دیگرم تو دیگری

ہر مہینہ میں دو تین خط ضرور تحریر فرماتے تھے اور نوے برس سے زائد عمر میں جسمانی و دماغی انحطاط وضعف بصارت کے باوجود کوئی خط تین چار صفحات سے کم نہ ہوتا تھا۔ آخر میں تحریر اس جملہ پر ختم فرماتے ''ضعف بصارت کی وجہ سے خط صاف نہیں لکھا جاتا'' اگر یہ عذر نہ ہوتا تو خدا جانے تحریر کتنی طویل ہوتی، خط میں ہم دونوں کے ساتھ اظہارِ محبت وشفقت کے علاوہ نظم ونثر میں محبوبِ حقیقی کے ساتھ غلبہ عشق کی طویل داستان ہوتی تھی۔''

عشق کی طویل داستان سنانے اور قلبی واردات وکیفیات کے اظہار کے لیے اتنی دور سے ہمارے حضرت ہی کو منتخب فرمانا حضرت کے ساتھ خصوصی تعلق اور حضرت والا کے قلب میں بھی سوزِ عشق کی دلیل ہے، ایسے قصے صرف ہم راز ہی سے ذکر کیے جاتے ہیں، کما قال العارف رومی رحمہ اللہ تعالیٰ

بالبِ دم ساز خوگر جفتمے | ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے
ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا | بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا
چونکہ گل رفت وگلستان در گذشت | نشنوی زیں پس ز بلبل سر گزشت

ارشاد فرمایا:

''ایک بار اہلیہ بیمار ہوگئیں، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دعاء کے لیے عریضہ لکھا گیا، ان کی صحت کے بعد بھی آپ نے ان کے لیے خصوصی دعا کا معمول آخر دم تک جاری رکھا، بار بار خطوط میں اور بوقت ملاقات اس کا تذکرہ بھی فرماتے رہتے۔

ایک بار ہمارے یہاں قیام کے دوران آنکھوں میں کوئی تیز سرمہ لگایا، آنکھوں سے

سرمہ آلود پانی کے قطرے گر کر فرش پر خشک ہوگئے، اور فرش پر نشان پڑ گیا، آپ تشریف کے لے جانے کے بعد میں نے وہ نشان صاف کردیا، اہلیہ نے دریافت کیا ''اباجی کی آنکھوں کے پانی کا نشان کہاں گیا؟'' میں نے کہا کہ صاف کردیا وہ بولیں ''آپ کے دل نے یہ کیسے گوارا کیا؟'' ان مثالوں سے جانبین کے جذبات کا اندازہ کر لیجیے۔

والدہ مرحومہ کو بھی ہم دونوں کے ساتھ بے پناہ محبت تھی، مگر محبوبِ حقیقی کی محبت سب پر غالب تھی، آپ کے وصال کے وقت میں دارالعلوم کراچی میں تھا، فون پر آپ کے وصال کی اطلاع ملنے پر خیر پور کی طرف جاتے ہوئے مجھے راستے میں رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ آخر وقت میں مجھے بہت یاد فرمایا ہوگا، مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس وقت اپنے مالک کے سوا کسی غیر کی طرف کوئی ادنیٰ التفات بھی نہیں تھا، نمازِ عشاء سے اطمینان سے فارغ ہوئیں، اچانک قے ہوئی، جس سے نڈھال ہوکر چارپائی پر لیٹ گئیں، ڈاکٹر کو بلانے لگے تو منع فرمایا اور فرمایا کہ رہنے دو، بس اب میں جارہی ہوں، پہلے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میری سب کوتاہیاں معاف فرمادیں، پھر اپنے مالکِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئیں، دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا، یا اللہ! میری تمام خطائیں معاف فرما، اس کے بعد ذکرِ محبوب کی حالت میں محبوبِ حقیقی سے جاملیں۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حال تھا آخر وقت میں بڑے جوش کے ساتھ بہت بلند آواز سے یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے۔

اے میرے محبوب! میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

ہاتھ پاؤں بالکل سرد پڑ گئے تھے اور بے حس ہوگئے تھے، خود فرمارہے تھے کہ میرے ہاتھوں اور پاؤں سے جان نکل چکی ہے، اس کے باوجود شعرِ مذکور اتنے جوش کے ساتھ اور اتنی بلند آواز سے پڑھ رہے تھے کہ دیکھنے والے حیران تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے ایسی مبارک موت مقدر فرمائیں۔

دنیا سے جب ہو رخصت یا رب غلام تیرا
دل میں ہو دھیان تیرا لب پر ہو نام تیرا۔

حدیث میں آتا ہے کہ وہ شادی بڑی بابرکت ہوتی ہے جس میں مہر کم رکھا گیا ہو اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو، حضرت نے اپنی شادی کا واقعہ اس طرح ارشاد فرمایا:

''میرے سسرال نے میری بیوی اور سالی دونوں کی شادی ایک وقت میں مقرر کردی، مگر حضرت والد صاحب نے میرے سسرال والوں کو لکھا کہ دو بچوں یا بچیوں کی شادی بیک وقت خلاف مصلحت ہے، اس لیے کہ بعض زیور کپڑے یا دوسرا سامان وغیرہ جب ایک ساتھ دیکھنے میں آتا ہے تو اس میں کسی کی ترجیح اور دوسرے کی تنقیص ظاہر ہوتی ہے اس لیے بڑی بچی کا نکاح پہلے کر دیا جائے، ہم چند روز بعد میں آئیں گے چنانچہ بڑی لڑکی کا نکاح قمری مہینہ کے آخر میں ہوا، اور ہم دوسرے قمری مہینہ کی ابتداء میں پہنچے، والد صاحب نے تفاؤلاً فرمایا کہ ہمارا نکاح چڑھتے چاند میں ہوا ہے انشاء اللہ اس میں برکت ہوگی۔''

بارات میں ڈھائی آدمی:

بارات میں صرف والد صاحب، میں اور ایک مجھ سے چھوٹے بھائی تھے جن کی عمر اس وقت تقریباً دس سال کی تھی، گویا بارات میں بشمول دولہا ڈھائی آدمی تھے، صبح کے وقت یہ بارات پہنچی اور بالکل سادگی کے ساتھ نکاح ہوگیا۔''

پیرانی صاحبہ کے نصیحت آموز حالات:

حضرت والا نے پیرانی صاحبہ کی جو خصوصیات ذکر فرمائیں وہ ایک جنتی بی بی کی علامتیں ہیں، چنانچہ فرمایا:

''قناعت اس قدر غالب ہے کہ کسی معاملہ میں دریافت کرنے پر بھی رائے نہیں دیتیں، ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے کہ ''جیسے آپ کی رائے ہو۔'' سنا ہے کہ لوگوں نے اولاد کے رشتے طے کرنے کا معاملہ خالصۃً عورتوں کے سپرد کر رکھا ہے، مگر یہاں اس معاملہ میں بھی ان کا وہی جواب یعنی ''جیسے آپ کی رائے ہو'' گھر کا کام خود کرتی ہیں، ایک بار ان کی بیماری کی وجہ سے کام کے لیے میں نے اپنے مزارعین میں سے ایک عورت کو بلایا مگر میں نے جب یہ دیکھا کہ انہوں نے اس عورت کو تو مہمان کی طرح بٹھا رکھا ہے اور بیماری کی حالت میں بھی کام خود ہی کر رہی ہیں تو میں نے اس

عورت کو واپس کر دیا، گھر میں بیٹیوں اور بہوؤں کی موجودگی میں بھی زیادہ کام خود ہی کرتی ہیں، نہایت کم گو ہیں، کہیں آنے جانے سے بالکل نفرت حتیٰ کہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کے پاس بھی آنے جانے سے احتراز، عورتوں کے مجمع میں سے بھی انقباض لباس اور خوراک میں انتہائی سادگی، حتیٰ کہ زور دے کر اچھے لباس کی ترغیب دینے پر چند روز پہننے کے بعد یہ کہہ کر کہ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے پھر سادہ لباس پہن لیا، پچاس سال کی عمر ہونے کے بعد جب اصلاحی تعلق رکھنے والی اور مجلسِ وعظ میں شریک ہونے والی خواتین کی آمد و رفت بڑھ گئی تو میں نے اہلیہ کو سمجھایا کہ آپ کے سادہ لباس سے آنے والی خواتین یہ سمجھیں گی کہ ان کے پاس کچھ ہے نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری ہے، الحمد للہ اس مسئلہ کا ان پر اثر ہوا اور اس کے بعد قدرے بہتر لباس پہننے لگ گئیں، کھانے پینے کے معاملے میں بھی بے حد سادگی، اچھی غذا کی طرف باوجود اصرار کے التفات نہیں ہوتا، زیادہ تر خود کھانے پینے کے بجائے دوسروں کو کھلا دینے کی عادت ہے، کبھی زیادتی کرنے والوں سے کچھ نہیں کہا، ہمیشہ درگذر ہی سے کام لیا، اگر کوئی زبان درازی کرے بھی تو بالکل خاموشی اختیار کر لیتی ہیں، نظافت وصفائی اس قدر کہ زیب وزینت کی دلدادہ خواتین کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔''

پھر حضرت والا نے کم آمیزی کے دو واقعات ذکر فرمائے:

''جب ہم دار العلوم کورنگی میں تھے تو ایک دفعہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی والدہ محترمہ نے سب اساتذہ کی بیویوں کی دعوت کی، میں نے ان سے بھی جانے کو کہا، تو سن کر فوراً انقباض سا ظاہر ہوا، میں نے یوں ترغیب دی کہ حضرت مفتی صاحب میرے استاذ ہیں، اس رشتہ سے ان کی والدہ محترمہ ہماری دادی ہیں، اس لیے ان کی دعوت قبول کرنا چاہیے، مگر اس پر بھی تیار نہ ہوئیں، تو میں نے اصرار مناسب نہ سمجھا، کچھ دیر کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خود میرے مکان پر تشریف لائے، اور ان کے نہ آنے کی وجہ دریافت فرمائی، جب میں نے ساری بات بتلا دی تو مطمئن ہو کر فرمایا ''اچھا کوئی بات نہیں، ہم نے سمجھا کہیں کوئی ناراضگی تو نہیں۔''

''ایک دفعہ دار العلوم ہی میں حضرت پھولپوری قدس سرہ نے مع محترمہ پیرانی صاحبہ کے

کافی دنوں قیام فرمایا، مگر یہ پیرانی صاحبہ سے ملنے نہیں گئیں، میں نے سوچا کہ کہیں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا خیال آئے اس لیے خدمت میں حاضر ہو کر حقیقتِ حال بتلادی، تو حضرت نے فرمایا "یہ سلامتِ طبع کی دلیل ہے۔"

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو جہاں علم، تقوی، زہد اور ظاہری و باطنی ساری خوبیوں سے نوازا وہاں اولاد کی نعمت سے بھی مالا مال کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار لڑکے اور چار لڑکیاں عطا فرمائیں، جن میں سے ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی بچپن ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور ریاض جنت کے پھولوں میں جگہ پائی، حضرت والا نے فرمایا کہ:

"تین نابالغ بچوں کی وفات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں اس کا سامان پیدا فرمادیا۔"

اولاد کی شادی میں سبق آموز سادگی:

آج کل لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں کس قدر غیر ضروری رسمیں اور طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، اور کتنی ہی شریعت مطہرہ کے خلاف باتوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، ذرا دیکھئے یہاں کیا معاملہ ہے؟ اور کس آسانی اور سادگی سے ساری بات طے ہوگئی، اور شریعت کے مطابق کام ہوگیا، حضرت والا نے اپنی دونوں صاحبزادیوں کی شادی جس طرح کی ذرا آپ بھی غور سے سنیے: فرمایا:

بڑی بچی صفوہ کی کم سنی ہی میں والدہ مرحومہ نے مجھ سے بڑی ہمشیرہ کے لڑکے سے نسبت طے کردی تھی، بہن اور بہنوئی ماشاء اللہ بہت نیک اور صالح ہونے کے ساتھ ساتھ بہن حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت اور بہنوئی عالم دین، اس لیے گمان غالب تھا کہ اولاد بھی ماں باپ کی طرح صالح ہوگی، کچھ عرصہ بعد میری والدہ محترمہ انتقال فرماگئیں، ادھر بھانجے کو ان کے والد نے اسکول میں داخل کرادیا، جب صاحبزادہ بڑے ہو کر کالج میں پہنچے تو ہمشیرہ صاحبہ نے نہایت افسوس کے ساتھ لکھا کہ لڑکے نے کالج میں جاکر رنگ بدل دیا اور ڈاڑھی منڈانا شروع کردی، میں نے ہمشیرہ کو خط لکھا کہ لڑکے کو سمجھائیں اور میری طرف سے تبلیغ بھی کریں، جواب آیا کہ ہم نے یہ سب کچھ کر کے اور مایوس ہو کر آپ کو اطلاع دی ہے، اس کے جواب

میں میں نے ہمشیرہ کو لکھا کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ سب رشتوں سے میرے نزدیک مقدم ہے، اس لیے میں اس نسبت کو ختم کرتا ہوں۔'' ہمشیرہ صاحبہ کی دینداری اور عالی حوصلگی دیکھئے کہ انہوں نے اس بات پر اظہار مسرت کیا، اور لکھا کہ دینداری کا یہی مقتضی ہے، اس رشتہ کو ختم کرنے میں بظاہر لوگوں کی نظر میں جو مشکلات سمجھی جاتی ہیں، وہ یہ کہ بہن اور بھانجے کا معاملہ ہے، بات ختم ہو جائے گی تو ممکن ہے کہ تعلقات منقطع ہو جائیں، بہن کی دل شکنی نہ ہو جائے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ نسبت محترمہ مرحومہ والدہ صاحبہ نے اپنی زندگی ہی میں خود طے فرمادی تھی اس لیے اس کو والدہ کے انتقال کے بعد ختم کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے، مگر بحمد اللہ یہاں اس قسم کی باتوں کا یا کسی رواج کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

صالح شخص پر رشتہ پیش کرنا:

بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں صالح شخص پر خود رشتہ پیش کرنے کی سعادت کے بارے میں صحیح بخاری کی تدریس کے زمانہ میں باب عرض الانسان ابنتہ أو اختہ علی اہل الخیر'' اور اس کے تحت حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل بار بار نظر سے گذرتا رہا، اور اس کا خیال آتا رہا کہ یہ فضیلت ضرور حاصل کی جائے، چنانچہ بڑی بچی کی شادی کے سلسلہ میں کچھ باتیں سننے میں آئیں اور اندازہ ہوا کہ فلاں جگہ سے بچی کے لیے رشتہ کا پیغام آئے گا، تو میں نے عمل بالحدیث کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے از خود پیش کش کردی، اور لڑکے کے دادا اور نانا سے رشتہ کے بارے میں بالمشافہہ کہہ دیا، ورنہ عام طور پر واسطوں کے ذریعہ بات چلتی ہے، اور معاملہ طول پکڑتا ہے۔

چھوٹی بچی کی شادی کے سلسلہ میں بھی دوسری ہمشیرہ صاحبہ نے اپنے صاحبزادے کے لیے رشتہ مانگا، حضرت والد صاحب نے بھی اس بات کو پسند فرمایا لیکن مجھے بھانجے میں صلاحیت کے آثار نظر نہیں آئے، تو میں نے ایک دوسرے لڑکے کا انتخاب کرلیا، جس کو اس رشتہ کا وہم وگمان بھی نہیں تھا، چونکہ اس لڑکے کا کوئی ولی نہیں تھا، اس لیے میں نے خود لڑکے کو بلا کر اس سے کہہ دیا۔''

لڑکوں کی شادی میں سادگی:

لڑکوں کی شادی بھی حضرت والا نے اسی طرح سادگی اور شریعت مطہرہ کی پابندی کے ساتھ فرمائی، منجھلے صاحبزادہ مولوی شفیق احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے رشتہ کی بات پیرانی صاحبہ کے بھانجے اور بھانجی کی لڑکی کی سے طے پاچکی تھی، بھانجے اور بھانجی کی لڑکی گویا نواسی سے رشتہ طے پایا، حضرت والا کو بہو کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں فکر لاحق ہوئی، اور لڑکی کی تعلیم کو ناکافی خیال کرکے ان کے والدین کو اس طرف توجہ دلائی، تو انہوں نے کہا کہ حضرت بچی کو خود گھر لے جاکر رکھ لیں، اور اپنی ذاتی نگرانی میں تعلیم مکمل کروالیں، حضرت نے فرمایا کہ میں کس طرح ایک غیر محرم لڑکی کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہوں؟ لڑکی کے والدین نے کہا کہ حضرت ہم تو خود آپ کی اولاد کی طرح ہیں، (یعنی پیرانی صاحبہ کی طرف سے بھانجا اور بھانجی ہیں) اور یہ بچی تو آپ کی نواسی کی طرح ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شریعت میں طرح ورح کچھ نہیں ہوتا، لڑکی میرے لیے غیر محرم ہے، ہاں ایک طریقہ ہوسکتا ہے کہ آپ مجھے اس لڑکی کے نکاح کا وکیل بنادیں، تاکہ میں اس کا اپنے لڑکے سے نکاح کردوں، پھر وہ میرے گھر رہ سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بخوشی اجازت دیدی، ایک روز حسب معمول جمعہ کی مجلس ارشاد میں بغیر کسی سابق اعلان اور اہتمام کے حضرت نے اپنے لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے پڑھ دیا، اور بعد میں خط کے ذریعہ اپنے صاحبزادے میاں شفیق سلمہ کو اطلاع کردی جو اس وقت مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقیم تھے، تب اس بچی کی تعلیم اپنی حسب خواہش حضرت نے ذاتی نگرانی میں پوری کروائی، لڑکی اور اس کے والدین کے علاوہ لڑکا اور اس کی والدہ بھی اس وقت کراچی میں نہیں تھے، دوسری اولاد کی شادی بھی بہت سادگی سے ہوئی، دعوتِ ولیمہ میں تین نمبر قائم فرمائے:

- اکابر علماء: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت ڈاکٹر عبدالحی
- دارالعلوم کورنگی کے درجۂ علیا کے اساتذہ وطلبہ۔
- اپنی مسجد کے ڈاڑھی والے نمازی، مسکرا کر فرمایا کہ دوسرے نابالغ ہیں،

کراچی میں حضرت والا کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں، نکاح، ولیمہ میں شرکت کے لیے باہر سے کسی رشتہ دار کو نہیں بلایا۔

بڑی صاحبزادی کے نکاح پر دولہا سمیت صرف تین آدمیوں کو آنے کی اجازت فرمائی، یہاں پہلے سے کسی کو علم نہیں تھا، بعد نمازِ عصر اعلان فرمایا کہ:

''سنت کے مطابق نکاح ہوگا، جو حضرات شریک ہونا چاہیں تشریف رکھیں۔''

چھوٹی صاحبزادی کے نکاح کا قصہ اس سے زیادہ عجیب ہے، حضرت والا کے ایک پیر بھائی اور دوست کی صاحبزادی کی مجلس نکاح میں حضرت والا کے بننے والے داماد بھی شریک تھے، جن سے صاحبزادی کی نسبت تو طے پا گئی تھی، مگر تا حال شادی کی کوئی تاریخ متعین نہیں ہوئی تھی، حضرت والا نے دوست کی صاحبزادی کا نکاح پڑھانے کے بعد ان کو بلا کر فرمایا:

''بیٹھ جائیے، آپ کے نکاح کا معاملہ بھی ساتھ ہی نمٹا دوں۔''

ان سے اپنی صاحبزادی کا نکاح پڑھا دیا، نکاح سے پہلے نہ گھر کے اندر کسی کو اس کا علم تھا نہ باہر، بعد میں فرمایا کہ میں نے یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا کہ میرے دوست اپنی صاحبزادی کے نکاح کے سلسلہ میں کئی روز سے پریشان نظر آ رہے تھے، بار بار مجھ سے مشورہ کرتے تھے، میں نے عمل سے ثابت کر دیا کہ نکاح بہت آسان کام ہے۔

کیا اس طرح کی مثال آج کے علماء اور بزرگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے؟ ان کے یہاں بھی وہی دنیا داروں کی طرح رسوم کی پابندی اور خرافات اب ایک عام بات ہوگئی ہے۔ (ماخوذ از انوار الرشید: ۶۰ تا ۷۳)

بابرکت شادی کی داستان

ایک طالب علم اپنا واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں کہ میں درجہ تخصص فی الفقہ کے دوسرے سال کا طالب علم تھا، میرے رشتہ داروں نے ایک جگہ شادی کی بات چلائی۔ رشتہ ایک قسم کا طے ہوگیا اور بڑے بھائی صاحب نے ولیمہ اور دیگر اخراجات کا ایک تخمینہ لگا کر کہا کہ تخصص سے فراغت کے بعد کہیں نوکری ہو جائے اور اتنی رقم جمع ہو جائے تو شادی کی بات آگے چلائیں گے، بس بات روک دی گئی۔

درمیان میں ایک دو مرتبہ چلی اور ختم ہوگئی، رشتہ داروں کو سمجھایا، اگر سنت کے مطابق ہو جائے، تو حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

''إن أعظمَ النكاح بركة أيسره مؤنة.''

یعنی سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم سے کم آئے۔

دوسری روایت میں ہے:

اعظم النساء بركة أخفهن مهرا.

یعنی بہت زیادہ بابرکت عورت وہ ہے جس کا مہر کم ہو۔

لہٰذا مختصر خرچہ پر شادی ہونی چاہیے۔

لیکن ان رشتہ داروں کی طرف سے جواب ملا کہ تب تو ہماری ناک کٹ جائے گی، ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ شادی تو خاندانی رسم ورواج کے مطابق دھوم دھام سے ہونی ضروری ہے۔

چنانچہ بات آئی گئی ہوگئی۔

مرشدِ کامل کی خدمت میں:

منگل کا دن تھا، صبح دس بجے سالانہ امتحان کے آخری پرچہ سے فارغ ہوا، اور اپنے ایک ساتھی کو لے کر اپنے مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوا، گیارہ سے بارہ بجے تک مفتیان کرام کے ساتھ مسائل کے بارے میں مجلس جاری رہی۔

مجلس ختم ہونے سے پہلے بندے سے آنے کا مقصد پوچھا گیا، بندہ نے بے تکلف عرض کیا کہ مولوی صاحب کی ہمشیرہ ہے، ان سے رشتہ طے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں، رشتہ مناسب ہو تو مہر بھی مقرر فرمادیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ آپ کے پاس تو کچھ ہے نہیں، ابھی تک تو آپ طالب علم ہیں، اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ اقل مہر شرعی مقرر کر کے نکاح کر لیا جائے۔

اقل مہر شرعی:

مہر شرعی کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے۔ اس کی موجودہ مقدار اور روپیوں میں اس کی قیمت معلوم کرنا تخصص کے ایک ساتھی کے ذمہ لگایا، انہوں نے کہا:

دس دراہم چاندی = موجودہ وزن کے لحاظ سے۔

۱۰ = ۳۰.۶۱۸ گرام (احسن الفتاویٰ)

اس کی قیمت روپے کے حساب سے تقریباً ڈھائی سو روپے پاکستانی بنے، حضرت والا نے فرمایا کہ بس یہ مہر مقرر رہا۔

جمعہ کو عصر کے بعد نکاح ہوگا:

پھر مجلس ختم ہونے کے بعد فرمایا کہ آج کون سا دن ہے؟ میں نے عرض کیا یوم

الثلثاء (منگل) کا دن ہے، تو فرمایا کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد آپ کا نکاح ہوگا، یہ بھی آپ کو بتاتا چلوں کہ لڑکی والوں کو یا میرے کسی رشتہ دار کو ان باتوں کا علم تک نہیں تھا، اور ابھی منگنی بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت والا نے یہاں نکاح کی تاریخ مقرر فرمادی۔

چنانچہ ہم واپس لوٹے، اور میرے ساتھ جو مولوی صاحب تھے، یعنی ہمارے بننے والے برادر نسبتی، انہوں نے گھر جا کر ان ساری باتوں کے بارے میں بتایا، وہ حضرات بھی ابتدائی طور پر کچھ پریشان ہوئے کہ منگنی تک نہیں ہوئی ادھر سے نکاح کی تاریخ بھی متعین ہوگئی۔

لیکن قلندر ہر چہ گوید دیدہ بگوید کے مصداق حضرت والا نے تو فرمادیا کہ جمعہ کو نکاح ہے۔

میرے بننے والے سسر صاحب نے علاقے کے چند معزز علماء کو چائے پر بلالیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ جمعہ کو میری بچی کا نکاح فلاں مولوی صاحب کے ساتھ طے ہوا ہے اور چار آنے سونا مہر مقرر ہوا ہے، اب حاضرین میں سے بعض علماء کو اشکال ہوا کہ اس طرح کیسے شادی ہوگی؟ اتنی سادگی اتنا کم مہر؟ میرے سسر صاحب نے جواب دیا آپ حضرات کو مدعو کرنے کا مقصد نکاح کا اعلان ہے، تاکہ اعلان نکاح کی سنت ادا ہو جائے، باقی یہ شادی کیسے ہوگی؟ اس کی فکر کرنا آپ کے ذمہ لازم نہیں ہے۔ وہ مجھ پر چھوڑ دیں یہ قلندرانہ جواب سن کر سب خاموش ہوگئے۔

شرکاءِ بارات:

جمعہ کے بعد نکاح کے لیے دارالافتاء والارشاد میں حاضری ہوئی۔ مجھ سمیت تقریباً ۱۲ علماء کرام بارات میں شریک ہوئے، نماز عصر کے بعد اصلاحی بیان سے پہلے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ فرض کے مطابق ایک نکاح ہوگا، پھر مجھ سے پوچھا کہ دلہن کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا رشیدہ۔ پوچھا دلہن کے والد کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا رشید احمد، پھر بہت پرتپاک لہجے میں فرمایا کہ رشید ہی رشید، ماشاء اللہ رشید ہی رشید۔

پھر مختصر خطبے کے بعد نکاح کی سنت ادا کی گئی، مجلس وعظ ختم ہونے کے بعد سنت کے مطابق کھجور تقسیم کی گئی۔

رخصتی کا انتظام:

نکاح کے اگلے روز میرے سسر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ رخصتی کہاں کروائیں

گے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو کوئی انتظام نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بندوبست فرماویں گے رخصتی بھی ہو جائے گی، انہوں نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ کو گھر میں ایک کمرہ الگ کر کے دیتے ہیں، اس میں رخصتی کروالیں، بندے نے رضامندی کا اظہار کر دیا تو جمعہ کو نکاح ہوا، پیر کی رات کو ایک ٹوٹے ہوئے کمرہ میں رخصتی ہوگئی۔

اگلی صبح کو بندے کا میٹرک کے امتحان کا پہلا پرچہ تھا، بس اٹھ کر امتحان کے لیے امتحانی مرکز پہنچ گیا۔ اور بہت ہی اطمینان وسکون سے امتحانی پرچے ہوتے رہے۔

ملازمت کا غیبی انتظام:

اب میٹرک کے امتحان کے ایام چل رہے تھے، ایک روز مغرب کی نماز پڑھ کر نکلا تو ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی اور فرمانے لگے: سنا ہے کہ آپ کی شادی ہوگئی ہے؟ میں نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا: کہیں تدریس کا ارادہ تو نہیں ہے؟ میں نے کہا ارادہ تو ہے لیکن میں ابھی تک امتحان میں مصروف ہوں۔ تو فرمایا کہ آپ تدریس کے لیے درخواست تو دیدیں۔ ہم غور کرتے ہیں۔

مجھے وہ دفتر لے گئے اور خود ایک کاغذ نکال کر دیا، میں نے توکلا علی اللہ درخواست پیش کر دی اس کے بعد عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر باہر نکل ہی رہا تھا کہ مہتمم صاحب کو باہر انتظار کرتے ہوئے پایا، انہوں نے فرمایا کہ آپ کو خوشخبری سنانی ہے کہ آپ کا تقرر ہو گیا ہے۔ میں نے کہا دس دن تک میرا امتحان چلتا رہے گا اس کے بعد حاضر ہو جاؤں گا، تو فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن تنخواہ کل صبح سے جاری کر دی جائے گی، آپ مدرسے میں چکر لگالیا کریں، چونکہ شعبان کا مہینہ تھا، مدرسے میں چھٹی تھی، اس لیے باقاعدہ حاضری لازم نہ تھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ملازمت کا بھی بندوبست فرمادیا، اسی طرح سنت کے مطابق شادی کی برکت سے مکان اور تدریس وغیرہ کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے آسانی سے فرمادیا۔

بعد میں اور برکات بھی ظاہر ہوتی رہیں۔ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

اس لیے انسان کو اپنے کمالات پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور خواہشات نفس کی اتباع کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا ضروری ہے۔ اس کے دنیوی اور اخروی دونوں قسم کے فوائد ہیں۔

(ماخوذ از سبق آموز واقعات ۱۷۹ تا ۱۸۳)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاندان کی شادیاں، سبق آموز واقعات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے محدث تھے، جس طرح برصغیر ہندو پاک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور محدث دہلوی کے لقب سے مشہور تھے، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے حتی کہ اگر ان کا نام لیے بغیر ہی اگر یوں کہا جائے کہ "حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تو اہل علم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، حضرت شیخ سے چودہویں صدی ہجری میں اللہ تعالیٰ نے دین کا جو کام لیا ہے، وہ محتاج تعارف نہیں، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حالات زندگی کو "آپ بیتی" کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا ہے، جس میں زندگی کے ہر پہلو کو مفصل انداز سے اجاگر فرمایا تاکہ ہر گم گشتہ راہ کے لیے چراغ ہدایت کا کام دے۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنی اولاد کی سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ شادی منعقد کرنے کے واقعات کو تفصیل سے ذکر فرمایا، کہ سادگی کی برکت سے ان کو کتنی راحت حاصل ہوئی، سکون ملا۔ اب ہم حضرت شیخ اور ان کے خاندان میں سادگی سے انجام پانے والی شادیوں کے واقعات کو قارئین کے فائدے کے پیش نظر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ کی "آپ بیتی" نقل کررہے ہیں۔ تاکہ فائدہ تام اور عام ہو۔

فصل ثانی: تقریبات اور شادیاں

اللہ جل شانہ کے انعامات، احسانات اس نابکار، بدکار، سیہ کار پر اپنی ناپاکی اور گندگی کے باوجود بارش کی طرح ہمیشہ رہے۔

میں جب سہارنپور میں آیا تھا، یعنی ۲۸ھ میں، میں نے خواب دیکھا تھا کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ اس سیہ کار سے لپٹ گئے اور مجھے خوب بھینچا۔

میں نے اپنے حضرت اقدس مرشدی قدس سرہ سے اس خواب کا ذکر کیا تھا تو حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ عنایت الٰہی تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تعبیر ہر چیز پر اور ہر وقت میرے ساتھ رہی، اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ہر موقع پر اپنی عنایت کو اس سیہ کار پر بارش کی طرح برسایا۔ ہر جزوِ زندگی میں جتنی میں نے نافرمانیاں کیں اتنی ہی مالک کی طرف سے عنایات میں اضافہ ہوتا رہا۔ خدا کرے کہ استدراج نہ ہو۔ ان میں سے ایک معمولی مسئلہ تقریبات اور شادیوں کا بھی ہے۔

میں نے دو اپنی، اور ہمشیرہ اور ہمشیرہ زادی اور بنات اور ولد و اسباط کی تقریباً سولہ سترہ شادیاں کیں اور ہر شادی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہ کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت پڑھ لی۔

شادی ایک عبادت ہے

نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے ایک مصیبت بنالیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں کہ جو حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع ہو کر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گی ایک ایمان، دوسری نکاح۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا، اور ارشاد فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔"

مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو بے حد لغویات اس میں شامل کر کے اس کو ایک مصیبت عظمیٰ بنالیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ سنت ہی کا درجہ رکھتا تھا یہ لغویات جو ہم نے شامل کر لی ہیں، ان کا شائبہ بھی اس زمانے میں نہیں تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی شادی

صحابہ کرام کو جو عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا وہ کسی سے مخفی نہیں اس کے کچھ نمونے میں اپنے رسالہ حکایات صحابہ میں بھی لکھ چکا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ایک مشہور صحابی ہیں، عشرۂ مبشرہ میں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں ہیں، مگر اپنی شادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانا تو درکنار خبر بھی نہ کی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کپڑوں پر کچھ ''صفرہ'' کا اثر دیکھا، یہ ایک قسم کی خوشبو ہے جو اس زمانہ میں شادیوں کے موقع پر استعمال کی جاتی تھی اس کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ کیا تم نے شادی کر لی؟ انہوں نے عرض کیا، جی حضور۔

اس ناکارہ نے ایک رسالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے نکاح اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی تفاصیل جس کا ذکر تالیفات میں بھی گزر چکا ہے، تفصیل سے لکھا ہے طبع نہ ہو سکا۔

رسومات نحوست کا سبب ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو نکاح بہت ہلکا پھلکا ہو وہ بہت مبارک ہے۔'' مگر افسوس ہے کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنا دیا۔ نہ معلوم کتنی نمازیں اس کی نذر ہو جاتی ہیں، بعض جگہ تو مصیبت یہ ہے کہ عین نماز کے وقت بارات رخصت ہوتی ہے کہ جس سے دولہا، دولہن اور سارے باراتیوں کی جماعت فوت ہوتی ہے، جس کی ابتداء اس نحوست سے ہوتی ہے اس کا منتہا پر آپس میں لڑائیاں، فتنہ، فساد جتنا ہو وہ کم ہی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو حمل اس صحبت سے ٹھہرے جو نماز کے وقت میں کی گئی ہو یعنی اس سے نماز فوت ہوئی ہو تو اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ عاق بالوالدین ہوتا ہے یعنی والدین کا نافرمان اور ان کو تکلیف پہنچانے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمادے اور ہم کو ہدایت سے نوازے۔ اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ ان ہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں ایک لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں، شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے زیادہ بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ بعض جگہ اس مصیبت کے لیے سود پر روپیہ لینا پڑتا ہے، جس کے متعلق قرآن پاک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی اور اعلانِ جنگ بتلایا گیا ہے، اللہ سے لڑائی اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان جنگ کے بعد کون پنپ سکتا ہے اور ان ساری مصیبتوں کا عذر اور مجبوری یہ بتلائی جاتی ہے کہ ناک کٹ جاتی ہے۔'' میں نے تو سینکڑوں اکابر و احباب کو ان خرافات کے بغیر سادگی کے ساتھ نکاح کرتے دیکھا مگر کسی ایک کی بھی ناک کٹی ہوئی نہ دیکھی۔

آپ بیتی کے چند واقعات اس جگہ لکھوانے ہیں:

سادگی کے چند واقعات

سب سے پہلے اِس ناکارہ کی پہلی شادی ۲۹ صفر بروز دوشنبہ ۳۵ھ میں ہوئی، جس کا ذکر میری والدہ صاحبہ کے انتقال کے سلسلہ میں آ بھی چکا ہے۔ میرے والد صاحب قدس سرہ کے حادثۂ انتقال کے دن ہی سے میری والدۂ محترمہ کو بخار شروع ہوا تھا جس نے اخیر میں ان کو والد صاحب سے جا کر ملا ہی دیا۔ میری والدہ مرحومہ نے میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال، جو ۱۰ ذیقعدہ ۳۴ھ کو ہوا، اس سے کچھ دنوں بعد میرے حضرت قدس سرہ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ میری طبیعت خراب ہے، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، میری خواہش یہ ہے کہ زکریا کا نکاح جلد ہو جاوے تا کہ گھر کھلا رہے۔"

پہلی شادی کا واقعہ

اس وقت میری ہمشیرہ بھی بہت چھوٹی تھی اور اکیلی تھی۔ حضرت قدس سرہ نے اسی وقت کاندھلہ خط لکھوا دیا۔ میرے حضرت قدس سرہ کا طرز کاندھلہ کے جملہ اکابر کے ساتھ اور جملہ کاندھلہ کے اکابر کا طرز میرے حضرت کے ساتھ کچھ ایسے گھر کے چھوٹے بڑوں کا سا تھا کہ حضرت قدس سرہ بھی بے تکلف احکام جاری فرماتے تھے، جیسے گھر کا بڑا کیا کرتا ہے اور کاندھلہ کے سارے اکابر حضرت قدس سرہ کے ارشاد کو ایسا اہم قابلِ رفعت سمجھتے تھے کہ ذرا کچھ چون وچرانہ کرتے۔ سینکڑوں واقعات اس کے پیش آئے۔ میرے حضرت کا خط جاتے ہی وہاں سے جواب آیا کہ جیسا ارشاد ہو، جب چاہیں حضرت تشریف لاویں۔ تاریخ مقرر فرمادی اور میرے ہم زلف عزیز ظہیر الحسن مرحوم کا بھی میرے ساتھ ہی نکاح تجویز کر دیا کہ حضرت کی تشریف آوری ہو رہی ہے۔ حضرت تشریف لے گئے۔ یہ ناکارہ اور چچا جان اور حضرت کے دو خادم، یہ جملہ بارات کاندھلہ پہنچی، میرے حضرت نے نکاح پڑھایا۔ اس وقت تک ہمارے خاندان کا مہر مثل اسی ہزار ٹکے دو دینار زر سرخ تھا، یہی عام طور سے ہر نکاح میں ہوتا تھا۔ حضرت نے نکاح کی ابتداء میں مہر دریافت فرمایا تو یہی بتلایا گیا۔ حضرت نے لاحول پڑھی اور فرمایا کہ اس کے روپے بناؤ۔ خاندان کے سب اعزہ محاسبین موجود تھے، اتنے حضرت نے خطبہ پڑھا کسی نے جلدی سے ڈیڑھ ہزار کہہ دیا اور حضرت نے میرا نکاح ڈیڑھ ہزار پر پڑھ دیا۔ میرے بعد جب عزیز ظہیر الحسن مرحوم کا نمبر آیا تو سب نے کہا حضرت ڈیڑھ نہیں ڈھائی ہزار ہوتے ہیں۔ اس

وقت سے ہمارے خاندان کا مہر مثل ڈھائی ہزار قرار پایا گیا۔ جو میری بچیوں کے دور تک رہا۔ خاندان میں تو اب بھی یہی ہے مگر میری بچیوں کا حضرت مدنی قدس سرہ مہر فاطمی تجویز کر گئے جس کا قصہ آگے آوے گا۔

شادی ہوگئی اور میں نے یوں کہلوایا کہ کاندھلہ تو میرا وطنِ اصلی ہے اہلیہ کو لے جانے کا جھگڑا میرے بس کا نہیں، میں دو تین دن کاندھلہ ٹھہر کر سہانپور آجاؤں گا۔''

حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا وہ کون انکار کرنے والا، باپ بن کر تو میں آیا ہوں، لڑکی کل کو میرے ساتھ جاوے گی۔ البتہ جلدی جلدی آنے جانے میں تو واقعی دقت ہوگی، دس پندرہ دن وہاں قیام کے بعد مولوی شمس الحسن صاحب جا کر لے آویں گے۔'' یہ میری اہلیہ مرحومہ کہ کے حقیقی تائے اور ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ غصہ والے اور نازک مزاج تھے۔ ان کا ذکر ''آپ بیتی نمبرا'' میں میری علیگڑھ ملازمت کے سلسلہ میں آچکا ہے، مگر چونکہ حضرت قدس سرہ سے بیعت تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر عطا فرماوے اور میرے حضرت کو بھی کہ مجھے کبھی اہلیہ مرحومہ کو یا موجودہ لڑکیوں میں سے کسی کو کبھی بھی کاندھلہ لیجانے اور لانے کی دقت نہیں ہوئی۔

دو تین سال تک مولانا شمس الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ بیگار رہی کہ ایک دو ماہ بعد میرے حضرت کا خط پہنچ جاتا کہ عزیز کو پہنچادو'' یا عزیز کو لیجاؤ۔'' کئی سال تک یہ قصہ رہا۔ اس کے بعد سے کاندھلہ کے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ مظاہر میں شروع ہوگیا، اولا مولوی احتشام پھر مولوی قمر الحسن مرحوم پھر مولوی مصباح، مسلسل کئی سال تک یہی بچے لاتے لے جاتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر دے۔ اس کے بعد تو پھر عزیزان مولوی یوسف مرحوم اور مولوی انعام الحسن صاحب کا سلسلہ شروع ہوگیا جو اب تک جاری ہے۔

ہمشیرہ مرحومہ کی شادی

میری ہمشیرہ مرحومہ کی شادی ہے، یعنی عزیز مولوی سلمان سلمہ کی نانی۔ میری والدہ کے انتقال کے وقت ہمشیرہ مرحومہ کی منگی تو کاندھلہ کے ضابطہ کے موافق بچپن ہی میں ہوگئی تھی، لیکن عزیز سلمان کے نانا ہمیشہ باہر رہے، اپنے والد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس منٹگمری قیام رہا کہ ان کے والد صاحب ہمیشہ وہیں ملازم رہے، آنا جانا بالکل نہیں تھا۔ حکیم ایوب صاحب کے والد حکیم یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد صاحب سے اس کی خواہش اور

تمنا ظاہر کی کہ میری ہمشیرہ مرحومہ کا نکاح حکیم ایوب سے ہو۔ حکیم ایوب میرے والد صاحب قدس سرہ کے بہت ہی لاڈلے شاگردوں میں سے تھے۔ والد صاحب نے کہا کہ میری تو عین تمنا ہے مگر یہ قصہ انفرادی نہیں بلکہ خاندانی ہے، اس کی منگنی ہو چکی ہے، اس کے توڑنے میں خاندان میں اختلافات پیدا ہوں گے، رنجشیں پیدا ہوں گی، اس لیے معذوری ہے۔ میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد حکیم یعقوب صاحب نے مجھ سے بھی فرمایا۔ میں نے یہی جواب دیا کہ حکیم ایوب تو میرے لیے سب سے بہتر ہیں مگر آپ خود خیال کریں جس چیز کو میرے باپ نہیں کر سکتے میں کیسے کر سکوں گا، حالانکہ حکیم ایوب صاحب اس وقت میں میرے لیے ابتداء محب اور انتہاء محبوب تھے، یہ دونوں فقرے معنی دار ہیں:

ابتداء محب کا مطلب تو یہ کہ جب میں رجب ۵۸ھ میں سہارنپور آیا تھا تو حکیم ایوب نے مجھ سے ظہر کی نماز سے فراغ پر مسجد کے دروازے سے نکلتے ہوئے سجدۂ سہو کا ایک مسئلہ پوچھا تھا، میں لاپرواہی سے جواب دیتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ حکیم جی نے کہا مسئلہ تو مجھے معلوم ہے، میرا کئی مہینوں سے تجھ سے بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی اس لیے مسئلہ پوچھا۔'' میں ہنس پڑا اور ایک دو بات کھڑے کھڑے کی، تم کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔

اور دوسرا فقرہ انتہاء محبوب کا مطلب یہ کہ میرے والد صاحب کے انتقال تک تو حکیم جی کا ہر وقت کا رہنا سہنا کچے گھر ہی کا تھا، صرف رات کو عشا کے بعد اپنے گھر جاتے، صبح آ جایا کرتے۔ میرے والد صاحب سے بھی ان کو عشق کے درجہ کی محبت تھی چنانچہ جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو یہ زنانہ مکان کے دروازے میں غش کھا کر گر گئے تھے، بڑی مشکل سے ان کو چارپائی پر لٹا کر گھر پہنچایا تھا۔ اور میرے والد صاحب کے انتقال کی پریشانی کے ساتھ حکیم جی کے والد اور تایا کو ان کی فکر پڑ گئی تھی، میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ مجھ سے منہ موڑ کر حضرت مولانا ثابت علی صاحب کے خصوصی تلمذ میں پہنچ گئے تھے، جس کا مجھے بہت قلق ہوا۔ مگر میں ابتدائی مدرس بھی نہیں ہوا تھا، اور یہ حدیث تک پہنچ گئے تھے۔ اگرچہ میرے والد کے انتقال تک زیادہ تر مجھ سے ہی پڑھتے تھے اس لیے اور بھی قلق ہوا مگر اب تو پھر ان کی محبوبیت مدرسہ کی وجہ سے عود کر آئی۔ یہ میرے اس رسالہ میں بار بار ظاہر ہوگا کہ مدرسہ کا جو شخص جتنا زیادہ لحاظ رکھتا ہے مجھے اس سے بہت زیادہ محبت بڑھتی رہتی ہے، اور جو ملازم ہو کر مدرسہ کے امور میں

تساہل، تسامح کرتا ہے مجھے اس سے چاہے کتنی محبت ہو مگر نفرت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، حکیم جی باوجودیکہ ملازم نہیں ہیں مگر جب سے سرپرست مدرسہ ہوئے ہیں مدرسہ کے ہر کام کو میرے ذوق کے موافق اپنا کام سمجھتے ہیں بالخصوص تعمیر کو، توسیع چندہ کی کوشش کو، نظامت کے امور میں مشورہ کو۔ غرض کسی کام کو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ میرا فرض منصبی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر، صحت وقوت عطا فرمائے کہ اب تو ان کی صحت نے بہت جواب دے رکھا ہے۔

خواہ مخواہ بات میں بات آجاتی ہے، بہر حال حکیم جی سے میری ہمشیرہ کی شادی مقدر نہ تھی نہ ہوئی۔ لیکن چونکہ اس کے مجوزہ شوہر یعنی عزیز سلمان کے نانا باہر رہتے تھے، مستقل قیام تو منٹگمری پنجاب میں رہتا ہی تھا، لیکن دو سال سے بصرہ محاذِ جنگ پر گئے ہوئے تھے، وہاں سے واپسی ۳۰ محرم ۳۷ھ بمطابق ۵ نومبر ۱۸ء کو ہوئی، اس وجہ سے کاندھلہ آنے کی نوبت نہیں آتی تھی، اس لیے خاندان کے دوسرے لوگوں نے میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مجھ پر بہت زور ڈالے کہ میں خاندان کے دوسرے افراد فلاں فلاں میں سے کسی سے نکاح کروں۔ اور عزیز سلمان کے نانا کی اس قدر سخت تر شکایتیں کاندھلہ اور پنجاب سے پہنچیں کہ ان کی وجہ سے میں ڈر گیا۔ میں اعلیٰ حضرت قطب الاقطاب حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا، سارے حالات پیش کیے۔ حضرت قدس سرہ نے تقریباً دس منٹ تک بلکہ شاید اس سے بھی زائد مراقبہ فرمایا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کر دو، اللہ خیر کرے۔''

میں نے رائپور سے واپس آتے ہی کاندھلہ خط لکھ دیا کہ یہ اس وقت کاندھلہ چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ میرے خط پر میرے حقیقی نانا حافظ محمد یوسف صاحب کے چھوٹے بھائی حافظ محمد یونس صاحب رحمہ اللہ یعنی ان کے والد ان کو اپنے ساتھ لے کر سہارنپور پہنچ گئے۔ نہ کوئی برات ساتھ تھی نہ کوئی اور آدمی۔ میرے آقا میرے مرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی ٹانگ میں اس زمانہ میں تکلیف تھی، مدرسہ تشریف نہیں لاتے تھے، یہ ناکارہ جماعت کرانے حضرت کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ مغرب کی نماز کے وقت جب میں پہنچا تو میں نے عرض کیا کہ ہمشیرہ کا مجوزہ شوہر عصر کے بعد آگیا ہے، اس وقت حضرت نکاح پڑھ دیں تو صبح کو کاندھلہ بہن کو لے جاوے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اسی وقت اپنے کوٹھے میں لیٹے لیٹے نکاح پڑھا، میں اور چچا جان حضرت قدس سرہ کے ایک دو خادم چار پانچ آدمی تھے، نکاح کے بعد صبح کو ہمشیرہ مرحومہ کو ان کے خاوند کے ساتھ بھیج دیا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ ساتھ تشریف لے گئے تھے، نہ کچھ ساتھ سامان

تھا نہ کپڑے نہ برتن، چونکہ سب کو اندازتھا کہ بچہ ہے یتیم ہے کسی نے ان چیزوں کی طرف التفات بھی نہیں کیا۔ البتہ میری والدہ نے کچھ برتن پہلے سے رکھے تھے اور کچھ کپڑے بھی اس وقت تو کچھ نہیں دیا گیا البتہ بعد میں حسب ضرورت وہ لے جاتی رہی لیکن جب وہ سسرال والوں سے علیحدہ ہوکر اپنے مستقل مکان میں مقیم ہوئی، اس وقت میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ گھر کے سامان میں سے کھانے پکانے کا ہو، استعمال کا ہو جو تیرا جی چاہے لے جا۔

بہن کا حصۂ میراث

نیز میں نے اپنی والدہ نوراللہ مرقدہا کے انتقال پر عام گھروں کے دستور کے موافق کہ بہنیں اپنی رضا وخوشی سے اپنا حصہ بھائیوں کو دیدیا کرتی ہیں، اس کا حصہ لینے سے انکار کردیا۔ مرحومہ نے بہت خوشامد کی، بہت روئی بھی کہ میں تو آخر تمہارے ہی ذمے رہوں گی، کہاں جاؤں گی، ماں نہیں، باپ نہیں۔ میں نے کہا ضرور رہے گی، ان شاء اللہ اور ماں باپ دونوں کا بدل کرکے دکھلادوں گا، لیکن حصہ تیرا ضرور الگ کروں گا۔ میں نے اپنے منتظم جائیدار حاجی محسن صاحب مرحوم سے کہہ دیا تھا کہ دو حصے میرے اور ایک حصہ ہمشیرہ کا جو تقسیم کے ضابطے تمہارے ہوتے ہوں اس کے موافق کردو۔ انہوں نے کئی دن بعد مجھ سے ازراہ شفقت فرمایا کہ کنویں والا حصہ تیرے قرعہ میں لگادیا۔ میں جانتا بھی نہیں تھا کنویں والا کیا بلا ہو اور کیا اہمیت اس کو ہے؟ میں نے کہہ دیا نہیں وہ تو ہمشیرہ کی طرف لگے گا، ان بیچاروں نے تو مجھ پر بڑا احسان رکھا تھا، میرے شدت انکار پر مجھ سے ناراض ہوگئے۔ میں نے ان سے کہہ دیا پھر آپ اس جھگڑے میں نہ پڑیں، میرا زمین کی آمدنی سے کیا سہارا ہوسکتا ہے، سارا ہی ہمشیرہ کے نام لکھوادو۔'' اول تو مرحوم اس کو تفریح سمجھے، لیکن جب میں نے بڑوں سے یہ کہہ دیا کہ یہ دس بارہ من غلہ مجھے کیا کفایت دے گا؟ وہ بچی ہے اس کو کام دے گا، آپ اس کے نام ہی لکھوادیں، تب مرحوم نے میری مرضی کے موافق اس کو کرادیا۔

بچیوں کا نکاح

۱) و(۲) مجھے اپنی بچیوں میں سب سے پہلا سابقہ اور معرکۃ الآراء سابقہ سب سے بڑی دو بچیوں والدۂ ہارون، والدۂ زبیر کا مولانا یوسف صاحب ومولانا انعام الحسن صاحب کے نکاح سے پڑا۔

ل: ہمارے خاندان کے قدیم دستور اصول موضوعہ کے طور پر یہ طے شدہ تھا کہ جب کوئی لڑکی پیدا ہو تو اس کا اقرب ترین نامحرم گویا شادی کے لیے متعین تھا۔ یہی وہ واقعہ ہے جس کو مولانا یوسف صاحب کے بعض مؤرخین نے گڑ بڑ کر کے نقل کر دیا۔ ہوا یہ تھا کہ جب ہارون کی والدہ پیدا ہوئی تو دایہ نے اس بات کو کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے، اس عنوان سے اعلان کیا تھا میری چچی کو مخاطب کر کے کہ آپا تمہیں مبارک باد دوں کہ اللہ نے تمہارے یوسف کی بہو دی۔ یہ منگنا ہو گیا تھا۔

والدۂ زبیر کے متعلق ذہنوں میں تو سب کے مندرجہ بالا قاعدہ کے موافق طے شدہ تھا، لیکن دو ایک سال بعد بھائی اکرام صاحب کا ایک کارڈ آیا کہ والد صاحب کے تعمیل حکم میں لکھ رہا ہوں، تمہاری دوسری بچی سے عزیز انعام کے نکاح کی تجویز کو فرمایا ہے۔'' میں نے اس کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ پھوپھا میرے بھی بڑے ہیں اس کے بھی بڑے ہیں، میرے سے کیا پوچھنا؟ یہ ہوا منگنا مولانا انعام الحسن صاحب کا۔

شادی کا جوڑا

چچا جان نور اللہ مرقدہ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے، حسب معمول مورخہ ۲ محرم ۵۴ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاح کا دستور پڑ گیا کل کے جلسے میں حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوا دوں؟ میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجیے مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ کل کے جلسے میں وہ دونوں بچیوں کا نکاح پڑھوا دیں، میری اہلیہ مرحومہ نے، اس کے لفظ مجھے خوب یاد ہیں یہ کہا کہ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوا دیتی۔'' مجھے اپنا جواب بھی خوب یاد ہے اور میرے جواب پر مرحومہ کا سکوت بھی اچھا مجھے خبر نہیں تھی یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔ میرے جواب پر مرحومہ بالکل ساکت ہو گئی۔

جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنی سے میں نے عرض کر دیا کہ یوسف انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچا جان فرما رہے ہیں، حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا۔ کہا ضرور پڑھوں گا، ضرور پڑھوں گا۔ اور جامع مسجد میں پہنچنے کے بعد بیٹھتے ہی فرمایا کہ مہر کیا ہوگا؟ میں نے

عرض کیا کہ ہمارے یہاں مہر مثل ڈھائی ہزار ہے۔ حضرت جی کو غصہ آ گیا، فرمایا کہ میں مہر فاطمی سے زیادہ پر ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو شرعی چیز ہے، فقہاء کے نزدیک مہر مثل سے کم پر سکوت کافی نہیں بالتصریح اجازت کی ضرورت ہے، تھوڑی دیر میرا اور حضرت مدنی کا جامع مسجد کے در میں بیٹھے بیٹھے مناظرہ ہوا۔ میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ اندر سے تو میرے ساتھ مگر حضرت جی کے غصے کی وجہ سے چپ تھے اور میں خوب ڈانٹیں سن رہا تھا۔ میری اہلیہ مرحومہ کے والد مولانا رؤف الحسن صاحب جو قریب ہی بیٹھے تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا جیسے حضرت فرمارہے ہیں مان لو۔ میں نے کہا یہ شرعی چیز ہے۔ میرے چچا جان نے فرمایا بچیوں میں سے کونسی انکار کر دے گی اور یہ نکاح نکاح موقوف بن جائے گا؟ اور جب تم گھر جا کر اظہار کر دو گے تو تکمیل ہو جائے گی۔

عین تقریر کے دوران نکاح

حضرت قدس سرہ ممبر پر تشریف لے گئے، اور سادہ نکاحوں کی فضیلت برکت پر لمبا چوڑا وعظ شروع کیا اور حضرت کی محبوب ترین گورنمنٹ برطانیہ کا ذکر تو کسی جگہ چھوٹتا ہی نہیں تھا، اس نکاح کے وعظ میں بھی وہ بار بار آتا ہی رہا۔ حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی ثم الدہلوی جو حضرت گنگوہی کے شاگرد اور ہمارے سارے اکابر کے محبوب تھے، اس جلسے میں تشریف فرما تھے، مجھ سے فرمایا کہ میں ساڑھے دس بجے کی گاڑی سے جانا ضروری سمجھتا ہوں، اور مولانا کی طبیعت خوب زوروں پر چل رہی ہے اگر نکاح مولانا پہلے پڑھ دیں تو میری اور ساتھیوں کی تمنا یہ ہے کہ اس میں شرکت کرتے جاویں۔'' میں نے حضرت کی خدمت میں ممبر پر چہ بھیج دیا کہ بعض مہمانوں کو اس گاڑی سے جانے کی ضرورت ہے، انکی درخواست ہے نکاح پہلے پڑھ دیں۔ حضرت قدس سرہ کو خیال ہو گیا کہ بعض لیگی حضرات میری تقریر سننا پسند نہیں کرتے اس لیے اول تو خوب ممبر پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اصل غلطی تو مجھے ممبر پر کھڑا کرنا ہے اور اس بے ایمان حکومت کو کہے بغیر میں رہ نہیں سکتا، جس کو سننا ہو سنے جس کو میری تقریر گوارا نہ ہو وہ چلا جائے۔''

لیکن معاً دونوں لڑکوں یوسف و انعام کو ممبر کے پاس کھڑے کر کے خطبہ پڑھ کر نکاح پڑھ دیا اور پھر اپنے وعظ میں مشغول ہو گئے۔

جلسے کے بعد فرمانے لگے: فلاں لیگی صاحب کو میری تقریر سے گرانی ہو رہی ہوگی'' میں نے کہا نہیں حضور، جناب کے الحاج حکیم جمیل الدین صاحب کو جانے کا تقاضا ہو رہا تھا اور ان ہی کے

تقاضے پر میں نے پرچہ بھیجا تھا، مگر آپ تو رستے چلتے لیگیوں کے سر ہوتے پھرتے ہیں۔'' حضرت نے فرمایا کہ پھر پرچے میں یوں کیوں نہ لکھا کہ حکیم جمیل الدین صاحب جانا چاہتے ہیں۔

نکاح میں سادگی پر ملامت

نکاح تو ہو گیا مگر جو گالیاں مجھ پر پڑیں کہ یاد رہیں گی۔ لڑکوں سے تو لوگ واقف نہیں تھے، اور میری لڑکیاں ہونے کا اعلان آ ہی گیا تھا، لڑکے دونوں حسین وجمیل امرد اور مدنی رومال دونوں کے سروں پر، جو میں نے ہی رکھے تھے، جلسے میں جاتے ہوئے دے دیئے تھے، دو تین فقرے نقل کراتا ہوں فقرے تو بہت سے سنے:

''ان مولویوں کا بھی کچھ تک نہیں، دو خوبصورت لونڈے دیکھے تھے تو لونڈیاں ہی حوالے کر دیں۔''

''بمبئی کے سیٹھوں کے لونڈے جلسے میں آئے تھے، پیسے والا دیکھ کر لڑکیاں ہی دے دیں۔''

''پہلے سے جانتے ہوں گے ویسے رستے چلتے کیا حوالہ کر دیتے۔ ارے نہیں ان مولویوں کا کچھ تک نہیں۔''

ہمارے محلّہ کے ایک بڑے متموّل، رئیس اعظم، دیندار، متشرع بزرگ نے اپنے گھر جا کر بڑی ہی خوشی اور مسرت سے میری بچیوں کے نکاح کا تذکرہ کیا، ان کی اہلیہ مرحومہ خوب خفا ہوئیں اللہ تعالیٰ دونوں ہی کی مغفرت فرمائے کہنے لگیں:

''گھر میں تو چوہے قلابازیاں کھاویں، کھانے کے واسطے کچھ ہے نہیں، ہر وقت ہمارے دروازے پر قرض کے واسطے آدمی کھڑا رہتا ہے وہ یوں نہ کرتا تو اور کیا کرتا؟ تم مجھے سناؤ اللہ کے فضل سے اللہ میاں نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مال دولت دے رکھی ہے، خدا نہ کرے کہ میں اپنے بچے کا نکاح فقیروں کی طرح کر دوں۔''

خاندانی روایات کے خلاف

اس کے بعد چونکہ خاندان کی ساری روایات کے خلاف تھا اور اب تک کوئی نکاح اس طرح نہیں ہوا تھا، اس لیے کاندھلہ میں بھی اس نکاح پر چہ می گوئیاں تو بہت ہوئیں، ایک

صاحب کا فقرہ مجھے پہنچا کہ:

"زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی اور ہم سب کی بھی۔ بھلا نکاح یوں ہوا کرتے ہیں؟"

میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ:

"میری تو کٹی نہیں۔ اور میں نے قاصد سے کہا کہ تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے۔ اور کہہ دیجیے کہ میں دیکھ کر آیا ہوں، اس کی تو کٹی نہیں اور کسی کی مجھے خبر نہیں۔"

تایا سعید مرحوم کیرانوی سابق ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جن کے ساتھ ہمارے خاندانی تعلقات بھی قدیم، حکیم یامین صاحب مہاجر مکی کے نکاح کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکرِ خیر گزر چکا۔ جب ان کو ان دو نکاحوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے کاندھلہ میں فرمایا کہ:

"اس نے بہت بری رسم جاری کر دی، بھلا شادی اس طرح ہوا کرتی ہے، خیر نہ خبر، یہ تو اعزہ کی مسرتوں کا زمانہ ہوتا ہے، مسرت انگیز خبروں کا پہلے سے ذکر تذکرہ ہونا چاہیے، خوشی کی لہر دوڑے زکریا کو اس کی سزا ملنی چاہیے۔"

سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیے

میں نے بڑے اہتمام سے تایا مرحوم کے پاس اس کا جواب بھیجا کہ:

جناب کی تجویز بہت مناسب ہے، ضرور اس سیہ کار کو سزا ملنی چاہیے، اور سزا جرم کے مناسب ہوا کرتی ہے، چونکہ اس سیہ کار نے اعزہ میں سے کسی کو اپنی بچیوں کے نکاح میں نہیں بلایا، اس کی سزا یہ ہے کہ اعزہ میں سے کوئی بھی کبھی مجھے اپنی تقریب میں نہ بلائے۔"

تایا سعید مرحوم نے پیام بھیجا:

"اس کو تو سزا نہیں کہتے، یہ تو تیری عین منشأ کے مطابق ہو گیا، اس کی سزا یہ کہ ہر شخص تجھے اپنی ہر تقریب میں دو مرتبہ بلائے۔ ایک مرتبہ اپنی تقریب میں اور دوسری دفعہ سزا میں۔"

گھر کے مردوں پر تو گرانی خوب سنی، لیکن عتاب تایا سعید مرحوم کے علاوہ کسی کا نہیں پہنچا۔

البتہ گھر کی مستورات کی طرف سے خوشیوں کے، مسرتوں کے، دعاؤں کے پیامات پہنچے اللہ تمہیں بہت ہی جزائے خیر دے، بہت ہی اچھا راستہ نکال دیا، اللہ کرے یہ چل پڑے۔ شادیاں تو مصیبت بن گئیں، سودی قرض تک سے بھی اب تو پرہیز نہ رہا جس کی عام طور سے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مگر بھائی زکریا سچی بات ہے کہ بعض بعض گھروں میں تو شادی کی لعنت سے سود تک بھی گھر میں گھس گیا۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے، اللہ یوں کرے، اللہ یوں کرے۔ فلاں فلاں کے نکاح بھی اسی طرح جلد کرادو۔

(ب) اس زمانے میں عزیزان مولوی یوسف وانعام سہارنپور ہی میں پڑھتے تھے اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ ہمارے مدرسہ کے سرپرستان میں تھے اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ بھی سرپرست تھے، مدرسہ کے اجتماع سرپرستان میں دونوں حضرات کی اکثر تشریف آوری ہوتی رہتی ہے۔

رخصتی میں سادگی

ربیع الاول ۵۵ھ میں حضرات سرپرستان کا اجتماع تھا، حضرت اقدس رائپوری چچا جان ودیگر سرپرستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ چچا جان نے ارشاد فرمایا:

''خیال ہے کہ کل کو جاتے وقت یوسف وانعام کی بیویوں کو لے کر جاؤں۔''

میں نے کہا:

''جیسے رائے عالی ہو، مگر لڑکے تو دونوں یہاں پڑھ رہے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بنا تو ان ہی کے گھر میں ہوئی تھی، میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں لونڈوں کی بناء ہی کرادیں۔''

چچا جان نور اللہ مرقدہ کا ایک مقولہ میرے متعلق بہت معروف ومشہور ہے، نہ معلوم بیسیوں دفعہ فرمایا ہوگا کہ تجھے نہ معلوم اپنے کام کی حدیثیں بہت یاد رہتی ہیں۔

چچا جان نے فرمایا: ''بہت اچھا۔''

میں نے ۱۲ ربیع الاول ۵۵ھ بمطابق ۳ جون ۳۶ء کو عصر کے وقت بچیوں سے کہہ دیا کہ:

''اپنی بہنوں کو کپڑے پہنادو، رات کو ان کی یہیں رخصت ہے۔''

مولانا یوسف مرحوم کو اپنے کمرے میں اور مولانا انعام الحسن صاحب کو کچے گھر میں تجویز

کیا، مقدر کی بات کہ خوب بارش ہوئی اور اوپر مولانا یوسف صاحب خوب بھیگے کہ وہ چھجے کے نیچے تھے۔

حضرات سرپرستان کی آمد پر اور مہمانوں کی آمد پر کھانے کا دستور تو ہمیشہ سے ہے، مہمانوں کی کثرت رہتی ہی ہے۔ میں نے عشاء کے بعد، عزیزم مولوی عامر انصاری رامپوری جو اس وقت مظاہر علوم میں پڑھتے تھے اور مجھ سے ہمیشہ خصوصی محبت رہی اور وہ بڑھتی ہی رہی اس میں روز افزوں اضافہ اب تک بھی ہے۔ میں نے عشاء کے بعد، اس کو بلا کر یوں کہا کہ پلاؤ بچ گئی، کاندھلہ کے دس بارہ عزیز اس زمانہ میں مظاہر علوم میں پڑھتے تھے میں نے عامر سے کہا کہ سب بچوں کو بلا لا، آج بچیوں کی رخصتی ہو رہی ہے تمہاری دعوت ہے۔ سب عصر کے بعد کھا چکے تھے۔ مگر عزیز عامر کے پیام پر ایک عزیز نے غصہ میں یوں کہا کہ:

''شادیوں کی دعوت یوں ہوا کرتی ہے کھا چکا میں، میں نہیں جاتا۔''

اس عزیز کے علاوہ کسی نے کوئی تأمل نہیں کیا، پیام سنتے ہی ایسے خوشی سے آئے کہ جیسا بہت ہی میں نے کچھ کرم کیا ہو۔ عزیز عامر نے میرے اس عزیز کو جو اَب بھی حیات ہے اور پاکستان میں ہے، یہ جواب دیا کہ:

> ''تیری عقل ماری گئی، بھائی زکریا نہیں بلا رہے ہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب بلا رہے ہیں، یہ نخرے جب کیجو جب بھائی زکریا کاندھلہ میں تجھے بلا دیں، اور وہاں وہ کبھی تجھے بلانے کے نہیں۔''

وہ بیچارہ شرما کر ساتھ آ گیا۔ عزیز عامر سلمہ کا یہ فقرہ میں ہمیشہ بہت مزے لے کر دورہ کے اسباق میں سناتا رہتا ہوں۔

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی!

چونکہ عزیزان مولویان یوسف وانعام یہیں پڑھتے تھے، اس وجہ سے لڑکیوں کے نظام الدین جانے کا سوال ہی نہ تھا۔ میرے گھر ہی میں شب جمعہ کو دونوں کی چارپائیاں علیحدہ علیحدہ بچھوا دی جاتی۔ جب سال کے ختم پر وہ حضرات نظام الدین گئے اپنی اپنی بیوں کو بھی چچا جان کی معیت میں ساتھ لے گئے۔

بھانجی والدۂ سلمان کا نکاح

میری ہمشیرہ زادی والدۂ سلمان کا نکاح بھی ایک معرکۃ الآراء نکاح بن گیا۔ خاندان

کے دستور کے موافق خاندان میں ایک جگہ اس کی منگنی ہو چکی تھی، مگر قرابت کے اعتبار سے دو تین جگہ زیادہ قریب تھیں، مگر ان کا قیام پنجاب میں تھا، اس کے والد ماموں شعیب صاحب جو پنجاب ہی میں رہتے تھے ان کا نہایت زوردار خط میرے پاس آیا کہ:

''میں تو حالات سے واقف نہیں اس سے بہتر اور سب سے زیادہ دیندار جگہ جو ہو وہاں کرنا چاہتا ہوں تمہارے مدرسہ کے طالب علموں میں کوئی دیندار ملے تو اس سے کر دو'' میں نے لکھا کہ:

''دیندار تو بہترین موجود ہے یعنی مفتی یحییٰ، مگر خاندان میں منگنی ہو چکی ہے، قرابت کا قصہ ہے، تعلقات کشیدہ ہوں گے اور بے دینی وہاں بھی نہیں ہے۔''

انہوں نے پھر زوردار الفاظ میں لکھا کہ:

''مجوزہ شخص داڑھی منڈاتا ہے آپ کو خبر نہیں۔''

مجھے تو واقعی خبر نہ تھی، میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ نہیں نکلی۔ میں نے چچا جان سے مشورہ کیا۔

چچا جان نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''بھائی شعیب کی بات کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟''

چنانچہ جب چچا جان نور اللہ مرقدہ نے میری بھانجی کا مدرسہ قدیم کی مسجد میں عصر کے بعد نکاح پڑھا تو تمہید میں یہ فرمایا کہ:

''بھائی شعیب صاحب کو اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجہ عطا فرماوے کہ انہوں نے تو وہ کہا جو مجھے اور شیخ الحدیث کو کہنا چاہیے تھا یعنی ''دیندار کے مقابلے میں کسی کی رعایت نہیں۔'' اور ہم دونوں نے وہ کہا جو انہیں کہنا چاہیے تھا کہ قرابت کی رعایت زیادہ ضروری ہے۔''

خاندان سے باہر نکاح

ماموں شعیب صاحب کو اللہ جزائے خیر دے ان کے دین پسند رجحان سے نکاح تو ہو گیا، لیکن خاندان والوں کی جو یورش، اس ناکارہ پر ہوئی۔ ہر ایک کے ذہن میں یوں تھا کہ بھائی شعیب تو کسی کو جانتے نہیں اور چچا جان نور اللہ مرقدہ کی رائے میری رائے کے تابع ہے۔ خاندان سے باہر نکاح کی بدعت زکریا کا کارنامہ ہے۔ اس میں ایسے عزیز قریب رشتہ دار تک خفا ہوئے کہ جن سے اس قسم کی ناراضگی کا واہمہ بھی نہیں تھا، اور میرے ایک عزیز ماموں شعیب کے

بھائی تو مجھ سے اتنے ناراض رہے کہ دو برس تک ملاقات پر بات بھی نہیں کی۔ اور اتنے سخت ناراضگی کے خط لکھے کہ کچھ حد وحساب نہیں۔ میں نے دبے لفظوں میں ایک دو دفعہ ان کو لکھا بھی کہ یہ چیز ماموں شعیب صاحب کی دین پسندی کا ثمرہ ہے۔ مگر ان کو اس کا بالکل یقین نہیں آیا کہ میں نے زبردستی ایسا نہیں کرایا۔

اس قصہ کے تو بڑے واقعات ہیں، مگر اس کے اکثر افراد انتقال کر چکے ہیں، اب تو اتنا ہی کہوں گا کہ اللہ جل شانہ ان عتاب کرنے والوں کو ناراض ہونے والوں اور انتہائی سب وشتم کرنے والوں کو معاف فرماوے اور ہمارے گھر میں خاندان سے باہر شادی کا یہ پہلا واقعہ ہے، پھر تو ان حکیموں نے مجھے ایسا گھیرا کہ میری ساری لڑکیاں چن چن کر لے لیں۔

چھوٹی دو لڑکیوں کا نکاح

۱) و ۲) ان کے بعد میری دو لڑکیوں شاکرہ مرحومہ، جس کا تذکرہ حوادث اور اموات میں گذر چکا، اور اس کی چھوٹی بہن، جواب مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیوہ ہے، کا نکاح ساتھ ہوا۔ شاکرہ مرحومہ کا جس سے نکاح ہوا تھا، حسن دیوبند پڑھتا تھا، اس سے چھوٹی بہن کا مجوزہ شوہر سعید الرحمٰن مرحوم سہارنپور پڑھتا تھا بڑا ہی سعید بچہ تھا، اسم با مسمّی تھا، اس کی خوبیوں کے واسطے ایک دفتر چاہیے، چونکہ اس کی والدہ مرحومہ کا انتقال ہوگیا تھا اس لیے وہ مع اپنی بہن کے میرے ہی پاس رہا کرتا تھا بچپن میں شرارت کرتے میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ عطا فرماوے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمادے۔ ۱۸/ ۱۹ شوال ۶۶ھ ۴/ ۵ اگست ۴۷ء کی درمیانی شب، شب جمعہ میں مرحوم کا انتقال ہوا، ہنگامہ کا زمانہ تھا کہ ڈاک بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاسکتی تھی کئی ماہ بعد مرحوم کے حادثۂ انتقال کی خبر نظام الدین پہنچی جبکہ میں اپنے سب بچوں سمیت ۴۷ء کے ہنگامہ میں نظام الدین میں محبوس تھا۔

حَسَن کے والد مرحوم نے مجھ سے یہ کہا کہ:

"میں اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس نکاح میں شرکت نہیں کر سکتا۔ میرے لیے تو بہت مشکل ہے کہ مجھے خبر ہو اور میں شریک نہ ہوں، تیرے لیے بہت آسان ہے کہ تو مجھے خبر نہ ہونے دے۔ اگر بغیر میری اطلاع کے نکاح کر دے تو مجھ پر احسان ہوگا۔"

میں نے مرحوم سے کہا کہ:

''تمہاری ذاتی مجبوریاں تو نہایت لغو، لیکن تمہاری مصلحت کا تقاضا ہے تو مجھے بھی انکار نہیں۔''

میں نے حسن کے ہاتھ ایک دستی پرچہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں لکھا:

''دو بچیوں کے نکاح کا خیال ہو رہا ہے، جس دن سہارنپور کی طرف تشریف لانا ہو حاملِ عریضہ حسن کو ساتھ لیتے آویں۔''

حضرت قدس سرہ نے اپنی ڈائری میں فوراً نوٹ کر لیا، زبانی اسی وقت اس کا جواب دے دیا کہ میں پرسوں کو لکھنؤ جا رہا ہوں، پہلے سے رات کی گاڑی سے آنے کا خیال تھا، اب خیال ہے کہ ۴ بجے کی گاڑی سے آجاؤں گا، عصر کے بعد نکاح ہو جاوے گا۔ چنانچہ ۱۹ ربیع الاول ۶۵ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء دوشنبہ کو حضرت تشریف لائے، حسن بھی ساتھ تھا۔ سعید الرحمٰن تو پہلے سے یہیں تھا۔ عصر کے بعد نکاح ہو گیا اور مغرب کے بعد ماشاء اللہ شادی کی دعوت بھی ہو گئی، کسی کو بلانا تو یاد نہیں، ویسے حضرت مدنی قدس سرہ کی وجہ سے ادھر ادھر کے احباب جمع ہو ہی گئے تھے۔ سعید الرحمٰن مرحوم تو سہارنپور میں پڑھتا تھا اور میرے ہی گھر قیام تھا اس لیے اسی دن عشاء کے بعد اس کی بناء تو میرے ہی گھر میں ہو گئی۔ اور دوسرے دن حسن کے ساتھ اس کی بیوی کو کاندھلہ بھیج دیا گیا، بھائی اکرام ساتھ گئے۔ اس سے کہہ دیا تھا کہ جمعہ تک کاندھلہ قیام کرے، جمعہ کے دن شاکرہ کو یہاں چھوڑتا جاوے، خود دیوبند چلا جاوے۔ اس کے بعد ہر شب جمعہ میں دیوبند سے آتا رہتا تھا۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری شادی

اس ناکارہ کی دوسری شادی کا مسئلہ بھی بہت معرکۃ الآراء ہے، حوادث کے ذیل میں گذر چکا کہ میں نے اپنی پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی سے بہت ہی شدت سے انکار کر دیا تھا، اور بلا مبالغہ بیس پچیس جگہوں سے بہت ہی تقاضے ہوئے اور جن میں بعض کے متعلق حضرت مدنی نے بھی سفارش فرمائی۔ ایک کے متعلق تو حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ بہت اہتمام سے تشریف لائے، مگر میں اپنی معذوریوں اور اس وجہ سے کہ ادائے حقوق نہیں کر سکتا، شدت سے انکار کرتا رہا۔ لیکن چچا جان نور اللہ مرقدہ نے ہمشیرہ مولوی یوسف مرحوم کے متعلق فرمایا تو پھر مجھے انکار کی گنجائش نہیں رہی اور میں نے عرض کیا کہ ''پھر نکاح پڑھتے جایئے۔''

انہوں نے کہا کہ تغیر زوج کے واسطے استیمار کی ضرورت ہے۔ میں دو تین دن میں خط لکھ

دوں گا اس پر چلے آنا۔ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری تو بار بار ہوتی رہتی تھی، مجھے تو اپنا ذکر کرنا بالکل یاد نہیں۔ لیکن معلوم نہیں حضرت کو کس طرح سے علم ہو گیا؟ حضرت کے متعدد اعزہ اس زمانہ میں یہاں پڑھتے تھے، حضرت قدس سرہ کو چچا جان کی ابتدائی گفتگو کا علم ہو چکا تھا، انہوں نے مجھ سے بہت اصرار سے ارشاد فرمایا کہ: ''میں ضرور چلوں گا۔'' میں نے عرض کیا کہ ''میں لے کر نہیں جاؤں گا۔'' حضرت نے بار بار اصرار فرمایا۔

بارات میں کم سے کم افراد ہوں

میں نے عرض کیا حضرت ہم لوگوں کو بارات وغیرہ کے قصہ سے اور زیادہ احتیاط برتنی چاہیے کہ بہت ہی توغل حد سے زیادہ اسراف ہونے لگا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں باراتی بن کر تھوڑا ہی جاؤں گا حضرت کا خادم بن کر جاؤں گا۔'' میں نے پھر بھی قبول نہیں کیا۔ مگر حضرت قدس سرہ کے بھانجے مولوی عبدالرحمٰن شاہ پوری بھی یہاں پڑھتے تھے میرے یہاں رہتے تھے۔ حضرت نے ان کو تاکید فرمائی اور کرا بھی دیا کہ بہت اہتمام سے خبر رکھیں اور جس دن حضرت دہلوی کا خط بلانے کا آجاوے فوراً اطلاع کی جاوے ملے تو مستقل تانگہ بیٹ کا کر کے مجھے اطلاع کریں۔ مجھے اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ چچا جان کا والا نامہ آنے پر میں نے تجویز کیا کہ کل کو ۱۰ بجے کی گاڑی سے چلا جاؤں، کسی کو لے جانے کا ارادہ نہیں تھا نہ کسی باراتی کو نہ کسی خادم کو۔ مگر علی الصباح ۷ ربیع الثانی ۵۶ھ مطابق ۱۷ جون ۳۷ پنجشنبہ کو حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ قدس سرہ اعلی اللہ مراتبہ، بہت ہی بلند درجہ عطا فرماوے تشریف لے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ: ''میں اس گاڑی سے روانگی ملتوی کر دوں۔''

حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ:

''مجھے بھی واپسی کا تقاضا نہیں، دو چار دن ٹھہرنے میں اشکال نہیں۔''

لیکن چچا جان یہ تحریر فرما چکے تھے کہ ۱۰ بجے کی گاڑی سے آجانا، اسٹیشن پر سواری مل جاوے گی۔ یہ ناکارہ حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ اور ان کے چند خادم حافظ عبدالعزیز صاحب، بھائی الطاف وغیرہ کے ساتھ ریل پر پہنچا۔ اور اسی گاڑی سے جس سے ہم لوگ سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے یعنی ۱۰ بجے کی گاڑی سے حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ ٹانڈہ سے تشریف لا رہے تھے، اسٹیشن پر ملاقات ہوئی، حضرت مدنی قدس سرہ یہ سمجھے کہ حضرت کی آمد کی اطلاع مجھے ہو گئی۔ اور میرا مستقل معمول تھا کہ جب حضرت کی آمد کی اطلاع ہوتی تو اسٹیشن پر

ضرور حاضر ہوتا، اور اگر حضرت رائپوری رحمہ اللہ کا سہارنپور میں قیام ہوتا تو حضرت بھی اسٹیشن پر ضرور تشریف لے جاتے۔ حضرت مدنی نے ہم دونوں کو اسٹیشن پر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ:

''اچھا میری اطلاع کس طرح ہوئی؟ میں نے تو تار نہیں دیا تھا، اس لیے کہ وقت تنگ رہ گیا تھا۔''

حضرت مدنی قدس سرہ کا اپنی آمد پر تار دینے کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرت کے ارشاد پر قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں، حضرت رائپوری نے ارشاد فرمایا کہ:

''حضرت کی آمد کی اطلاع نہیں تھی، ان حضرت کا نکاح ہو رہا ہے۔''

حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عتاب آمیز لہجے میں کہا ''اور ہمیں خبر بھی نہیں کی؟''

حضرت رائپوری قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''حضرت میں بھی زبردستی ساتھ ہوں، انہوں نے مجھے بھی خبر نہیں کی، اور ساتھ لے جانے سے صاف صاف انکار کر دیا کہ میں نہیں لے جاتا، میں نے تو جاسوس مقرر کر رکھا تھا کہ جب حضرت دہلوی کا خط آئے تو مجھے فوراً اطلاع ہو جاوے۔ کل شام مجھے اطلاع ہوئی صبح ہی حاضر ہو گیا۔''

نکاح میں حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرکت

حضرت مدنی قدس سرہ نے حضرت رائپوری کے ہاتھ چچا جان کے پاس پیام بھیجا کہ مولوی الیاس سے کہہ دیں کہ:

''میں نکاح پڑھوں، میرے بغیر نکاح نہ ہوگا، میں تو اسی گاڑی سے چلتا مگر مستورات بھی ساتھ ہیں سامان بھی ساتھ ہے ان کو اتار کر اگلی گاڑی سے آ جاؤں گا۔''

میں نے اول تو رد کیا کہ: ''حضرت تکلیف نہ فرماویں۔'' ایک ڈانٹ اور پڑی:

''میں آپ سے نہیں کہہ رہا ہوں میں مولوی الیاس کے پاس پیام بھی بھیج رہا ہوں کہ نکاح میں پڑھوں گا۔''

اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر حرج نہ فرماویں جب حضرت کو سہولت ہو تشریف لے آویں۔ حضرت رائپوری کو بھی دو چار دن نظام الدین کے قیام میں دقت نہ ہوگی اور یہ ناکارہ بھی حضرت کا انتظار کرے گا۔ حضرت نے فرمایا، اس کی ضرورت نہیں میں شام کو آ جاؤں گا۔

یہ قصے مجھے اسی طرح بہت خوب یاد ہے، کوئی اسمیں تردد کسی قسم کا نہیں۔ حضرت رائپوری

کو مولوی عبدالرحمٰن شاہ پوری کا جا کر اطلاع کرنا اور حضرت اقدس مدنی کا دس بجے کی گاڑی سے اسٹیشن پر ملنا اور مجھے ڈانٹ۔ یہ سب باتیں خوب یاد ہیں۔

مگر میرے روزنامچے میں تھوڑا سا تغیر ملا جس کا کوئی جوڑ سمجھ میں نہیں آتا، اور مجھے نظر نہیں آتا جس سے اندازِ تحریر سے کچھ جوڑ پیدا ہوتا۔ میرے رجسٹر میں حضرت مدنی کا شب پنجشنبہ میں سہارنپور آنا لکھا ہے، اور صبح کو ۵ بجے کی گاڑی سے دیوبند تشریف لے جانا اور حضرت رائپوری نوراللہ مرقدہ کے متعلق لاہور سے کلکتہ میل سے آنا اور اسی ۵ بجے کی گاڑی سے بندہ کے ساتھ جانا لکھا ہے۔ حضرت رائپوری کا ۳ بجے آکر ۵ بجے جانا عقل میں نہیں آتا۔ معلوم نہیں کہ لکھنے میں کیا اشتباہ ہوا۔

اس بات میں رجسٹر اور یاد دونوں برابر ہیں کہ دیوبند تک حضرت مدنی ساتھ تشریف لے گئے اور دیوبند اتر کر شام کی گاڑی سے دہلی تشریف لے گئے اور یہ ناکارہ اور حضرت رائپوری دونوں اسی گاڑی سے سیدھے دہلی چلے گئے۔ رجسٹر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ مظفر نگر سے اسی گاڑی سے میرٹھ تشریف لے گئے اور شام کو وہ بھی دہلی پہنچ گئے۔ سہارنپور سے دیوبند تک حضرت مدنی قدس سرہ بہت ہی مسرت کے ساتھ تفریح فرماتے رہے۔

کھدر کا کرتا اور عطر کی شیشی

اور اپنی اٹیچی کھول کر عطر اگر کی بند شیشی نکالی اور کھول کر تیل کی طرح سے ہاتھ کی ہتھیلی پر سارا الٹ کر اس سیہ کار کے میلے کھدر کے کرتے پر مل دی۔ میں حضرت مدنی قدس سرہ کی حیات تک ان کے خوف کے بارے میں ہمیشہ کھدر کا کرتہ پہنتا تھا اس لیے کہ اس سیہ کار پر حضرت مدنی کا یہ شفقت و کرم بھی تھا کہ بغیر کھدر کا کرتہ اگر میرے بدن پر دیکھتے تو فوراً بلا تکلف پھاڑ دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کھدر کے میلے کرتے پر یہ بڑھیا عطر کیوں ضائع فرما رہے ہیں۔ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ کھدر پر عطر خوب مہکتا ہے۔ میں نے عرض کیا:

"كَمَا صَاغَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصِهِ".

حضرت ہنس پڑے، حضرت اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے عطر ملتے جاتے تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ نائی دولہا کے عطر ملا کرتا ہے، ساری شیشی ختم کر دی اور شام کی گاڑی سے دہلی پہنچ گئے، ایک غلط فہمی سے شب کو مسجد عبدالرب میں قیام ہوا اور اگلے روز جمعہ کو علی الصباح نظام الدین تشریف لے گئے اور بعد نماز جمعہ اس سیہ کار کا نکاح بمہر فاطمی پڑھا۔ زکریا نے عرض کیا کہ

مہر فاطمی مجمل ہے اور مختلف فیہ بھی ہے، سکہ رائج الوقت سے اس کی تعیین فرمائی جائے، حضرت نے نہایت تبسم اور زور سے فرمایا کہ: ''دولہا شرمایا کرتے ہیں چپ رہو۔''

دین کے بارے میں حیاء جائز نہیں

میں نے عرض کیا کہ دین میں حیاء جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ کی بات ہے۔

مہر فاطمی کی مقدار

حضرت نے فرمایا کہ پانچ سو درہم۔ میں نے کہا کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے، سکہ رائج الوقت بتلایئے فرمایا کہ تقریباً ایک سو تینتیس روپے ہوتے ہیں، زکریا کے اس مناظرہ کو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے کسی رسالہ میں جو اس وقت نکلتا تھا تفصیل سے لکھا ہے۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ تو اسی وقت شام کو ۵ بجے واپس تشریف لے آئے، اور ان ہی کے ساتھ حضرت میرٹھی بھی واپس تشریف لے آئے۔ حضرت مدنی قدس سرہ کو دہلی کے اسٹیشن پر چھ ماہ تک دہلی میں عدم داخلہ کا نوٹس دیا گیا اور زکریا مع اہلیہ یعنی والدۂ طلحہ اور حضرت رائپوری مع خدام وعزیزان مولوی یوسف وانعام بار ہویں (اتوار) کی صبح کو ۴ بجے کی گاڑی سے چل کر ساڑھے آٹھ بجے سہارنپور پہنچے اور ہم سب کا کرایہ حضرت اقدس رائپوری نے دیا۔ اور حضرت نے اپنی طرف سے زکریا کے ولیمہ کا اعلان فرمایا جس کو راؤ یعقوب علی خان نے عملی جامہ پہنایا اور حضرت میرٹھی بلا طلب ۹ بجے کی گاڑی سے ولیمہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ زکریا نے درخواست کی تھی کہ ولیمہ میں شرکت نہ فرمادیں۔

مولانا یوسف صاحب کا دوسرا نکاح

۱۶ او عزیزم مولانا یوسف مرحوم نور اللہ مرقدہ کا عقدِ ثانی ہے جب مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ کا انتقال ہوا یعنی والدۂ ہارون کا، تو میں نے مرحوم کو شدت سے انکار کر دیا تھا کہ تم دوسرے نکاح کا ہرگز ارادہ نہ کرو، مشاغل کا ہجوم ہے تمہیں فرصت بالکل نہیں۔ نیز میں نے یہ بھی کہا کہ اس کے باوجود اگر تمہارا ارادہ ہو تو تم جہاں تجویز کرو دہلی و کاندھلہ میں اس کے لیے تکمیل وتحریک کے لیے تیار ہوں۔ عزیزم مرحوم نے کہا کہ:

''آپ کا مشورہ تو مناسب ہے، لیکن اگر کسی وقت نکاح کا خیال ہوا تو کردوں کا آپ ہی کی لڑکیوں میں سے کسی سے، اور کسی جگہ کرنے کا ارادہ نہیں۔''

میں نے خاندان کی کئی لڑکیوں کا نام لیا جن کے متعلق والدۂ ہارون کے انتقال کے بعد عزیزم مولانا یوسف مرحوم کے لیے میرے پاس بہت سی جگہ سے سفارشات اور تقاضے آئے تھے۔ عزیزم مرحوم نے کہا کہ نکاح کی ضرورت ہے اور کرنا آپ ہی کے یہاں ہے۔ میں نے مرحوم سے کہا کہ میرے پاس اس وقت دو لڑکیاں ہیں، ایک بیوہ اور ایک کنواری۔ بیوہ عزیز مولوی سعید الرحمٰن کی بیوی تھی جس کا اوپر ذکر آیا۔ عزیزم مرحوم نے کہا میرے لیے دونوں برابر ہیں۔ میں نے پھر اصرار سے کہا نہیں جس میں تمہیں ذرا بھی ترجیح ہو میں اسی کے لیے تیار ہوں اور اگر واقعی تمہارے نزدیک دونوں برابر ہیں تو میرے نزدیک بیوہ کو ترجیح ہے، اس لیے کہ وہ غم زدہ ہے، شادی کے بعد جلدی ہی اس کے خاوند کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے یوں کہا کہ بہت مناسب ہے۔

حکیم الیاس کا نکاح

نیز حکیم ایوب صاحب کے صاحبزادے حکیم الیاس کے متعلق حکیم ایوب صاحب مجھ سے کئی دفعہ کہہ چکے تھے، میں ہر دفعہ میں یہ کہتا تھا کہ تمہارے سب بچوں میں حکیم الیاس سے جتنی مجھے محبت ہے اتنی کسی سے نہیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حکیم الیاس کو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر دے ان کو بچپن سے مجھ سے بہت محبت تھی، جب شادی کا ذکر تذکرہ بھی نہیں تھا اور میرا حاجی علی کی آمد و رفت بہت کثرت سے تھی تو حکیم الیاس۔ اللہ بہت ان کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ دن اور رات میں محض اطلاع پر اسٹیشن جاتا تھا، حالانکہ میں نے کئی بار منع بھی کیا کہ محض اطلاع پر نہ آیا کرے۔

مولانا یوسف صاحب کا تو طے ہو ہی چکا تھا، ان کی نظام الدین سے آمد کا میں نے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا، مگر اتفاق سے حضرت اقدس رائپوری سہارنپور تشریف فرما تھے اور اسی وقت لکھنؤ تشریف لے جا رہے تھے مولوی یوسف کی آمد پر حضرت قدس سرہ نے نکاح میں شرکت کی خواہش بھی ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ لکھنؤ اطلاع کر چکا ہوں اسی وقت جانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے یہاں کی تقریبات کوئی ایسی موقت نہیں ہوتیں آپ کی واپسی پر دیکھا جائے گا۔ عزیز یوسف مرحوم چلا گیا۔ حضرت رائپوری قدس سرہ کی لکھنؤ سے واپسی پر جس کی اطلاع عزیز مولوی یوسف کو نظام الدین میں ہو گئی تھی وہ بھی آ گئے۔ میں نے حکیم ایوب صاحب سے دوپہر کے کھانے کے بعد کہلوایا کہ عزیز یوسف کا نکاح عصر کے بعد پڑھوانے کا خیال ہے اور حکیم الیاس کے متعلق تم بہت دفعہ کہہ چکے ہو، اب تو میں نے بھی ارادہ کر ہی لیا، عزیز الیاس سے کہہ دیں کہ

عصر کی نماز مدرسہ قدیم میں پڑھے۔ تمہیں اپنا اختیار ہے اور کسی کو اطلاع نہ کیجیے۔ مگر معلوم نہیں حکیم ایوب صاحب کے بڑے بھائی حکیم یامین صاحب کو کس طرح خبر ہوگئی کہ وہ مجھ سے مخفی اسی وقت ایک کار لے کر دیوبند پہنچ گئے اور حضرت مدنی قدس سرہ سے کہا کہ شیخ الحدیث صاحب کی دولڑکیوں کا نکاح عصر کے بعد ہورہا ہے اس نے تو پیغام نہیں بھیجا لیکن ان میں سے ایک کا میرے بھتیجے کے ساتھ ہے، میری درخواست ہے کہ حضرت تشریف لے چلیں۔ حضرت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجہ عطا فرماوے۔ حضرت نے فرمایا کہ شیخ الحدیث کی لڑکیوں کے نکاح کے لیے طلب کی ضرورت نہیں، اور حضرت قدس سرہ کو اس وقت بخار بھی بڑا شدید تھا، اور قاری اصغر صاحب مرحوم نے حکیم یامین صاحب پر بہت عتاب بھی فرمایا کہ تم لوگ اپنے جذبات میں حضرت کی راحت کی بالکل پرواہ نہیں کرتے مگر حضرت قدس سرہ نے فرمایا میں ضرور جاؤں گا۔ شدید بخار میں ۱۹ ربیع الثانی ۶۹ھ چہار شنبہ کو تشریف لائے اور نکاح دونوں کا پڑھ کر اسی وقت اسی کار میں تشریف لے گئے۔ ان دونوں کے ساتھ مولوی نصیر الدین کی سب سے بڑی لڑکی زبیدہ مرحومہ کا بھی حضرت نے نکاح پڑھایا۔ مولوی نصیر الدین نے سو روپے کا نوٹ بہت توڑ موڑ کر پیش کیا۔ حضرت نے گھورا اور غصہ سے انکار کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور لے لیجیے۔ میں نے نصیر کے ہاتھ میں سے لے کر حضرت کی جیب میں رکھ دیا اور عرض کی اکہ بڑے موذی کا مال ہے ضرور قبول فرمالیں اس پر حضرت ہنس پڑے۔

عزیز مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تو دوسرے ہی کار میں اپنی اہلیہ کو نظام الدین لے کر چلے گئے، والدۂ طلحہ، والدۂ سلیمان بھی ساتھ گئیں اور عزیز مولوی نصیر الدین کی لڑکی زبیدہ مرحومہ کی رخصتی ۲۷ شعبان کو ہوئی۔

رخصتی کے لیے والد کا خود جانا

اور عزیز حکیم الیاس کے نکاح سے ایک ماہ بعد ۸ جمادی الاولیٰ کو یکشنبہ کو میں نے عشاء کے بعد جب سب سونے کے واسطے لیٹ گئے، اپنی بچیوں سے کہا کہ الیاس کی گھر والی کو چائے وائے پلادیجیو۔ میرا خیال یہ ہے اذان پر میں خود پہنچادوں گا۔"

اور حکیم ایوب صاحب کے پاس آدمی بھیجا وہ سونے بھی لیٹ گئے تھے اس لیے کہ سردی کا زمانہ تھا، گیارہ بج چکے تھے، میں نے مولوی عبدالحمید مرحوم کے ہاتھ کہلا بھیجا:

"اذان کے وقت میں مولوی الیاس کی گھر والی کو لے کر آؤں گا گھر والوں سے کہہ دو

کہ اذان کے وقت کوئی زنجیر کھٹکھٹادے تو نام پوچھ کر دروازہ کھول دیں کبھی مجھے دق ہونا پڑے۔" حکیم جی کا جواب آیا کہ:

"مجھے تو انکار نہیں مگر تجھے اس وقت دقت ہوگی اگر اجازت دے تو میں اور الیاس ایک رکشہ لے کر اس کو لے آویں اور کسی کو خبر نہ ہوگی۔"

چنانچہ دوشنبہ کی صبح کو اذان کے بعد حکیم جی اور حکیم الیاس ایک رکشہ لے کر آگئے اور عزیزہ کو مع ایک دو عزیزوں کے جو یہاں موجود تھے لے کر چلے گئے۔ خود ان کے گھر والوں کو بھی صبح کی نماز کے بعد پتہ چلا کہ بیگم گھر میں آگئی۔ میرے ایک مخلص دوست حاجی نور الٰہی عرف شیخ بدھو پندرہ بیس دن سے روزانہ دریافت کرتے تھے کہ میرے گھر والے بہت اصرار کر رہے ہیں اللہ کے واسطے میرے گھر والوں کو خبر دیدیں کسی کو کریں یا نہ کریں۔ مرحوم اس زمانے میں صبح کی چائے میرے ساتھ پیا کرتے تھے۔ میں نے صبح کی چائے میں ان سے کہہ دیا کہ: "وہ تو چلی گئی، پہلے سے کہنے کا موقع نہ ہوا۔"

مرحوم کو بڑا قلق ہوا اپنے گھر جا کر کہا کہ وہ جا لی اب تم شور مچاتی ہو۔

اب تک تو ساری شادیاں میری پہلی اہلیہ مرحومہ کی اولاد کی ہوئیں دوسری اہلیہ کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا عزیز طلحہ ہے۔ دونوں بچیوں میں سے بڑی لڑکی کے متعلق حکیم ایوب صاحب نے عزیز مولوی عاقل کے متعلق کئی دفعہ تحریک کی اور میں نے وہی جواب دیا جو چچا جان نے عزیز یوسف کی ہمشیرہ کے متعلق مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہارے قابل نہیں، یہی میں نے حکیم ایوب سے دہرا دیا۔ اس کے بعد ایک صاحب نے مجھ سے سفارش، اور میرے ذریعہ سے اپنی بہن کا پیام عزیز عاقل کے لیے دیا، میں نے حکیم ایوب صاحب سے پیام بھی پہنچایا اور سفارش بھی زور سے کی۔ حکیم ایوب صاحب نے کہا کہ جب تک آپ کی اس بچی کا کہیں نکاح نہ ہوگا، میں عزیز عاقل کا کہیں نکاح نہیں کروں گا، جب آپ کی بچی کا کہیں ہو جاوے گا تو میں اس کے لیے بھی تلاش کرلوں گا۔

عزیز مولوی یوسف مرحوم کا عمرہ پر جانے کا خیال ہوا، انہوں نے مجھے لکھا کہ:

"عمرہ پر جانا ہے، خیال یہ ہے کہ جانے سے پہلے عزیزان ہارون وطلحہ کا نکاح ہو جاوے۔"

سادگی کے ساتھ شادی کا ایک اور واقعہ

میں نے لکھ دیا جب چاہے آ جاؤ۔ اور چونکہ حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کی طبیعت ناساز تھی اس لیے یہ تجویز ہوا کہ عزیز یوسف مرحوم کی گاڑی میں ہم سب رائپور چلے جاویں، وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھ دیا جاوے، ظہر کی نماز میں حکیم جی کی مسجد میں میں نے حکیم ایوب صاحب سے کہا کہ عزیزان ہارون وطلحہ کے نکاح کی تجویز ہو رہی ہے ہم لوگ اس وقت رائپور جا رہے ہیں خیال یہ ہے کہ عزیز عاقل کو بھی ساتھ لیتے جاویں۔ جب آپ کا اصرار ہے تو اس کا بھی پڑھوا دیں، ہم لوگ تو اسی وقت عصر سے پہلے جا رہے ہیں، خیال یہ ہے کہ عزیز عاقل کو بھی ساتھ لیتے جاویں لیکن عورتوں کے قیام میں وہاں دقت ہوگی، اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ تم تکلیف کر کے کیا کرو گے، تاہم اگر تمہارا آنے کا ارادہ ہو تو صبح کو میر صاحب کی گاڑی سے آ جانا، اور عزیز عاقل کو تم اپنے ساتھ لے آنا، اور بجائے شام کے صبح ۹ بجے نکاح پڑھ دیں گے۔

مولوی عاقل کی شادی

چنانچہ حکیم جی صبح کو مع عزیز عاقل، عزیز اسماعیل پہنچ گئے، اور ۹ بجے حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ کی موجودگی میں حضرت ہی کے حجرہ میں عزیزم مولوی یوسف مرحون نے تینوں کا نکاح پڑھ دیا، لیکن عزیز ہارون کے خسر مولوی اظہار صاحب نے اصرار کیا کہ ان کی خواشدامن وغیرہ سب کا مہر پانچ ہزار ہے، اور عزیز طلحہ کے خسر صوفی افتخار نے کہا کہ ہمارے یہاں کا مہر مثل ڈھائی ہزار ہے، میں نے کہا کہ بھائی میری بچیوں کا مہر مثل تو حضرت مدنی "مہر فاطمی" تجویز کر گئے ہیں، لہٰذا بیک مجلس تین نکاح تین مہروں پر ہوئے۔ حکیم ایوب صاحب تو اسی وقت واپس آ گئے۔ عزیز عاقل کو میں نے اپنے ساتھ آنے کے لیے روک لیا۔ اگلے دن ہم سب ساتھ واپس ہو گئے۔

۱۸ ذی الحجہ ۸۱ھ بدھ کو مولانا یوسف مرحوم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حافظ عبد العزیز دہلوی کی کار میں ہارون کی اہلیہ کو رخصتی کر کے نظام الدین لے گئے۔ اور عزیز طلحہ کی رخصتی ۸۳ھ میں جب کہ ہم لوگوں کا سفر حج طے ہو گیا تھا، اس ناکارہ نے مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھ دیا کہ: "جب تم سہارنپور آؤ تو راستہ سے اہلیہ طلحہ کو لیتے آنا۔"

عزیزان مولوی یوسف وانعام ۸ شوال بروز شنبہ حاجی شفیع کی کار میں عزیز طلحہ کی اہلیہ کو

لانے کے واسطے کاندھلہ اترے۔ حاجی غلام رسول صاحب کلکتہ کے پندرہ بیس نفر پنڈوہ کے تبلیغی اجتماع کی تاریخ لینے کے واسطے اسی دن دہلی پہنچنے والے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ مولانا یوسف صاحب اس تاریخ میں سہارنپور رہوں گے تو سیدھے سہارنپور پہنچ گئے، اور جب یہاں آ کر معلوم ہوا کہ مولانا یوسف صاحب کاندھلہ ہیں تو صابری صاحب کی کار میں کاندھلہ چلے گئے۔

چند ماہ بعد ۱۱ رجب ۸۱ھ بروز چہار شنبہ عزیز مولوی یوسف مرحوم سہارنپور کے قریب سیکری کے تبلیغی اجتماع میں جانے کے لیے رائپور ہوتے ہوئے سہارنپور پہنچے۔ حکیم ایوب صاحب نے کہا کہ اگر آپ عاقل کی اہلیہ کو آج بھیج دیں تو مولوی یوسف صاحب کو کل عاقل کے ولیمہ میں شرکت کر کے جاویں۔ میں نے کہا کچھ مضائقہ نہیں۔ میں نے مولوی یوسف مرحوم سے کہا کہ حکیم جی کل سیکری سے واپسی پر تمہیں عزیز عاقل کے ولیمہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ اسکی وجہ سے اپنے کسی کام کا حرج کرنا نہیں البتہ وہاں والوں سے یہ ضرور کہہ دیں کہ کل کو ایک ولیمہ کی شرکت کا وعدہ کر کے آیا ہوں۔ اطمینان سے جب بھی فراغت ہو آ جانا میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اور جس کا جی چاہے تمہارا انتظار کرے یا نہ کرے۔ چنانچہ مولانا یوسف صاحب مرحوم دوسرے دن پنجشنبہ ۱۲ رجب کو عصر کی اذان کے قریب آئے، اسی وقت ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔

اس سے پہلے چہار شنبہ کے دن عصر کے بعد حکیم ایوب صاحب آئے، ان کا ہمیشہ کا معمول عصر کے بعد آنے کا تھا، مگر وہ آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے لیکن اس دن وہ بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہوئے، میں نے کہا بیٹھنا ہو تو بیٹھ جاؤ ورنہ اڑ جاؤ۔ وہ تو چلے گئے اسکے تھوڑی دیر بعد عزیز عاقل آیا، اس سے میں نے اور بھی زیادہ تفریح کا فقرہ کہا جو شائع کرنے کے قابل نہیں زبانی تو کہہ دیا۔

مختصر سا ولیمہ

جب میں مغرب کی نماز کو جا رہا تھا میں نے عزیزان ہارون، طلحہ سے کہا کہ مجھے تو مغرب کے بعد دیر لگتی ہے تم مغرب کی نماز پڑھتے ہی ڈولی میں اپنی بہن کو حکیم جی کے یہاں پہنچا دینا۔ مغرب کے بعد محلہ کے ایک مخلص دوست نے یہ کہا بھی کہ میں چپکے سے ڈولہ اٹھا لاؤں محلہ میں موجود ہے مگر عزیزان ہارون، طلحہ وغیرہ نے کہا شیخ ابا کو گرانی ہو گی، اس لیے یہ دونوں عزیز عاقل کی اہلیہ کو میرے مسجد آنے سے پہلے وہاں پہنچا کر آئے۔ اگلے دن ۱۲ رجب ۸۱ھ بروز جمعرات حکیم جی نے مختصر سا ولیمہ کر دیا۔ مگر میں نے اور حکیم جی نے عزیز یوسف مرحوم کے انتظار میں

عزیز موصوف کی واپسی پر عصر کے وقت کھانا کھایا۔

مولوی سلمان کا نکاح

میری سب سے چھوٹی بچی کا نکاح، جو دوسری اہلیہ کی دوسری بچی ہے، میری ہمشیرہ مرحومہ کے نواسے عزیز مولوی سلیمان سلمہ سے ہوا، خاندانی حیثیت سے اس کی منگنی تو بہت ابتداء ہی میں ہو چکی تھی۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ شاید بچی کے پیدا ہونے پر ہو چکی تھی، اور مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ مجھ سے کسی نے پوچھا بھی ہے اس لیے کہ یہ تو خاندان کے قانون اقرب ذی غیر محرم میں بھی داخل تھا، مولوی انعام الحسن کی آمد پر ۲ ذیقعدہ ۸۶ھ بمطابق ۱۳ فروری ۶۷ء بعد عصر مسجد قدیم میں زکریا نے اعلان کر دیا کہ ایک نکاح ہے سب حضرات تھوڑی دیر تشریف رکھیں، اب تو اس ناکارہ کے لیے یہ کوئی چیز قابل التفات قابل توجہ بھی نہ رہی تھی۔ مولوی انعام سلمہ نے مہر فاطمی پر عصر کے بعد نکاح پڑھ دیا، اور مغرب کی نماز کے بعد ناکارہ مسجد میں تھا، عزیز طلحہ و ہارون بابو جی کی کار میں حکیم جی کے یہاں پہنچا آئے عزیز مولوی انعام منگل کی دوپہر کو ولیمہ کھانے کے بعد کاندھلہ ہوتے ہوئے نظام الدین گئے۔

نواسوں کی شادی

میری لڑکیاں تو نمٹ گئیں، اب نواسوں کا نمبر شروع ہوا اگرچہ ایک نواسے سے عزیز ہارون کا نمبر ۱۱ کے تحت گذر چکا۔

شوال ۸۸ھ میں عزیز مولوی انعام، ہارون وغیرہ کا تو تبلیغی قانون کے موافق کہ ہر تیسرے سال حج کو جاتا ہے، سفر حج متعین تھا، اور اس ناکارہ کے حج کا مسئلہ ہمیشہ ہی بیم و رجا میں رہتا ہے، اللہ کا لطف و احسان، فضل و کرم اور حرمین کے اعزہ و احباب کا اصرار ہمیشہ حاضری پر زور دیتا رہتا ہے اور میری بد اعمالیاں، سیئات مانع بنتی رہتی ہیں، اس وقت بھی میرے حج کا مسئلہ بیم و رجاء میں تھا۔ عزیز مولوی انعام نے مجھے دہلی سے لکھا کہ اگر آپ کا ارادہ سفر حجاز کا ہو گیا ہو تو عزیز زبیر، شاہد کا نکاح پڑھتے آویں۔ میری شرکت کی وجہ سے تاخیر نہ کریں، آپ کی شرکت میری شرکت کا نعم البدل ہے۔

لیکن اس وقت تک اس سیہ کار کا سفر پختہ نہ ہو سکا تھا اور بعد میں خود مولانا انعام الحسن صاحب نے نظام الدین کی بعض ضروریات کی بناء پر میرا سفر ملتوی فرما دیا تھا، اور علی میاں بھی

میرے سفر کے التواء میں اور یہاں کی ضرورت میں مولانا انعام الحسن صاحب کے ہمنوا تھے۔
اس ناکارہ کا سفر ملتوی ہو گیا تو مولانا انعام الحسن صاحب الوداع کے لیے تشریف لائے، ان کی آمد پر حکیم ایوب صاحب کی رائے ہوئی دار الطلبہ جدید کی دار الحدیث کا افتتاح بھی اس وقت ہو جاوے۔ چنانچہ ۲۵ شوال ۸۸ھ یوم چہار شنبہ کی صبح کو اول اس سیہ کار نے بخاری شریف کا سبق شروع کرایا جس کی تجویز تو پہلے سے مولانا یوسف صاحب کے متعلق ہو چکی تھی مگر ان کا بھی اصرار تھا کہ بسم اللہ یہ ناکارہ کراتا جاوے، چنانچہ بخاری شریف کی بسم اللہ کے بعد عزیز مولوی انعام سلمہ کے دونوں نواسوں کا نکاح دونوں نواسوں کی بہنوں سے مہر فاطمی پر پڑھ دیا، خیال تو یہ تھا کہ رخصت بھی اسی وقت کرا دیں، مگر چونکہ دونوں طلب علم میں مشغول تھے، مولوی انعام صاحب کا خیال ہوا کہ مبادا رخصتی تعلیم میں حارج ہو۔ میں نے تو کہا بھی کہ تمہارا عزیز یوسف مرحوم کا تو طالب علمی میں نکاح ہوا اور طالب علمی ہی کے زمانے میں رخصتی ہوئی تھی۔ مگر عزیز مولوی انعام الحسن سلمہ نے یوں کہا کہ دور بدل گیا۔ اور صحیح کہا۔

نکاح کی عجلت بھی ان عزیزوں اور دوستوں کے اس خیال سے تھی کہ شاید اس ناکارہ کی امراض کی کثرت اور اعذار کی وجہ سے حجاز سے واپسی کی نوبت نہ آوے۔ شادیاں تو اللہ کے لطف و کرم سے، اس کے فضل و احسان سے ساری ایسی سہولت اور آسانی کے ساتھ ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ دوستوں کو بھی نصیب فرماوے۔ جہیز کا قصہ بھی کسی کے ساتھ پیدا نہ ہوا۔

حکیم الیاس سلمہ کو میں نے شادی کے بہت دنوں کے بعد کہا تھا کہ ہمارے یہاں پیالے بہت جلد گم ہو جاتے ہیں اور مہمانوں کے لیے اکثر ضرورت ہوتی ہے بار بار منگاتا ہوں پھر کھوئے جاتے ہیں، تو جہیز کے نام سے پندرہ بیس خرید کر اپنے گھر رکھ لے، وہ ملک تو تیری اہلیہ کی ہے اور کام میرے مہمانوں کے آویں گے چنانچہ عزیز موصوف کے یہاں وہ پیالے اس کی شادی کے بعد سے رکھے ہوئے ہیں، بہت معمولی قسم کے، جو اس سے زیادہ میرے کام آتے ہیں۔ اکثر مہمانوں کے موقع پر عزیز موصوف کھانے کے وقت تو ہوتا ہی ہے جب پیالوں میں کھانے کی کوئی چیز کہیں سے آ جاتی ہے تو عزیز موصوف خود ہی پیالے لے آتا ہے اور لے جاتا ہے یا میں آدمی بھیج دیتا ہوں۔

جہیز کے بارے میں قابل تقلید بات ہے

البتہ جہیز کے سلسلہ میں ایک نہایت قابل فخر چیز میری سب بچیوں کے لیے یہ ہے کہ ان

سب کے جہیز کے لحاف بچھونا میں نے ضرور دیا اور بہت عمدہ دیا، لیکن یہ بھی اللہ کا احسان ابتداء اور حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا احسان ثانیاً جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت قدس سرہ ہر سال یا دوسرے سال ایک نہایت ہی نفیس اعلیٰ قسم کا لحاف، بچھونا اس ناکارہ کو مرحمت فرماتے تھے اور حضرت کا اصرار شدید ہوتا تھا کہ میں اس کو استعمال کروں، مگر چونکہ وہ اعلیٰ قسم کا ہوتا تھا میرے استعمال کے قابل نہیں ہوتا تھا اس لیے میں اس کو نہایت مضبوط رسی سے ترپال میں باندھ کر اپنے گھر کے سامنے لٹکا دیتا تھا اور جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی اس وقت تو بجنسہٖ اس سے ایک دو ماہ پہلے یا اس کے ایک دو ماہ بعد، اس کے حوالے کرتا تھا، یہ بھی ایک عجیب قدرت کا کرشمہ ہے حضرت رائپوری قدس سرہ نے اپنی طالب علمی کے قصے بہت ہی سنائے نیز اپنی رائپور کی ابتدائی حاضری کا بھی۔

حضرت رائپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ

حضرت قدس سرہ نے کئی مرتبہ یہ قصہ بھی سنایا۔ شاید یہ قصہ میری کسی تحریر میں آ بھی چکا ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں ایک سال سردی کا ایسا گزرا کہ سردی کے بچاؤ کا کوئی کپڑا لحاف، بچھونا، کملی، رضائی وغیرہ کچھ نہیں تھا، کسی سے اظہار کی غیرت نے اجازت نہ دی، مغرب کے بعد سے کتاب لے کر جس مسجد کے اندر قیام تھا اس کے حمام کے سامنے بیٹھ جاتا۔ عشاء پڑھ کر بھی وہیں بیٹھ جاتا، لوگ سمجھتے کہ بعض آدمیوں کو آگ سینکنے کا مرض ہوتا ہے اس کو بھی سینکنے کا شوق ہے۔ جب سب نمازی چلے جاتے، مسجد کا کواڑ لگا کر مسجد کے کونے میں صف پر لیٹ کر اور صف کو ہاتھ سے پکڑ کر کروٹیں لیتا ہوا دوسرے کونے پر چلا جاتا۔ وہ صف ساری مجھ سے لپٹ جاتی، وہی اوڑھنا تھا اور وہی بچھونا تھا، سر کی طرف سے اور پاؤں کی طرف سے رات بھر خوب ہوا آتی، جب اخیر شب ہوتی تو اسی صف سے کروٹیں بدلتے بدلتے دوسری طرف آ جاتا، صف ساری بچھ جاتی۔ حضرت نے کئی دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت وہ سردی تو گزر گئی، لیکن اس کے بعد سے کوئی سردی ایسی نہیں گزری جس میں ایک عمدہ لحاف، بچھونا اللہ کی طرف سے عطا نہ ہوا ہو۔ یہی وہ لحاف بچھونے تھے جو اکثر اس سیہ کار کو مرحمت فرما دیتے، زیادہ خوبصورت ہوتا تو اس سیہ کار کو مرحمت فرما دیتے کم درجہ کا ہوتا تو کسی اور کو یا اپنے استعمال میں ضرورت ہوتی تو لے آتے، یہ چونکہ بہت عمدہ مخمل کا یا اطلس کا ہوتا تھا اس لیے میں اس کو احتیاط سے رکھوا دیتا۔ میری سب سے چھوٹی بچی تک بڑی دو لڑکیوں سے لے کر حضرت قدس سرہ کے لحاف بچھونے جہیز کے نام

سے دیئے گئے۔

جہیز میں بقدر ضرورت برتنوں کے دینے کا تو میں خلاف نہیں اگر واقعی ضرورت ہو۔ اور زیور کا دینا پسندیدہ ہے بشرطیکہ ایسا ہو کہ اس میں مالیت تو زیادہ ہو اور گھڑائی بہت کم ہوتا کہ ضرورت کے وقت بچیوں کے کام آسکے اور اپنی ہمت کے موافق ضرور دیا جائے۔

جہیز میں اعلیٰ کپڑے دینا ناپسندیدہ ہے

البتہ جہیز بری کے کپڑوں کا بہت مخالف ہوں کہ وہ عمدہ عمدہ قیمتی جوڑے اس قابل تو ہوتے نہیں کہ ان کو پہن لیے جاویں، صندوقوں کی نعمت ہو کر گلتے ہیں، یا خدانخواستہ موت کا حادثہ پیش آجاوے تو مدرسہ میں داخل ہو کر معمولی داموں میں نیلام ہوتے ہیں۔ اگر ایک دو جوڑا قیمتی بھی بنالیا جاوے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ کہیں جانے آنے میں استعمال ہوسکتا ہے لیکن بہت قیمتی جوڑے اسراف اور اضاعت مال کے سوا کچھ نہیں۔ اس سلسلے کے درمیان آپ بیتی نمبر ا صفحہ پر بھی لکھ چکا ہوں اس سے اس قدر نفرت ہوگئی کہ بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

شادی کا جوڑا یا عذاب

میرے بچپن میں ایک چیز "سراسری" کے نام سے مشہور تھی وہ اس قدر لغو تھی کہ حد نہیں۔ ایک اوڑھنے کی چادر ہوتی تھی جس پر مختلف قسم کے موتی چھوٹے چھوٹے بھی اور بادام کے برابر بڑے بڑے بھی اور اس سے بڑے بھی جیسے نادیہ بنیل کے اوپر کوڑیوں والی چادر ہوتی ہے، اتنے جڑے رہتے تھے کہ لا تعد ولا تحصی۔ اور درمیان میں گوٹہ کی اور گھوکھرو کی انواع اتنی زیادہ کہ کپڑا کسی جگہ سے نظر نہیں آتا تھا اور عروس (دلہن) کے لیے یہ ایک عذابِ عظیم تھا۔ اس لیے میرا اندازہ یہ ہے کہ اس کا وزن ایک دھڑی سے کسی حال سے کم نہ تھا، بچی پر جب اوڑھا جاتا تھا تو وہ غریب پسینہ پسینہ ہو کر سارے کپڑے بھیگ جاتے تھے، جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تو وہ سراسری پانچ چھ دن کے لیے مانگ لی جاتی۔ وہ تو ایک مصیبت تھی لیکن اس کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا کہ اگر ایک عمدہ لباس فاخرہ خاندان میں بنا کر رکھ لیا جائے اور جہاں کہیں شادی ہو وہ آٹھ دس دن کے لیے مانگ کر دے دیا جاوے تو بہت اچھا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ حدیث پاک سے بھی یہ چیز مستنبط ہوتی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کے

درمیان میں باب استعارۃ الثیاب للعروس وغیرہا ایک مستقل باب باندھ کر میرے مضمون کی طرف اشارہ فرمایا کہ شادی میں اگر دلہن کے لیے کوئی کپڑا وغیرہ مانگ لیا جاوے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس باب کے اندر امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک سفر میں اپنی بہن کا ہار مانگ کر لے جانا ذکر کیا ہے۔ اس سے زیادہ واضح دوسرا باب کتاب الہبۃ میں باندھا باب الاستعارۃ للعروس عند البناء (دلہن کے واسطے رخصتی کے وقت کپڑے کا مانگ لینا) اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک قصہ نقل کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میری اس لونڈیا کو دیکھو یہ اس کرتے کو اپنے گھر کے اندر پہننے سے بھی انکار کرتی ہے، (یوں کہتی ہے کہ میں نہیں پہنتی، یعنی ناک چڑھاتی ہے) حالانکہ میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی قسم کا ایک کرتہ تھا، مدینہ منورہ میں جب کسی عورت کی شادی ہوتی میرے پاس آدمی آتا کہ وہ چار دن کو اپنا کرتہ دے دو۔ فقط۔ میں نے جب سے یہ حدیث بخاری شریف میں پڑھی تھی اس وقت سے بڑا ہی لطف آرہا ہے۔

اگر ایک مشترک لباس نہ ہو تو کم از کم شادی کے وقت اپنے گھر کی شادی شدہ بہنیں اپنی بہن کو نئی شادی کے لیے ایک نیا کرتہ چند روز مانگا دے دیں تو کیا اشکال ہے؟ اس طرح سے زیور بھی۔ زیور سے تو مجھے بھی سابقہ پڑا ہے کہ جس لڑکی کی رخصتی فوری طور پر ہوئی ذرا سا اشارہ اس کی بہنوں کی طرف کردیا اور انہوں نے میرے اشارے سے بھی آگے بڑھ کر اپنا اپنا زیور پہنادیا اور مہینوں خبر بھی نہ لی۔ جب اس کا بن گیا واپس لے لیا۔ اگر آپس کے تعلقات اچھے ہوں، محبت ہو، اخلاص ہو، ساری چیزیں آسان ہیں۔ شادی تو خوب آسان ہے، جس کو آج کل لوگوں نے بہت ہی مصیبت عظمیٰ بنادیا۔

شادیوں کی دعوت

اور جہیز بری سے زیادہ شادیوں کی دعوت سے بھی مجھے نفرت ہے۔ اس ناکارہ کے یہاں دیکھنے والوں کو سب ہی کو معلوم ہے کہ مہمانوں کا ہجوم بعض اوقات دوسو ڈھائی سو تک ضرور پہنچ جاتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ تو دس بارہ دیگوں کی نوبت بھی پکنے کی آئی۔ لیکن شادیوں کی مد میں ایک دفعہ بھی مجھے یاد نہیں کہ کوئی ایک دیگ پکوائی ہو۔

اور شادیوں کی دعوت میں ایک مصیبتِ عظمیٰ یہ ہے کہ اگر ایک کو بلایا تو پھر دوسرا خفا ہوجائے گا اور اس کو بلایا تو پر دوسرا تیسرا خفا ہوجائے گا۔ کہیں تو مجبوری کی وجہ سے نام بڑھتے

ہیں اور کہیں ناموری کی وجہ سے۔ اور جو شروع ہی میں ناک کٹوا لے جو واقع میں تو کٹے گی نہیں تو پھر نہ تو قرض لینا پڑے اور نہ سود دینا پڑے۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ جب کوئی یہ کہے کہ تم نے دعوت نہ کر کے اپنی ناک کٹوالی تو اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میری تو کٹی نہیں۔ (ماخوذ از آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ)

(نوٹ:) یہاں شادی کی مناسبت سے اولاد اور میاں کے متعلق چند اعمال لکھے جاتے ہیں تا کہ میاں بیوی کی زندگی خوشگوار بنانے نیز اولاد کی صحت و عافیت سے والدین کو خوشی نصیب ہو۔

برائے عقیمہ (اولاد سے محرومی کی صورت میں)

بانجھ عورت کے واسطے ہرن کی جھلی پر زعفران اور گلاب سے یہ آیت لکھے:

﴿ وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَت بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَت بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَيْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ ﴾

پھر اس تعویذ کو اس کی گردن میں باندھے:

ایضاً:

چالیس لونگوں پر سات سات بار اس آیت کو پڑھے:

﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾(نور:٤)

اور لونگ کو ہر دن کھائے اور حیض سے غسل کے فوراً بعد کھانا شروع کرے، اور ان دنوں میں شوہر ہمبستری بھی کرتا رہے۔

فائدہ:

مولانا نے فرمایا اس عمل کی شرط یہ ہے کہ لونگ رات کو کھائے پھر اس پر پانی نہ پئے۔ (اعمال قرآنی)

برائے نرینہ اولاد

جس عورت کے ہاں نرینہ اولاد نہ ہو اور وہ نرینہ اولاد کی خواہشمند ہو اس کے لیے یہ نسخہ استعمال کرے ان شاء اللہ نرینہ اولاد پیدا ہوگی۔

نسخہ:

عورت کے پیٹ پر گول لکیر کھینچے اور ستر بار انگلی پھیرنے کے ساتھ "یامتین" کہے۔

لڑکا ہونے کے لیے

اور جو عورت سوائے لڑکی کے لڑکا نہ جنتی ہو حمل پر تین مہینہ گزرنے سے پہلے ہرن کی جھلی میں زعفران اور گلاب سے اس آیت کو لکھے:

﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد:۸،۹)

پھر یہ لکھیں:

﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ (مریم)

پھر یہ لکھے:

"بحق مریم و عیسیٰ ابنا صالحا طویل العمر بحق محمد و اٰلہ"

پھر اس تعویذ کو حاملہ کے باندھے رہے۔ (اعمالِ قرآنی)

برکتِ اسمِ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس وقت کتاب کا حوالہ یاد نہیں مگر متقدمین علماء میں سے کسی نے لکھا ہے اور میرا تجربہ ہے کہ جب بچہ پیٹ میں ہو اس وقت اس کا نام "محمد" رکھ دیا جائے تو وہ بچہ لڑکا ہوگا۔ (ماخوذ از بسم اللہ کے خواص)

نوٹ:

یادر ہے کہ اولیاء کا مجرب ہے، کوئی قرآن وحدیث کا نص صریح نہیں لہٰذا کبھی اس کے خلاف ہوجائے تو اس پر پریشان نہ ہونا چاہیے۔ (ابن شائق عفا اللہ عنہ)

برائے زندگی اولاد

اور اس نے جس پر اعتماد ہے خبر دی ہے کہ جس عورت کا لڑکا زندہ نہ رہتا ہو اجوائن اور کالی مرچ لے دونوں چیزوں پر دوشنبہ کے روز دوپہر چالیس بار سورۂ الشمس پڑھے ہر بار درود پڑھ کر شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اس کو ہر روز عورت کھایا کرے حمل کے دن سے لڑکے کے دودھ چھڑانے تک۔ (اعمال قرآنی)

ولادت میں سہولت کے لیے

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ (۱) وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ (۲) وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ (۳) وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ (٤)﴾

خاصیت: ان آیتوں کو لکھ کر ولادت کی آسانی کے لیے بائیں ران میں باندھ لیں۔

(اعمالی قرآنی)

میاں بیوی میں محبت پیدا کرنے کے لیے

﴿یحبهم ویحبونه أذلة علی المؤمنین أعزة علی الکافرین﴾

خاصیت: اس آیت کو شیرینی پر دم کر کے جس کو کھلائے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے محبت ہوجائے گی۔ (اعمال قرآنی)

بچہ کو نظرِ بد لگ جائے تو یہ دعا پڑھے

﴿وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۘ (۵۱) وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾ (القلم)

خاصیت: حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نظر بد کے لیے مفید ہے۔ (اعمال قرآنی)

ہر قسم کی حاجت کے لیے

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾﴾ (نوح)

خاصیت: چند اشخاص حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے کسی نے پانی نہ برسنے کی شکایت کی اور کسی نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اور کسی نے دوسرے حاجتوں کے لیے کہا آپ نے سب کے جواب میں فرمایا کہ استغفار کرو، ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے سب کو استغفار ہی کے لیے فرمایا آپ نے جواب میں انہیں آیتوں کو پڑھا اور فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اسی آیت کو ارشاد فرمایا ہے اور اگر پوری سورۂ نوح سوتے وقت پڑھ لی جائے تو احتلام سے محفوظ رہے گا۔ (اعمال قرآنی)

شادی کے بعد دل گھبرائے تو یہ دعا پڑھے

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ (ھود: ۱۱۲)

خاصیت: استقامت قلب کے لیے ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھے۔

بدخوابی سے حفاظت

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾﴾

خاصیت: جس شخص کو بدخوابی ہو اور پریشان خواب دیکھتا ہو وہ اس کو گلے میں ڈالے یا سوتے وقت پڑھ لیا کرے ان شاء اللہ خواب بد سے محفوظ رہے گا۔ (اعمال قرآنی)

سحر سے حفاظت

﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۸۱) وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۸۲) ﴾ (یونس)

خاصیت: سحر کے لیے بہت مجرب ہے جس پر کسی نے سحر کیا ہو ان آیتوں کو لکھ کر گلے میں ڈالے یا تشتری پر لکھ کر پلائے انشاء اللہ تعالیٰ صحت ہو جائے گی۔ (اعمال قرآنی)

بیٹا یا بیٹی کے نکاح کے لیے بہترین عمل

﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴾ (الفرقان)

اگر آپ کے بیٹے یا بیٹی کا عقد نہ ہوتا ہو تو آپ اپنی اس مراد کے لیے یہ آیت اکیس دن تک تین سو تیرہ دفعہ پڑھیں۔

ہر مشکل کی آسانی کے لیے مجرب عمل

﴿ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (۴) بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۵) ﴾ (روم)

ہر جائز مراد کے لیے اور ہر مشکل کی آسانی کے لیے ان آیتوں کو ایک سو تیرہ دفع پڑھیں۔

لڑکی کے رشتہ کے لیے ایک مجرب عمل

رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴾ (القصص: ۲۴)

اگر آپ کی لڑکی کے لیے رشتہ نہ آتا ہو، یا آتا ہو مگر رشتہ پسند نہ ہو تو آپ ایک سو بارہ مرتبہ اس دعا کو اور تین مرتبہ سورۂ ضحیٰ پڑھیں، ہر مہینہ گیارہ دن تک پڑھیں اور تین مہینہ یہ عمل جاری رکھیں۔ (انشاء اللہ تعالیٰ رشتہ آئے گا)

میاں بیوی میں محبت پیدا کرنے کا نسخہ

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾ (روم: ۲۱)

اگر آپ کو اپنی بیوی سے اختلاف ہے، آپس میں محبت نہیں ہے تو اس آیت کو ننانوے دفعہ کسی مٹھائی پر تین دن پڑھ کر دم کریں اور دونوں کھائیں۔

اپنی اور اولاد کی اصلاح کے لیے مجرب عمل

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (الأحقاف: ۱۵)

اگر آپ اپنی اولاد کی فرمانبرداری چاہتے ہیں اور خدا کے لیے پسندیدہ عمل کرنا چاہتے ہیں تو مذکورہ آیت تین مرتبہ روزانہ پڑھیں، ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

❁❁❁❁❁

مصنف کا مختصر تعارف

ابتدائی تعارف:

استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب اطال اللہ بقاء یکم شوال ۱۳۸۳ھ بمطابق سن ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے، قرآن کریم ناظرہ اور دینیات کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد الحاج مولانا شائق رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس پڑھیں، ۱۹۷۷ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی میں داخلہ لے کر باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا، یہاں پر ایک ہی سال میں اعدادیہ اور درجہ اولیٰ کی تمام کتابیں پڑھیں، یہاں پر حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب زید مجدہ سے خصوصی تعلق رہا، درجہ ثانیہ کی کتابیں مدرسہ مدینۃ العلوم شمالی ناظم آباد میں پڑھنے کے بعد ۱۹۸۰ء کے اوائل میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا، یہاں درجہ ثالثہ سے موقوف علیہ تک کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اس دوران حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن کاملپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ڈاکٹر مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ اور مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی سے خصوصی تعلق رہا اسی دوران حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق پیدا ہوگیا تھا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے اصلاحی تعلق کے علاوہ تلمذ کا شرف بھی حاصل رہا، جس سے فقہ میں خاص مناسبت پیدا ہوئی، پھر اپنے شیخ ہی کے مشورہ سے دورۂ حدیث کے لئے جامعہ دارالعلوم کراچی میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۶ء میں ممتاز نمبروں کے ساتھ سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی ہی سے تخصص فی الافتاء کیا، اس دوران شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم سے خاص تعلق رہا، نیز تخصص کے ساتھ سرکاری بورڈ میں امتحان دے کر میٹرک بھی پاس کیا، نیز جدید معیشت وتجارت کے خصوصی دورہ میں شرکت کی اس میں بھی ممتاز نمبر حاصل کیے۔

زندگی کا دوسرا دور:

تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد دو سال تک جامعہ اشرفیہ حقانیہ ۳۶ بی لانڈھی میں

تدریس کے فرائض انجام دیئے، اس کے بعد ۱۹۹۰ء سے جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی میں تدریس اور افتاء کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳ سال تک یہاں خدمات انجام دیتے رہے، اس دوران حضرت مفتی حبیب اللہ شیخ صاحب زید مجدہم کی نگرانی میں آٹھ سال تک افتاء کا کام سرانجام دیتے رہے، پھر پانچ سال تک دارالافتاء جامعہ حمادیہ کے مستقل ذمہ دار کی حیثیت سے فتویٰ کا کام کرتے رہے، ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۰۰۳ء سے تاحال، جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی میں درجہ علیا کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ دارالافتاء سے بھی منسلک ہیں، اس طرح اب تک چار ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر فرما چکے ہیں۔

تصنیفات:

حضرت استاذ محترم تدریس وافتاء کے علاوہ ماشاء اللہ صاحب قلم بھی ہیں، سیکڑوں کی تعداد میں اصلاحی مضامین کے علاوہ اب تک چھوٹی بڑی ۳۰ سے زائد کتابیں بھی تصنیف فرما چکے ہیں، چند ایک یہ ہیں:

۱ زاد مسافر
۲ خواتین کی نماز کے احکام
۳ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان
۴ ڈیجیٹل تصویر اور سی ڈی کے شرعی احکام
۵ عطر ہدایہ کی تسہیل
۶ حیاۃ المسلمین کی تسہیل
۷ جدید معاملات کے شرعی احکام
۸ صالحین کی خوشگوار راتیں
۹ خون ریزی اور عصبیت قرآن وحدیث کی روشنی میں
۱۰ میراث کے احکام اور ہماری کوتاہیاں
۱۱ بچوں کے لئے ابتدائی دینی تعلیمات
۱۲ فقہ العبادات
۱۳ جنت کی ضمانت
۱۴ سبق آموز واقعات
۱۵ خواتین کے جدید مسائل
۱۶ گانا بجانا قرآن وحدیث کی روشنی میں
۱۷ ڈاڑھی اور بالوں کے احکام
۱۸ حلال وحرام کے احکام
۱۹ شرح العقیدۃ الطحاویہ
۲۰ تسہیل تعلیم الدین
۲۱ مال کمانے میں راہ اعتدال
۲۲ دعاء کے آداب واحکام
۲۳ سلام کے جدید وقدیم مسائل
۲۴ ترک گناہ اور اصلاح معاشرہ
۲۵ تسہیل اصول تصوف
۲۶ ترجمہ کنز العمال کی تکمیل

جامعہ حمادیہ میں قیام کے دوران ایک رسالہ بنام ''بچوں کے لئے ابتدائی دینی تعلیمات'' لکھ کر اپنے پیرومرشد حضرت فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جمعہ کے دن پیش کیا۔ اگلے جمعہ کو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی مجلس میں تبصرہ فرمایا: ''کہ انہوں نے ایک رسالہ مجھے دیا کچھ دن تو یہ رسالہ میرے سرہانے رکھا رہا، میں سوچتا تھا کہ یہ تو بچوں کے لیے ہے اور میں بچہ تو ہوں نہیں، اسے پڑھ کر کیا کروں گا؟ لیکن یوم الثلاثہ کے دن اسے اٹھا کر پڑھا تو ماشاء اللہ بہت خوب۔ یہ تو بڑوں کے لیے ہونا چاہیے تھا۔''

پھر حضرت نے اس کا کچھ حصہ اہل مجلس کو خود پڑھ کر سنایا، اس کے بعد بہت سے مہتمم حضرات نے اسے اپنے اپنے مدرسوں کے مکاتب میں باقاعدہ داخل نصاب کرلیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ استاذ محترم کی حیات دراز فرمائیں، مزید خدمات دینیہ کے لیے قبول فرمائیں، خصوصاً اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور امت کے لیے نافع بنائیں۔

احمد افنان

استاذ جامعۃ الرشید احسن آباد، کراچی